Kinds of Uncertainty

غرر کی صورتیں

اس کتاب میں مشہور فقہی اصطلاح ''غرر'' کی حقیقت بیان کرنے
کے بعد اسکی مختلف صورتوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب (پی ایچ ڈی)

KINDS OF UNCERTAINTY
غرر کی صورتیں

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الغرر. (ابن ماجه)

KINDS OF UNCERTAINTY

اس کتاب میں معروف فقہی اصطلاح "غرر" (Uncertainty) کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اس کی ان تمام صورتوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے متعلق شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے سے ہمارے بہت سے مالی معاملات شریعت کے سانچے میں ڈھل سکتے ہیں۔

ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی (پی ایچ ڈی)

(Quranic Studies Publishers)

فہرستِ مضامین

تقریظ

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اَمَّا بَعْدُ!

عزیز القدر مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب نے ماشاء اللہ دورۂ حدیث بھی جامعہ دارالعلوم کراچی میں محنت سے کیا اور درجۂ تخصص فی الافتاء کی تکمیل بھی یہیں سے کی۔ اس عرصے میں ان کا علمی ذوق وشوق اور اس سلسلے میں ان کی محنت و کاوش سامنے آتی رہی، بعض فقہی مسائل بھی یہ مجھے دِکھاتے رہے، جس سے قوی اُمید ہے کہ یہ فقہ وفتویٰ کے کام میں اسی طرح لگے رہے تو ان شاء اللہ اس میدان میں تیز رفتار ترقی کریں گے۔

آج انہوں نے ''غرر'' کے موضوع پر لکھا گیا اپنا مقالہ دِکھایا، اسے مطالعہ کرنے کی نوبت تو ناچیز کو نہیں آئی لیکن ورق گردانی اور عنوانات کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ''غرر'' جیسے غیر مخدوم موضوع پر ان کا یہ مقالہ شاید پہلی کتابی کوشش ہو جس میں اس موضوع پر اتنی تفصیل سے کلام کیا گیا ہے، اُمید ہے کہ انہوں نے اس میں بھی اپنی عادت کے مطابق تحقیق سے کام لیا ہوگا۔

دِل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے، ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

واللہ المستعان

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ!

ماشاء اللہ عزیز گرامی مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب نے ''غرر'' کے موضوع پر ایک ضخیم مقالہ تیار کیا ہے۔ انہوں نے یہ موضوع بندے کے مشورے ہی سے منتخب کیا تھا، اور تحریر کے دوران کبھی کبھی مشورے بھی کرتے رہے۔

بندے نے یہ مقالہ بالاستیعاب تو نہیں دیکھا، لیکن اس کا معتد بہ حصہ دیکھنے کا موقع ملا ہے، اور یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ بفضلہ تعالیٰ عزیز موصوف نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے متعلقہ مواد جمع کیا ہے، اور اسے سلیقے کے ساتھ مقالے میں نہ صرف پیش کیا ہے، بلکہ اس سے بہت سے معاملات میں دُرست نتائج نکالے ہیں۔ اس سے عزیز موصوف کی استعداد، سلیقۂ تالیف اور مسائل کی فہم کا اندازہ ہوتا ہے۔ دِل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائیں، اور اسے طلبہ اور اہلِ علم کے لئے نافع بنائیں، آمین ثم آمین۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۴۲۴/۵/۳۰ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی مدظلہم

استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ، وَبَعْدُ

عزیز القدر مولوی اعجاز احمد صمدانی سلمہ اللہ تعالیٰ وعلمہ ما ینفعہ کا "غرر" کے موضوع پر تحریر کردہ مقالہ احقر دورانِ تحریر وقتاً فوقتاً دیکھتا رہا اور جو مشورہ مناسب معلوم ہوا، وہ عزیز سلمہ کے لئے تحریر کرتا رہا، اس طرح بحمد اللہ پورا مقالہ دیکھنے کا موقع ملا۔

بحمد اللہ یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ عزیز سلمہ نے پورا مقالہ محنت اور تندہی سے مکمل کیا ہے اور موضوع سے متعلق اہم مباحث منظم اور مرتب طریقے سے جمع کر دیئے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازیں اور انہیں دین کی سچی اور مقبول خدمت کی مزید در مزید توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین)

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ
جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۴۲۴/۵/۱۲ھ

انتساب
لِلّٰہِ ولِرسولہٖ

ضروری گزارش

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْأَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

ربِّ ذُو المنن کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھ جیسے تہی دامنِ علم کو ''غرر'' جیسے غیر مخدوم علمی موضوع پر قلم اُٹھانے کی توفیق عنایت فرمائی۔ بلاشبہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو مالی معاملات کی بہت زیادہ صورتوں کو محیط ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مالی معاملات کے اندر بنیادی طور پر صرف دو چیزوں سے بچنے کی ضرورت ہے، ایک ''سود'' سے اور دُوسرے ''غرر'' سے۔ الحمدللہ، عام طور پر مسلمانوں کے ذہنوں میں سود کی حقیقت بھی موجود ہوتی ہے اور اس سے بچنے کا جذبہ بھی، لیکن ''غرر'' سے عمومی طور پر ناواقفیت پائی جاتی ہے اور معاملات کے اندر بھی اس سے بچنے کا اہتمام نہیں ہوتا، مثلاً کوئی چیز خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اُسے آگے بیچنا (بیع قبل القبض) شرعاً ناجائز ہے، لیکن ہماری مارکیٹیں اس طرح کے معاملات سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح اور بھی ایسے سینکڑوں معاملات ہمارے بازاروں میں رائج ہیں جن کے اندر ''غرر'' کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتا ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ اس موضوع پر باقاعدہ قلم اُٹھایا جائے تاکہ مسلمان ''غرر'' کی حقیقت سے واقف ہونے کے بعد اپنے معاملات کو شریعت کے سانچے میں ڈھال سکیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک اس موضوع پر اُردو زبان میں باقاعدہ کوئی تصنیف احقر کی نظر سے نہیں گزری، چنانچہ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بندے نے ابتداءً

جامعہ دارالعلوم کراچی میں تخصص فی الافتاء کی تربیت کے دوران اسے موضوعِ تحقیق بنایا جس میں ''غرر'' کی حقیقت اور اس کی مختلف صورتوں کو زیرِ بحث لایا گیا۔ الحمدللہ، جامعہ کے اکابر نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور تخصص فی الافتاء میں بتقدیرِ ''ممتاز'' سند مرحمت فرمائی۔

تاہم ابھی تک اس موضوع پر کافی کام کرنے کی ضرورت تھی، خصوصاً مختلف مالی معاملات میں اس کے مختلف اثرات کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے بندے نے کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے لئے بھی اسے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، جس میں بندے نے نفسِ موضوع پر مزید تحقیق کے علاوہ مالی معاملات پر ''غرر'' کے اثرات کو موضوعِ بحث بنایا، الحمدللہ یہ مقالہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچا اور بحمداللہ جامعہ کراچی کی طرف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری مل گئی۔

بعض اکابر اور دوستوں نے مشورہ دیا کہ ان دونوں مقالوں کا شائع کرنا بہت مفید ہے، چنانچہ بندے نے ان پر نظرِ ثانی کے بعد اشاعت کا فیصلہ کیا۔ ان میں سے پہلا مقالہ ''غرر کی صورتیں'' کے عنوان سے، جبکہ دوسرا مقالہ ''مالی معاملات پر غرر کے اثرات'' کے عنوان سے شائع کیا جارہا ہے۔ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں پہلا مقالہ ہے۔

بندہ اس موقع پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم، اُستاذِ مکرم مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور اُستاذِ مکرم مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی صاحب مدظلہم کا تہہ دِل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان کی سرپرستی، رہنمائی اور مفید مشوروں کی بدولت اِن مقالوں کی تکمیل ممکن ہوسکی۔

بارگاہِ الٰہی میں التجا ہے کہ بندے کی اس حقیر کاوش کو قبول فرمائیں اور اسے اہلِ علم اور عامۃ المسلمین کے لئے مفید اور نافع بنائیں۔ (آمین)

اعجاز احمد صمدانی

جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۸ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، اَمَّا بَعْدُ:-

موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت

اسلام کے تجارتی اُصولوں میں سے سب سے بنیادی اُصول یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دُوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے نہ کھائے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:-

اے ایمان والو! آپس میں ایک دُوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔[1]

اسی بنیادی اُصول پر اسلام کے بہت سے تجارتی احکام کا دار و مدار ہے انہیں میں سے ایک حکم ''غرر'' سے ممانعت کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دُوسرے کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے جس میں دھوکہ دہی، غلط اُمید دِلانا، مبیع کو خطرے (Risk) میں ڈالنا یا بیع کے غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) میں پائے جانے کی خرابیاں موجود ہوں کیونکہ ان خرابیوں کا ارتکاب کر کے مال کمانے والا انسان نہ صرف ناحق مال کھانے کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ اس کے اس عمل کی وجہ سے پورا معاشرہ پریشانی اور عدمِ تحفظ کا شکار ہو جاتا ہے۔

غرر کا وجود اور اس کا مفہوم اگرچہ کئی صدیوں سے متعارف چلا آ رہا ہے حتیٰ کے

---

(۱) القرآن: (۴:۲۹)

زمانہ جاہلیت کے بہت سے معاملات جیسے بیع الملامسہ، بیع المنابذہ، بیع الحصاۃ اور بیع العربون وغیرہ کے اندر غرر کا پہلو موجود ہے لیکن عصرِ حاضر میں تجارت اور باہمی لین دین کے طریقوں میں جس قدر پیچیدگیاں پیدا ہو چکی ہیں ان حالات میں غرر کو سمجھنے اور جدید معاملات میں اس کا جائزہ لینے کی شدید ضرورت ہے۔ غرر کی نئی صورتیں، بیع الخیارات (Option Sale)، عقود المستقبلیات (Future Sale)، حاضر اور غائب سودے (Forward Sales)، تعیین قیمت کے لئے Benchmark کا استعمال اور ان جیسے سینکڑوں معاملات ایسے پائے جاتے ہیں جن میں ''غرر'' کا عنصر بہت نمایاں ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:-

أما النهي عن بيع الغرر فهو أصل عظيم من أصولِ كتاب البيوع ويدخل فيه مسائل كثيرة غير منحصرة.[1]

ترجمہ:- بیع الغرر سے ممانعت کا حکم کتاب البیوع کے اندر بہت بڑے اُصول کی حیثیت رکھتا ہے جس کے اندر بے شمار مسائل شامل ہوجاتے ہیں۔

علامہ ابن العربی اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں قرآن مجید کی آیت نمبر۲ :۲۷۵ کی تفسیر کے ذیل میں چھپن ناجائز معاملات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان کے اندر درج ذیل تین خرابیوں میں سے کوئی خرابی ضرور پائی جاتی ہے:-

۱-ربا۔ ۲-ناحق طریقے سے دُوسرے کا مال کھانا۔ ۳-غرر۔[2]

ڈاکٹر صدیق محمد الامین الضریر فرماتے ہیں کہ اسلامی فقہ کے اندر دو نظریات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں:-

۱.....ربا کا نظریہ۔ ۲.....غرر کا نظریہ۔

لیکن اکثر مقالہ نگار اور علمائے کرام ''سود'' کے متعلق تو بحث کرتے ہیں جبکہ

---

(۱) المنهاج المعروف بشرح النووی علی صحیح مسلم (أبو زکریا یحیی بن شرف النووی) کراچی، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه الطبعة الأولی ۱۴۰۸ھ (۱۰/۱۵۶).

(۲) أحكام القرآن، ابن العربي (ابوبكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربي ۴۶۸ - ۵۴۳ھ) بيروت، دار المعرفة (۱/۲۴۴).

"غرر" کے موضوع کو مناسب اہمیت نہیں دی گئی حالانکہ معاملات کے اندر "غرر" کا اثر "ربا" سے زیادہ ہے۔[۱]

غرر سے متعلق متقدمین اور معاصر علمائے کرام کے اقوال کا مطالعہ کرنے سے کھل کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ مالی معاملات میں غرر کا موضوع بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے لیکن اس پر اس قدر توجہ نہیں دی گئی جس قدر واقعی ضرورت کا تقاضا تھا۔

اس موضوع پر ابھی تک اُردو یا انگریزی زبان میں کوئی قابلِ قدر کام نہیں ہوا۔ اگر کچھ ہوا ہے تو وہ انتہائی مختصر، محدود اور غیر جامع ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے، بعض علمائے عرب نے اس موضوع پر تحقیقی قلم اٹھایا ہے لیکن اس میں عصرِ حاضر کی مروجہ صورتوں کا بہت کم تذکرہ ملتا ہے اور ان صورتوں کا ذکر تو بالکل نہیں ملتا جن کا تعلق ہمارے دیار سے ہے، لہٰذا پیشِ نظر مقالے میں قومی زبان کے اندر غرر کے متعلق ایسا تحقیقی کام کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں غرر کی بنیادی مباحث کے ساتھ ساتھ غرر کے تحقیق طلب پہلوؤں پر بھی سیر حاصل بحث ہو۔

وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ.

غرر کی لغوی تعریف

"غرر" عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے لغوی معنیٰ ہیں دھوکہ دینا، غلط اُمید دِلانا، چنانچہ لسان العرب میں ہے:-

غرر: غره، يغره، غراً، وغروراً، وغِره، الاخيرة عن اللحياني فهو مغرور وغرير، خدعه وأطعمه بالباطل. قال: إن امرأ غره منكن واحدة، بعدي وبعدك في الدنيا لمغرور.[۲]

القاموس المحيط میں ہے:-

---

(۱) الغرر وأثره في العقود، الضرير (الدكتور الصديق محمد الأمين الضرير) طبع المؤلف بنفسه. الطبعة الثانية، ١٤١٠هـ ص ١٢، ١٧.

(۲) لسان العرب، ابن منظور (العلامة ابن منظور) بيروت، دار احياء التراث العربي ١٤٠٨هـ

غـرّاً، وغـروراً، وغـرة، بالكسر فـهو مغـرور وغرير كامير خدعه وأطعمه بالباطل. [1]

الموسوعة الفقهية (الكويت) میں ہے:

غره غـرّاً، وغِراً، وغـرة فهو مغرور وغرير: خدعه وأطعمه بالباطل. [2]

عربی کا ایک محاورہ ہے:-

أنا غرر منک.

یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی سے دھوکہ کھائے، مصباح اللغات[3] اور القاموس الجدید[4] میں بھی یہی معنیٰ مذکور ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ غرر ایسی چیز کو کہتے ہیں کہ جس کا ظاہر پسندیدہ ہو جبکہ اس کا باطن مکروہ اور ناپسندیدہ ہو[5] اس معنیٰ کا حاصل بھی یہ ہے کہ غرر دوسرے کو دھوکہ دینے کا نام ہے کیونکہ جو چیز ظاہراً خوبصورت ہوگی تو خریدار اسے خوشی سے خرید لے گا لیکن حقیقت میں اندرونی نقص اور عیب پر مشتمل ہوگی جس سے اسے دھوکہ ہوگا۔ چنانچہ

---

(۱) القاموس المحيط، الفيروز آبادی (مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آبادی ۷۲۹-۸۱۷ھ) بيروت دار احياء التراث العربی، الطبعة الأولی ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱م (۲/۱۴۳) ..... وايضا فی تاج العروس، الزبيدی (السيد مرتضی الزبيدی) بيروت، مطابع دار الصادر ۱۳۸۶ھ- ۱۹۶۶م (۴/۴۴۳).

(۲) الموسوعة الفقهية الكويت، وزارة الأوقاف والشئون الاسلامية، الكويت، الطبعة الأولی ۱۴۱۴ھ- ۱۹۹۴م (۳۱/۱۴۹).

(۳) مصباح اللغات، بلیاوی (عبدالحفیظ بلیاوی) کراچی، میر محمد کتب خانہ، طبع اوّل ۱۹۵۰ء ص: ۵۹۴.

(۴) القاموس الجدید کیرانوی، (مولانا وحیدالزمان قاسمی کیرانوی) لاہور، ادارہ اسلامیات، طبع اوّل ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ - جون ۱۹۹۰ء ص: ۶۵۹.

(۵) الفروق، القرافی (شهاب الدين أبو العباس الصنهاجي المشهور بالقرافی) بيروت، دار المعرفة الطبعة الأولی (۳/۲۶۶): اصل الغرر لغة قال القاضی عياض رحمه الله "هو ماله ظاهر محبوب وباطن مكروه ولذلک سميت الدنيا متاع الغرور".

علامہ ابنِ اثیر نے اس کی تصریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں:-

الغرر ماله ظاهر تؤثره وباطن تكرهه فظاهره يغر المشتري وباطنه مجهول.[1]

ترجمہ:- غرر یہ ہے کہ کسی چیز کا ظاہر تو متاثر کرے اور اس کا باطن ناپسندیدہ ہو پس اس کے ظاہر سے خریدار کو دھوکا ہو کیونکہ اس کا باطن اسے معلوم نہیں۔

قرآنِ حکیم میں بھی عام طور پر غرر کا لفظ ''دھوکہ'' کے معنی میں استعمال ہوا جیسے ارشادِ باری ہے:-

يَـٰٓأَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ.[2]

ترجمہ:- اے انسان! تجھے اپنے کریم رَب کے معاملے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا۔

اس کے علاوہ غرر ''خطر'' کے معنی میں بھی آتا ہے، خطر کا مطلب ہے کسی انسان کا اپنے آپ کو یا اپنے مال کو خطرے میں ڈالنا۔ المنجد میں ہے:-

الغرر التعريض للهلاك.[3]

ترجمہ:- اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کا نام غرر ہے۔

خلاصہ یہ کہ لفظ ''غرر'' لغوی اعتبار سے ان تمام معانی کو شامل ہے جو اوپر بیان ہوئے۔

---

(۱) جامع الاصول في احاديث الرسول، ابن الأثير (مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير الجزري ۵۵۴-۶۰۶ھـ) مكتبة دار البيان الطبعة الاولى ۱۳۸۹ھ-۱۹۶۹م (۱/۵۲۷).

(۲) القرآن: (۸۲:۶)

(۳) المنجد في اللغة، معلوف (لوئس معلوف) ايران، انتشارات اسماعيليان، الطبعة الحادية والعشرون ۱۹۷۳م ص: ۵۴۶.

ايضاً في الموسوعة الفقهية (الكويت) بحواله بالا

وفي بدائع الصنائع (۵/۱۶۳) الغرر هو الخطر.

انگریزی میں استعمال ہونے والے الفاظ

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ غرر لغوی اعتبار سے تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:-

۱-دھوکہ دینا۔ ۲-غلط اُمید دِلانا۔ ۳-خطر۔

ہر ایک معنیٰ کے اعتبار سے انگریزی میں مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر غرر دھوکہ دہی کے معنی میں استعمال ہو تو اس کے لئے درج ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں:-

Beguile, Deceive, Cheat, Delude

اگر غلط اُمید دِلانے کے معنی میں ہو تو اس کے لئے درج ذیل الفاظ استعمال ہوئے:-

Lure, entice ,tempt

اور اگر ''خطر'' کے معنی میں ہو تو اس کے لئے درج ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں:-

Uncertainty ,Danger, Peril, Jeopardy, Hazard.[1]

اصطلاحی تعریف

فقہی اصطلاح میں ''غرر'' ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام غیر معلوم ہو، اسے انگریزی کے لفظ (Uncertainty) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مختلف فقہائے کرام نے اسی مفہوم کو مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں مختلف فقہاء کے حوالے سے غرر کی تعریف ذکر کی جاتی ہے۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر مایکون مستور العاقبة.[2]

---

(۱) القاموس العصری (عربی، انجلیزی) الیاس (الیاس انطون الیاس) (U.A.R) Elias Modern Cairo الطبعة الثامنة، ۱۹۲۰ء ص: ۴۷۴.

۔ ایضاً فی القاموس المدرسی (عربی انجلیزی مع انجلیزی عربی) الیاس انطون الیاس، کراتشی، دار الاشاعت، الطبعة الأولی ۱۳۹۲ھ ص: (انجلیزی عربی) ۴۷، ۷۳، ۱۹۲، ص: (عربی انجلیزی) ۲۸۲.

(۲) کتاب المبسوط، السرخسی (العلامة شمس الدین السرخسی) بیروت، دار المعرفة الطبعة الأولی ۱۴۱۴ھ – ۱۹۹۳م (۱۲/۱۹۴).

ترجمہ:- غرر ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام پوشیدہ ہو۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الغرر ما طوی عنک علمه.[1]

ترجمہ:- غرر وہ معاملہ ہے جس کے انجام کا علم تجھ سے لپیٹ لیا گیا ہو (یعنی پوشیدہ ہو)۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر هو الخطر الذی استویٰ فیه طرف الوجود والعدم بمنزلة الشک.[2]

ترجمہ:- غرر خطر پرمبنی ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس میں وجود اور عدم دونوں جہتیں برابر ہوں، یعنی (بیع کے ہونے یا نہ ہونے میں) شک سا ہو۔

علامہ دسوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر التردد بین أمرین أحدهما علی الغرض والثاني علی خلافه.[3]

ترجمہ:- غرر دو چیزوں کے درمیان تردّد کا نام ہے، ایک چیز غرض کا حاصل ہونا اور دُوسری اس کے برعکس۔

علامہ قرافی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اصل الغرر هو الذی لا یدری هل یحصل أم لا کالطیر في الهواء والسمک في الماء.[4]

---

(۱) فتح القدیر مع الهدایة والکفایة، ابن الهمام (کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود المعروف بابن الهمام المتوفی ۸٦۱هـ) کوئٹه، مکتبه رشیدیه (۱۳۲/٦).

(۲) بدائع الصنائع، الکاسانی (علاء الدین أبوبکر بن مسعود الکاسانی المتوفی ۵۸۷هـ) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولی ۱۳۲۸هـ — ۱۹۱۰م (۵: ۱٦۳).

(۳) حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر، الدسوقی (شمس الدین الشیخ محمد عرفه الدسوقی) بیروت، دارالفکر (۵۵/۳).

(۴) الفروق، القرافی (ابوالعباس شهاب الدین الصنهاجی المشهور بالقرافی) بیروت، دارالمعرفة (۳/ ۲٦۴).

ترجمہ:- غرر کی حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ معاملہ ہے جس میں معلوم نہ ہو کہ بیع حاصل ہوگی یا نہیں جیسے ہوا میں موجود پرندہ اور پانی میں موجود مچھلی۔

امام مالک رحمہ اللہ نے الموطا میں اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے، آپ لکھتے ہیں:-

من المخاطرة والغرر اشتراء ما في بطون الإناث من النساء والدواب لأنه لا يدري أيخرج أم لا يخرج، فإن خرج فلا يدري أيكون حسناً أو قبيحاً، تاماً أو ناقصاً، ذكراً أم أنثى وذلک كله يتفاضل.[1]

ترجمہ:- مخاطرہ اور غرر میں عورتوں اور مؤنث جانوروں کے حمل کی بیع بھی شامل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ بچہ پیدا ہوگا یا نہیں، اگر پیدا ہوا تو یہ معلوم نہیں کہ وہ خوبصورت ہوگا یا بدصورت، اور تام الخلق ہوگا یا ناقص الخلق، مذکر ہوگا یا مؤنث ان تمام چیزوں سے ان کی قیمت میں فرق آتا ہے۔

علامہ شیرازی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر ما انطوى عنه أمره وخفي عليه عاقبته.[2]

ترجمہ:- غرر وہ معاملہ ہے جس کی حقیقت چھپی ہوئی ہو اور اس کا انجام پوشیدہ ہو۔

علامہ رملی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

الغرر ما احتمل أمرين أغلبهما أخوفهما ..... وقيل: ما انطوت عنا عاقبته.[3]

---

(۱) کتاب المؤطا (الإمام مالک بن أنس) کراچی. نور محمد کارخانہ تجارت ص:۵۹۸.

(۲) المهذب. الشيرازی (الإمام ابو اسحاق الشيرازی) مصر، عيسى البابي الحلبي وشركاه (۱/۲۶۲).

(۳) نهاية المحتاج، الرملي (شمس الدين محمد بن أبو العباس احمد بن حمزة ابن شهاب الدين الرملي المتوفى ۱۰۰۴ هـ) بيروت، دار احياء التراث العربي (۳/۳۹۲).

ترجمہ:- غرر وہ معاملہ ہے جو دو پہلوؤں کا احتمال رکھتا ہے، ان میں ہر ایک کے نہ ہونے کا احتمال غالب ہے (یعنی ہر پہلو کے اندر یہ احتمال ہے کہ وہ نہ ہو) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غرر وہ ہے جس کا انجام پوشیدہ ہو۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

الغرر هو المجهول العاقبة.[۱]

ترجمہ:- غرر وہ معاملہ ہے جس کا انجام مجہول ہو۔

علامہ ابنِ بطّال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر هو ما يجوز أن يوجد وأن لا يوجد.[۲]

ترجمہ:- غرر اس معاملے کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر ہونے یا نہ ہونے کے دونوں پہلوؤں کا امکان موجود ہو۔

مذکورہ بالا تمام تعریفوں کا حاصل یہی ہے کہ غرر ایک ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام غیر یقینی ہو، البتہ اس مفہوم کو علامہ ابنِ بطّال نے سب سے آسان اور عمدہ انداز میں بیان فرمایا ہے، کیونکہ غیر یقینی کیفیت کا مفہوم ان الفاظ سے جلدی سمجھ میں آجاتا ہے۔ تاہم علامہ سرخسیؒ کی بیان کردہ تعریف سب سے زیادہ جامع ہے، انگریزی میں اس مفہوم کے لئے Uncertainty کا لفظ استعمال ہوا ہے۔[۳]

ضروری وضاحت

اگرچہ فقہی کتب میں "غرر" کی یہی تعریف ذکر کی گئی ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس کا انجام پوشیدہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ معاملہ جس کے انجام کے بارے میں انسان کو علم نہ ہو، وہ غرر میں داخل ہے، بلکہ اس کے اندر ایک بنیادی شرط یہ ملحوظ ہے کہ

---

(۱) القواعد النورانية الفقهية، ابن تيمية (شيخ الاسلام أبو العباس تقي الدين أحمد بن عبدالحليم الدمشقي، المعروف بابن تيمية ۶۶۱هـ - ۷۲۸هـ) القاهرة، مطبعة السنة المحمدية، الطبعة الأولى ۱۳۷۰هـ - ۱۹۵۱م ص:۱۱۶.

(۲) شرح صحيح البخاری، ابن بطّال (ابو الحسن علی بن خلف بن عبدالملک المعروف بابن بطّال) رياض، مكتبة الرشد الطبعة الأولى ۱۴۲۰هـ - ۲۰۰۰م (۶/۲۷۲).

(۳) القاموس المدرسی (انجليزی، عربی) ص:۳۱۹.

غرر کسی عقد کے اصل اجزاء کے اندر ہو، لہٰذا انجام کی پوشیدگی کا تعلق اگر عقد کے اصل اجزاء سے نہیں تو وہ غررِ ممنوع میں داخل نہیں، جیسے سبزی بیچنے والے کو یہ معلوم نہیں کہ اسے کتنا نفع ملے گا، اسی طرح اگر دو آدمی مل کر شرکت یا مضاربت کی بنیاد پر کوئی کام کرتے ہیں تو ان کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں مستقبل میں کتنا نفع ہوگا، نفع ملے گا یا نقصان ہوگا وغیرہ وغیرہ لیکن یہ انجام مستور ہونے کے باوجود غررِ ممنوع نہیں کیونکہ اس پوشیدگی کا عقد کی ذات سے کوئی تعلق نہیں۔ تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''غرر ایک ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کسی عقد (Contract) کے اصل اجزاء کے اندر غیر یقینی کیفیت پیدا ہوجائے۔'' کسی عقد کے اندر غیر یقینی کیفیت پیدا ہونے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں جس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی اِن شاء اللہ۔

غرر سے متعلق قرآنی آیات اوران کی تشریح

قرآن مجید میں کسی جگہ غرر کا لفظ ذکر کر کے اس کے اَحکام بیان نہیں کیے گئے البتہ ایسا ضابطہ بیان کردیا ہے جس کے تحت غرر کی تمام صورتیں داخل ہوجاتی ہیں، اور وہ ضابطہ ہے ''کسی کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے کا حرام ہونا''۔

قرآن مجید میں جابجا دُوسرے کے اَموال کو ناجائز طریقے سے کھانے اور استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ.[1]

ترجمہ:- اور ایک دُوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

ایک اورجگہ ارشاد ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.[2]

ترجمہ:- اے ایمان والو! ایک دُوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، ہاں مگر آپس کی رضامندی سے تجارتی لین دین ہوتو جائز ہے۔

---

(۱) القرآن: (۱۸۸:۲)۔ (۲) القرآن: (۲۹:۴)۔

ایک اور جگہ یہودیوں پر بہت سی پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:-

وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔[1]

ترجمہ:- اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:-

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔[2]

ترجمہ:- اے ایمان والو! اہلِ کتاب کے بہت سے عالم اور درویش لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں۔

مذکورہ تمام آیات میں "أکل بالباطل" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں "دوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے کھانا" اس لفظ کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے "غرر" کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يعني ما لا يحلّ شرعًا ولا يفيد مقصودًا، لأنّ الشرع نهى عنه ومنع منه وحرّم تعاطيه كالربا والغرر ونحوهما۔[3]

ترجمہ:- اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو شرعاً ناجائز اور مقصود کے لئے غیر مفید ہیں کیونکہ شریعت نے ان سے روکا ہے اور اس کے معاملات کو ناجائز قرار دیا ہے جیسے سود اور غرر وغیرہ۔

ایک اور جگہ ناجائز معاملات کی چھپن[56] اقسام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

ولا تخرج عن ثلاثة اقسام وهي الربا والأكل بالباطل والغرر

---

(۱) القرآن: (۴:۱۶۱)۔ (۲) القرآن: (۹:۳۴)۔

(۳) احکام القرآن، ابن العربی (أبو بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربی ۴۶۸ ھ- ۵۴۳ ھ) بیروت، دارالمعرفة (۱/۴۷).

..... أنظر ایضا احکام القرآن، العثمانی (العلّامة ظفر احمد العثمانی) کراتشی، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۷ ھ- ۱۹۸۷ م (۱/۴۷۷).

ویرجع الغرر بالتحقیق إلی الباطل فیکون قسمین.[۱]

ترجمہ:- یہ تمام اقسام تین قسموں میں شامل ہیں، سود، باطل طریقے سے کھانا اور غرر اور بالتحقیق غرر باطل طریقے سے کھانے میں شامل ہے تو اس طرح کل دو قسمیں ہوئیں۔

علامہ قرطبی "أکل باطل" کی تفسیر میں مختلف ناجائز معاملات کا ذکر کرنے کے بعد ان کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

لأنّه من باب بیع القمار والغرر والمخاطرة.[۲]

ترجمہ:- کیونکہ ان میں قمار، غرر اور خطر کی خرابی پائی جاتی ہے۔

غرر سے متعلق احادیث

غرر کی ممانعت اور اس کی حرمت سے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں جنھیں امام مالکؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابنِ ماجہؒ، نسائیؒ، بیہقیؒ، دارقطنیؒ اور دیگر بہت سے محدثینِ کرام نے اپنی کتبِ حدیث میں اپنی مختلف اسناد سے ذکر فرمایا ہے۔ ذیل میں انہی میں سے چند روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر.[۳]

---

(۱) أحکام القرآن لابن العربی: (۱/۲۴۴).

(۲) الجامع لأحکام القرآن، القرطبی (أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاری القرطبی) القاهرة، مطبعة دار الکتب المصریة، الطبعة الأولی ۱۳۰۱ هـ-۱۹۳۳م (۱۵/۵).

(۳) صحیح مسلم، النیسابوری (ابوالحسین مسلم ابن الحجاج القشیری النیسابوری المتوفی ۲۶۱هـ) استنبول، المکتبة الإسلامیة، الطبعة الأولی ۱۳۷۴هـ-۱۹۵۵م کتاب البیوع حدیث: (۳۶۹۱). سنن ابی داؤد، السجستانی (ابوداؤد سلیمان ابن اشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵هـ) بیروت، دار احیاء السنة النبویة، الطبعة الأولی ۱۳۹۲هـ باب فی بیع الغرر حدیث: (۳۲۳۷). جامع الترمزی، الترمذی (ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی بن سوره الترمذی المتوفی ۲۹۷هـ) بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولی ۱۴۱۵هـ-۱۹۹۵م البیوع، حدیث: (۱۲۳۳). سنن ابن ماجة، القزوینی (الحافظ ابو عبدالله محمد بن یزید القزوینی المتوفی ۲۷۳هـ) ریاض، شرکة الطباعة العربیة، الطبعة الثانیة ۱۴۰۴هـ-۱۹۸۴م کتاب التجارات حدیث: (۲۱۹۴). مسند احمد بن حنبل، بیروت، المکتب الاسلامی، فی مسند أبی هریرة ج:۲ ص:۳۷۶، ۴۳۶، ۴۳۹.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصاۃ[۱] اور بیع الغرر سے منع فرمایا۔

۲- عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الغرر.[۲]

ترجمہ:- ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابنِ عمرؓ سے بھی مروی ہے[۳] اوران کے علاوہ عامر الشعبی رحمہ اللہ[۴] اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ[۵] اس روایت کو مرسلاً نقل کرتے ہیں۔

۳- عن علی رضی اللہ عنہ قال: سیأتی علی الناس زمان عضوض یعضّ الموسر علی ما فی یدیه ولم یؤمر بذالک. قال اللہ تعالیٰ: "ولا تنسوا الفضل بینکم"[۶] ویباع المضطرون وقد نھی النبی صلی اللہ علیه وسلم عن بیع المضطر وبیع الغرر وبیع الثمرة قبل أن تدرک.[۷]

---

(۱) "بیع الحصاۃ" کی تعریف آگے آرہی ہے۔

(۲) ابن ماجة کتاب التجارات حدیث: ۲۱۹۵۔

(۳) السنن الکبری، البیھقی (أبوبکر أحمد بن حسین بن علی البیھقی المتوفی ۴۵۸ھ) بیروت، لبنان دار الکتب العلمیة الطبعة الأولی ۱۴۲۰ھ باب النھی عن بیع الغرر (۳۳۸/۵) حدیث: ۱۰۶۲۹.

(۴) کتاب الخراج، أبو یوسف (قاضی أبو یوسف یعقوب بن إبراھیم المتوفی ۱۸۲ھ) بتحقیق الدکتور محمد ابرھیم البنا مصر، دار الإصلاح الطبعة الأولی ۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸م ص: ۱۹۲.

(۵) السنن الکبری للبیھقی بحواله بالا .

...... کتاب المؤطا للإمام مالک بن انس، باب بیع الغرر حدیث: ۱۳۳۲.

(۶) القرآن: (۲۳۷:۲).

(۷) أبوداؤد، البیوع حدیث: ۳۳۸۲، انظر ایضًا سنن الکبری للبیھقی، باب ما جاء فی بیع المضطر وبیع المکرہ حدیث: ۱۰۸۵۹.

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں پر کاٹنے والا زمانہ آئے گا کہ مالدار اپنے غلام کو کاٹے گا (یعنی مالدار اپنی مقبوضہ تمام چیزیں اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرے گا) حالانکہ اسے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں'' اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا'' اور مجبور لوگوں کی بیع کی جائے گی حالانکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضطر کی بیع، بیع الغرر اور پھل پکنے سے پہلے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

۴- عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تشتروا السمک فی الماء فانّہ غرر.[1]

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی میں موجود مچھلی کو نہ خریدو کیونکہ یہ غرر ہے۔

تشریحِ احادیث:

مذکورہ احادیث میں درج ذیل باتیں قابلِ تشریح ہیں۔

''بیع الغرر'' میں کونسی اضافت ہے؟

پہلی بات یہ ہے کہ'' بیع الغرر'' میں لفظ'' بیع'' کی اضافت لفظ'' غرر'' کی طرف کی گئی ہے تو یہ اضافت کی کونسی قسم میں داخل ہے۔

اس میں دو احتمال ہیں۔

۱- مصدر کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہے۔ اس صورت میں غرر بمعنی مفعول ہوگا اور مطلب یہ ہوگا'' بیع المغرور بہ'' یعنی غرر والی چیز کی بیع۔ اس صورت میں غرر کا تعلق صرف مبیع (Subject Matter) کے ساتھ خاص ہوگا۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیھقی، باب ما جاء فی النھی عن السمک فی الماء حدیث: ۱۰۶۴۱ ومسند احمد حدیث: ۳۶۷۵، وفی معجم الکبیر للطبرانی ج: ۹ ص: ۳۲۱ حدیث: ۹۶۰۷ موقوفا علی عبداللہ بن مسعود.

۲- موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی: البیع الذی یکثر فیه غرر۔ اس صورت میں غرر کا تعلق صرف مبیع کے ساتھ نہیں ہوگا بلکہ بیع کے تمام ارکان واجزاء کے ساتھ بھی ہوگا اور یہی بات راجح ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک غرر کا تعلق صرف مبیع کے ساتھ نہیں بلکہ عقد، ثمن اور مدّت وغیرہ کے ساتھ بھی ہے۔

ممانعت میں عموم ہے یا نہیں؟

دُوسری بات یہ ہے کہ علمِ اُصولِ فقہ کے ماہرین کے درمیان یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ جب کوئی صحابی یہ کہتا ہے کہ نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن کذا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز یا فلاں معاملے سے منع فرمایا) تو اس کے اندر عموم ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم اس معاملے کی تمام صورتوں کے لئے ہے یا یہ کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کی کسی ایک صورت کو دیکھا تو اس سے منع کیا لیکن صحابی نے اس روایت کو عموم کے ساتھ نقل کردیا جس سے اس معاملے کی تمام صورتیں ممنوع قرار پائیں جیسے بیع الغرر اور اس کی صورتوں کے متعلق متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا تو کیا اس سے بیع الغرر کی تمام صورتوں کی ممانعت ہوگئی یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک صورت سے منع فرمایا، جس میں غرر تھا اور صحابی نے مطلقاً بیع الغرر کی ممانعت نقل فرمادی۔

امام غزالی رحمہ اللہ اور بعض اُصولیین کی رائے یہ ہے کہ اس سے عموم ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ المستصفی میں ہے:-

قول الصحابی نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن کذا کبیع الغرر ونکاح الشغار وغیره لا عموم له لأن الحجة فی المحکی لا فی قول الحاکی ولفظه وما رواه الصحابی من حکی النهی یحتمل أن یکون فعلًا لا عموم لهٗ نهی عنه النبی صلی الله علیه وسلم ویحتمل أن یکون لفظًا خاصًا ویحتمل

أن يكون لفظاعامًا فاذا تعارض الاحتمالات لم يكن إثبات العموم بالتوهم.[1]

ترجمہ:- کسی صحابی کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا جیسے بیع الغرر اور نکاح شغار وغیرہ تو اس میں عموم نہیں ہوتا اس لئے کہ دلیل وہ قول ہے جو حکایت کیا گیا نہ کہ حکایت کرنے والے کا قول اور اس کے الفاظ، اور صحابی جو ممانعت روایت کرتا ہے اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ وہ کوئی ایسا فعل ہو جس میں عموم نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ کوئی خاص لفظ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ممانعت عمومی ہو، لہٰذا جب احتمالات میں تعارض واقع ہو گیا تو توہم کی وجہ عموم ثابت نہ ہوا۔

البتہ علامہ آمدی رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم عادل اور لغت کو جاننے والے تھے اس لئے ان کی بیان کردہ نہی سے عموم ثابت ہو جائے گا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

قول الصحابي: نهى رسول صلى الله عليه وسلم عن بيع الغرر وقوله قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالشفعة للجار ونحوه، اختلفوا في تعميمه لكل غرر وكل جارٍ.

والذي عليه معول أكثر الأصوليين أنه لا عموم له لأنه حكاية الراوي ولعلّه رأى النبي صلى الله عليه وسلم وقد نهى عن فعل خاصٍ لا عموم له وفيه غرر وقضى لجارٍ مخصوص بالشفعة فنقل صيغة العموم لظنه عموم الحكم. ويحتمل أنه سمع صيغة ظنها عامة ويحتمل أنه سمع صيغةً عامة، وإذا

---

(۱) المستصفى من علم الأصول، الغزالي (حجة الإسلام أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالي) مصر، مطبعة مصطفى محمد، الطبعة الأولى ١٣٥٦هـ - ١٩٣٧م (٢٢/٢).

تعارضت الإحتمالات، لم يثبت العموم. لقائل أن يقول:
وإن كانت هذه الإحتمالات منقدحة غير أن الصحابی الراوی من أهل العدل والمعرفة باللغة فالظاهر أنه لم ينقل صيغة العموم إلا وقد سمع صيغة لا شک فی عمومها لما هو مشتمل عليه من الداعی الدينی العقلی المانع من إيقاع الناس فی ورطة الإلتباس......فالغالب إصابته فيما ظنه ظاهرا فكان صدقه فيما نقله غالبا على الظن ومهما ظن صدق الراوی فيا نقله عن النبی صلی الله عليه وسلم وجب اتباعه.[1]

ترجمہ:- کسی صحابی کا کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا، اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے لئے شفعہ کا حق رکھا وغیرہ تو اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ کیا اس حکم میں عموم ہے یا نہیں۔

اکثر اُصولیین کی رائے یہ ہے کہ اس میں عموم نہیں کیونکہ یہ ایک راوی کا بیان ہے جس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسے فعل سے منع کرتے ہوئے دیکھا ہو جس میں غرر ہو، یا کسی مخصوص پڑوسی کے حق میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہو، لیکن اُس صحابی نے اسے عمومی حکم سمجھتے ہوئے عام صیغے کے ساتھ نقل کردیا۔

لیکن کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ یہ احتمالات قابل مدح ہیں لیکن (قابل قبول نہیں کیونکہ) صحابی عادل اور لغت جاننے والا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس صیغے کے عموم میں اسے شک ہوگا، وہ کبھی اسے

(۱) الإحكام فی أصول الأحكام، الآمدی (سيف الدين أبو الحسن علی بن أبی علی بن محمد الآمدی) القاهرة، مؤسسة الحلبی و شركاءه الطبعة ۱۳۸۷ھ – ۱۹۶۷م (۲/۲۳۵).

عموم کے ساتھ نقل نہیں کرے گا اس لئے کہ دینی جذبہ اور عقلِ سلیم
اسے اس بات سے منع کرے گا کہ وہ لوگوں کو ورطہ میں ڈالے۔ اور
غالب یہ ہے کہ اس کا گمان صحیح ہے اور اس کی نقل کردہ بات بھی
غالبِ گمان کے مطابق سچی ہے اور جب راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے نقل کردہ روایات میں سچا ہو تو اسکی اتباع واجب ہے۔

غرر کا شرعی حکم

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بیع الغرر ناجائز ہے۔ ان کا استدلال "أکل بالباطل" سے ممانعت والی آیات اور مذکورہ احادیث سے ہے جبکہ علامہ ابنِ سیرین اور قاضی شریح رحمہما اللہ تعالیٰ کے بارے مروی ہے کہ ان کے نزدیک بیع الغرر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[1] لیکن ابنِ بطّال رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان تک بیع الغرر سے ممانعت والی روایات نہ پہنچی ہوں۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

وقد یمکن أن یکون ابن سیرین ومن أجاز بیع الغرر لم یبلغهم نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن ذلک ولا حجة لأحد خالف السنة.

ترجمہ:- ممکن ہے کہ ابنِ سیرین اور وہ لوگ جو بیع الغرر کو جائز کہتے ہیں، ان تک ممانعت کی یہ روایات نہ پہنچی ہوں اور جس شخص کا قول سنت کے خلاف ہو، وہ معتبر نہیں ہوگا۔[2]

(۱و۲) شرح صحیح البخاری لابن بطّال (۲/۲۷۲) عن ابن سیرین قال: لا أعلم فی بیع الغرر بأسا و ذکر ابن المنذر عن ابن سیرین قال: لا بأس فی بیع العبد الآبق إذا کان علمهما فیه واحد، وحکی مثله عن شریح.

غرر کا مفہوم زمانۂ جاہلیت میں

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں مختلف قسم کے معاملات کا رواج تھا لیکن ان کے یہ معاملات کسی شرعی ضابطے کے پابند نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے اپنے عرف وعادات اور قبائل کے طے کردہ نظام پر مبنی ہوتے تھے۔ اس میں یہ معیار نہیں تھا کہ فلاں معاملہ غرر پر مبنی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اور فلاں معاملہ جائز ہے بلکہ جس معاملے کو ان کا عرف جائز قرار دیتا، وہ اسے بے دھڑک کر گزرتے خواہ اس میں غرر ہو یا نہ ہو۔

چنانچہ اس زمانے میں جس طرح جائز معاملات جیسے شرکت اور مضاربت وغیرہ موجود تھے، اسی طرح معاملات کی بہت بڑی تعداد ایسی بھی تھی جن میں غرر کا پہلو نمایاں ہوتا تھا جیسے حمل الحمل کی بیع، بیع الملامسہ، بیع المنابذہ، بیع الحصاۃ، بیع المضامین اور بیع الملاقیح وغیرہ۔

الشیخ علی الخفیف زمانۂ جاہلیت کے باہمی معاملات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وكانوا يتحالفون ويتبايعون ويتداينون و يرهنون ويتجرون ويتنازعون ويتحاكمون ويتناكحون وكانوا في جميع ذلك خاضعين لعادات جارية أو تقاليد موروثة أو عرف مألوف أو متبعين ديانات سابقة وكان كل أولئك إلى حدّ ما باختلاف القبائل ومتأثرًا كذلك بهوى رؤسائهم.[1]

ترجمہ:- زمانۂ جاہلیت میں آپس میں لوگ ایک دوسرے سے حلف لیتے تھے، بیع وشراء کرتے تھے، عبادات کرتے تھے، ایک دوسرے کے پاس رہن رکھواتے تھے، تجارت کرتے تھے، ان کے درمیان جھگڑے ہوجاتے تو ان کے فیصلے کرتے تھے، آپس میں نکاح کرتے

---

(۱) أحكام المعاملات الشرعية، الخفيف (الأستاذ الشيخ علي الخفيف، البحرين، بنك البركة الاسلامي للاستثمار. ص: ۱۹.

تھے وغیرہ اور یہ سب کچھ ان کی جاری عادات، آباء و اجداد کی تقلید، مانوس عرف، سابقہ مذاہب کی پیروی کی بنیاد پر ہوتا تھا اور ان میں قبائل کے اختلاف کی وجہ سے ان چیزوں میں بھی بہت زیادہ اختلاف واقع ہو جاتا تھا نیز وہ اپنے سرداروں اور وڈیروں کے احکام اور ان کی خواہش کے تابع رہتے تھے۔

اسلام آنے کے بعد تبدیلی

اسلام آنے کے بعد ان معاملات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اسلام نے جاری شدہ تمام معاملات کو بالکل ناجائز قرار نہیں دیا بلکہ ان میں سے جو معاملات شرعی اصولوں کے مطابق تھے، انھیں برقرار رکھا اور جن میں قدرے اصلاح کی ضرورت تھی، ان میں تبدیلی پیدا کر کے اسے اختیار کرنے کی اجازت دی اور جنکے اندر تبدیلی لانے کے باوجود بھی اصلاح کی صورت مشکل تھی، اسے ناجائز قرار دیا۔ جن معاملات کو برقرار رکھا گیا ان میں شرکت اور مضاربت سرفہرست ہیں۔ اور جن معاملات میں قدرے اصلاح کی گئی ان میں بیع سلم اور بیع الجزاف قابل ذکر ہیں اور جن معاملات کو ناجائز قرار دیا گیا، ان میں بیع الحصاۃ، بیع الملامسہ، بیع المنابذہ، حمل الحمل کی بیع وغیرہ نمایاں ہیں ان پر تفصیلی بحث آئندہ آئے گی انشاء اللہ۔ ان معاملات کو ناجائز قرار دینے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے اندر غرر کا عنصر نمایاں تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام میں غرر کا جو تصور پایا جاتا ہے، زمانہ جاہلیت کا عرب اس سے بالکل نابلد اور بے بہرہ تھا۔

الشیخ علی الخفیف لکھتے ہیں:

جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وحال هذه الأمة كما وصفنا فلم يعمده إلى هدمها ولكنه حاول إصلاحها وعني بعلاجها حتى طهرها من الرجس وخلصها من شوائب الظلم و نفي عن بوائق الجاهلية وأدران الوثنية فحرم الضار وكمل

الناقص وأصلح الفاسد وأقر الصالح. حرم الربا...... وأصلح نظام البيوع فنفى عنها الغرر والخداع والغبن الفاحش، وأقر الإجارة والرهن والعارية لصلاحها.[1]

ترجمہ:- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس امت کا وہی حال تھا جو ہم نے پہلے بیان کیا آپ نے اسے ختم نہیں کیا بلکہ اس کی اصلاح فرمائی اور اس کا حل تلاش کرنے کی طرف متوجہ ہوئے یہاں تک کہ اسے گندگی سے پاک کیا، ظلم سے نکالا اور جاہلیت اور بت پرستی کی میل کچیل اس سے دور کی چنانچہ آپ نے نقصان دہ اشیاء کو حرام قرار دیا، ناقص کو مکمل کیا، خراب کی اصلاح کی اور درست کو برقرار رکھا۔ آپ نے سود کو حرام قرار دیا۔ معاملات کا نظام درست کیا اور اس سے غرر، دھوکہ دہی اور غبن فاحش کو ختم کیا اور اجارہ، رہن اور عاریت کو صحیح ہونے کی وجہ سے برقرار رکھا۔

ڈاکٹر صدیق محمد الضریر لکھتے ہیں:-

إنّ نظرة الفقه الاسلامي للغرر تختلف اختلافًا كليًا عن نظرة العرب في الجاهلية له.[2]

ترجمہ:- غرر سے متعلق اسلامی فقہ کا نظریہ اس سے بالکل مختلف ہے جو زمانۂ جاہلیت میں عرب معاشرے کے اندر پایا جاتا تھا۔

غرر کی تعریف موجودہ قوانین میں

موجودہ قوانین کے اندر غرر کے لغوی معنی کی تعریف اور تشریح بھی ملتی ہے اور اصطلاحی معنی کی تعریف بھی۔ ذیل میں اسے قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

---

(۱) بحوالہ بالا۔

(۲) الغرر وأثره في العقود ص: ٦٦.

غرر بمعنی دھوکہ دہی کے لئے "Cheat" کا لفظ کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے، اس کی تشریح یوں کی گئی ہے:-

Cheat: Swindling, Defrauding, The act of fraudulently deceiving.(1)

غرر بمعنی خطر کے لئے استعمال ہونے والے لفظ "Danger" کی تشریح یوں کی گئی:-

Danger: exposure to loss or injury.(۲)

"Hazard" کی وضاحت یوں کی گئی ہے:-

Hazard : A danger or risk lurking in a situation which by change or fortuity develops into an active agency.(۳)

ترجمہ:- خطر: ایسا نقصان یا خطرہ جو کسی حالت میں بالقوۃ اس طرح موجود ہو کہ کسی تبدیلی یا تقدیری معاملے کی وجہ سے بالفعل خطرے میں بدل جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی کے لئے قانونی عبارات

جہاں تک غرر کے اصطلاحی معنیٰ کا تعلق ہے تو مصری قانون کی کتب میں اسے "عقد احتمالی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مشہور مصری ماہر قانون ڈاکٹر عبدالرزاق السہنوری اسکی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

إذا كان كل مِن المتعاقدين لا يستطيع أن يحدّد وقت تمام العقد القدر الّذى أخذ أو القدر الّذى أعطىٰ ولا يتحدد

(1) Black's law distionary, Black (Henry campbell black), U.S.A, West Publishing company, fifth edition , 1927, Page. 215.

(۲) Black's law distionary p.355

(۳) Black's law distionary p.205

ذٰلک إلَّا فی المستقبل تبعًا لحدوث أمرٍ غیر محقق الحصول أو غیر معروف وقت حصوله، فالبیع بثمن یکون إیرادًا مرتبًا طول الحیاة هو عقد احتمالی لأنّ البائع وإن کان یعرف وقت البیع القدر الّذی أعطی، لا یستطیع أن یعرف فی ذٰلک الوقت القدر الّذی أخذ ..... والمشتری ایضًا کالبائع یباشر عقدًا احتمالیًا فهو یعرف القدر الّذی أخذ ولکن لایعرف القدر الّذی أعطی وهو الثمن الّذی لا یمکن تحدیده وقت البیع.

ترجمہ:- جب متعاقدین میں سے ہر ایک عقد مکمل ہونے کے وقت اس بات کی تحدید نہ کر سکے کہ کتنی مقدار لی گئی اور کتنی مقدار دی گئی بلکہ وہ اسکی تحدید مستقبل ہی میں کر سکیں کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ اسکا ملنا یقینی نہیں یا حصول کے وقت تک وہ غیر معروف ہے تو وہ عقد احتمالی ہے کیونکہ بیع کے وقت بائع کو یہ تو معلوم ہے کہ وہ کیا دے گا، لیکن وہ کیا لے گا اسے اسکا علم نہیں۔ اس کے برعکس خریدار لی جانے والی چیز کو تو جانتا ہے لیکن دی جانے والی چیز کو نہیں جانتا اور یہ ثمن ہیں جسکی تحدید عقد کے وقت نہیں ہوسکتی۔

اسکے بعد وہ عقود احتمالیہ کی مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن العقود الاحتمالیة الشائعة عقود التامین وعقود الرهان والمقامرة، فهذه وإن تحددّ فیها وقت العقد القدر الذّی یعطیه المؤمّن والمراهن والمقامرة أن القدر یاخذه لا یتحددالّا تبعًا لأمر غیر محقق الحصول وهو وقوع الحادثة المؤمّن علیها أو کسب الرهان أو نجاح المقامرة.[1]

---

۱) نظریة العقد، السنهوری (الدکتور عبدالرزاق أحمد السنهوری) بیروت، دار احیاء التراث العربی، ص:۱۴۰

مشہور عقود احتمالی میں انشورنس، شرط لگانا اور قمار شامل ہیں۔ اس میں عقد کے وقت وہ مقدار تو معلوم ہوتی ہے جو انشورنس، شرط لگانے والے اور قمار کا معاملہ کرنے والے کو دی جاتی ہے لیکن لی جانے والی مقدار ایک غیر یقینی واقعہ کے تابع ہوتی ہے جیسے انشورنس کی گئی چیز کا حادثہ، شرط کا پایا جانا اور قمار میں کامیابی۔

مصر کے ایک اور معروف ماہرِ قانون ڈاکٹر احمد حشمت ''عقدِ احتمالی'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

العقد الذی لا يستطيع فيه كل من المتعاقدين تحديد ما يحصل عليه من نفعة. [1]

ترجمہ:- یہ ایک ایسا عقد ہے جس میں فریقین میں سے کوئی بھی حاصل ہونے والی منفعت کی تحدید نہیں کرسکتا

مصر کے عدالتی قوانین میں عقد احتمالی کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

إن العقد الاحتمالی هو الذی لا يستطيع فيه كل من المتعاقدين تحديد ما يحصل عليه من المنفعة وقت التعاقد. وهي لا تتحدد إلا فيما بعد تبعاً لوقوع أمر غير محقق كبيع الثمار قبل انعقادها والزرع قبل نباته بثمن. والبيع بسعر الوحدة ليس احتماليا لأنّ كل منالبائع والمشتری يعلم وقت العقد ما أعطى كما يعلم ما أخذ. [2]

ترجمہ:- عقد احتمالی ایک ایسا عقد ہے جس میں فریقین میں سے کوئی

---

(۱) نظرية الإلتزام في قانون المدني المصری أبو ستيت (الدكتور أحمد حشمت أبو ستيت) ص:۲۴ كذا في الغرر واثره في العقود ص:۶۸۔

(۲) هكذا قضت محكمة استيناف مصر (۱۸ ابريل ۱۹۳۸ م، المحاماة ۳۱، رقم: ۱۳۵) كذا في الوسيط في شرح القانون المدني، السنهوری (الدكتور عبدالرزاق السنهوری) بيروت، دار احياء التراث العربی (۱/۱۶۴).

بھی عقد ہونے کے وقت حاصل ہونے والی منفعت کی تحدید نہیں کرسکتا۔ اس کی تحدید کسی غیر یقینی واقعے کے تابع ہوتی ہے جیسے پھلوں کے پکنے سے پہلے یا کھیتی کے پکنے سے پہلے کسی ثمن (قیمت) پر ان کی بیع۔ البتہ اگر متعین ثمن کے بدلے متعین چیز دینے کا عقد ہو تو وہ عقد احتمالی نہیں اس صورت میں عقد کے وقت بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو یہ معلوم ہے کہ اس نے کیا لینا ہے اور کیا دینا ہے۔

قانون کی معروف لغت بلیکس لاء ڈکشنری (Black's law dictionary) میں Uncertainty کے بجائے اس کے متضاد لفظ Certainty کی تشریح ملتی ہے جو کہ ان الفاظ میں ہے۔

Certainty : Absence of doubt, accuracy; The quality of being specific.[1]

قانون کی ایک اور معروف لغت "المعجم القانونی" (Law Dictionary) کے اندر Certainty اور Uncertainty دونوں الفاظ کی تشریح ملتی ہے جو کہ ان الفاظ میں ہے:-

Certainty:

(في المرافعات) إبانة في تقرير أمر، وضوح أو تفصيل في كلام.

(في العقود) ضبط، وضوح أو جلاء.

Uncertainty:

عدم تثبت أو عدم يقين (من أمر)، عدم الجزم به، غموض (في قصد أو تعبير).[2]

---

(۱) Black's law dictionary P.205

(۲) المعجم القانوني، (انجليزي عربي) الفاروقي (حارث سليمان الفاروقي) بيروت، مكتبة لبنان، الطبعة الرابعة ۲۰۰۱م ص: ۱۱۵.

غرر سے متعلق ذکر کردہ قانونی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ قانون کی نظر میں کسی معاملے کے غرر پر مبنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی ابہام ہو، معاملہ واضح نہ ہو اور کسی معاملے کے غرر پر مبنی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی ابہام نہ ہو، بلکہ اس معاملے سے متعلق تمام پہلو واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہوں۔

غرر کی شرعی اور قانونی تعریفات کے

درمیان مقارنہ(Comparision)

غرر کی شرعی اور قانونی تعریفات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ قانون غرر کے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتا جن کا احاطہ شرعی تعریفات کے ذیل میں ہوجاتا ہے مثلاً اگر کسی معاملے میں بائع مبیع سپرد کرنے پر قادر نہ ہو البتہ مبیع (Subject Matter) اور ثمن(Price) کی ادائیگی کی مدت، جگہ اوراس کا طریقہ کار غرضیکہ اس کی تمام تفصیلات بیان کردی جائیں تو قانون کی نظر میں یہ معاملہ درست ہے کیونکہ اس میں کوئی ابہام نہیں ہے لیکن شرعی اعتبار سے یہ معاملہ غرر میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے کیونکہ یہ یقینی نہیں کہ وہ مستقبل میں مبیع سپرد کرنے پر قادر ہوگا یا نہیں۔[1]

اس لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ غررِ شرعی اور غررِ قانونی کے درمیان عموم خصوص مطلق[2] کی نسبت ہے جس میں غررِ قانونی خاص مطلق اور غررِ شرعی عام مطلق ہے یعنی جو معاملہ قانون کی رو سے غرر پر مبنی ہے وہ شرعی اعتبار سے بھی غرر پر مبنی ہے لیکن جو معاملہ

---

(۱) جیسے فیوچر اور فارورڈ سیل (Future sale and Forword sale) اور ہوا میں موجود پرندے کی بیع وغیرہ البتہ سلم واستصناع وغیرہ کا جواز خلافِ قیاس ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

(۲) یہ علمِ منطق کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں کے درمیان ایسی نسبت کہ جہاں ایک چیز پائی جائے وہاں دوسری بھی پائی جائے لیکن جہاں دوسری چیز پائی جائے ضروری نہیں کہ وہاں پہلی بھی پائی جائے جیسے انسان اور جاندار کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے جس میں انسان خاص مطلق اور جاندار عام مطلق ہے، یعنی جو انسان ہے وہ جاندار بھی ہوگا لیکن جو جاندار ہے، ضروری نہیں کہ وہ انسان بھی ہو بلکہ کوئی اور مخلوق بھی ہوسکتا ہے جیسے شیر، چیتا وغیرہ کہ یہ جاندار تو ہیں لیکن انسان نہیں۔

شریعت کی رو سے غرر پر مبنی ہے، ضروری نہیں کہ وہ قانونی اعتبار سے بھی غرر پر مبنی ہو۔

غرر کی تقسیمات

ذیل میں مختلف اعتبارات سے غرر کی بننے والی اقسام کو ذکر کرنا مقصود ہے۔

غرر میں بنیادی طور دو تقسیمیں ہوتی ہیں:-

۱- غرر کی تقسیم .... مؤثر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے۔

۲- غرر کی تقسیم .... اسباب غرر کے اعتبار سے۔

ذیل میں دونوں قسموں کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

غرر کی تقسیم .... مؤثر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے

غرر سے متعلق فقہائے کرام کی بیان کردہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ غرر کے مؤثر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:-

۱- غررِ مؤثر۔ ۲- غررِ غیر مؤثر۔

غررِ مؤثر سے مراد وہ غرر ہے جس کا اثر عقد میں ظاہر ہو اور اس کی وجہ سے عقد فاسد یا باطل ہو جائے اور غررِ غیر مؤثر اس غرر کو کہا جاتا ہے کہ جس کا اثر عقد میں ظاہر نہ ہو اور عقد کے اندر اس کے پائے جانے کے باوجود بھی عقد صحیح رہے۔

غرر کے مؤثر ہونے کے لئے شرائط

عقد کے اندر غرر کے مؤثر ہونے کے لئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱- غرر کثیر ہو۔

۲- عقد کے اندر اصالۃً پایا جائے۔

۳- اس عقد کو کرنے کی ضرورت اور حاجت نہ ہو۔

۴- غرر عقود مالیہ میں ہو۔[1]

ذیل میں ہر ایک کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

---

(۱) الموسوعة الفقهية (الكويت) ص ۱۰۱.

پہلی شرط

پہلی شرط یہ ہے کہ غرر کثیر ہو، اگر معمولی درجے کا غرر پایا جائے تو اس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا، علامہ ابنِ رشد الحفید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

الفقهاء متفقون على أنّ الغرر الكثير فى المبيعات لا يجوز وأن القليل يجوز.(۱)

ترجمہ:- فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مبیع کے اندر پائے جانے والا غرر کثیر ہو تو وہ جائز نہیں لیکن اگر قلیل ہو تو وہ جائز ہے۔

علامہ قرافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر ثلاثة أقسام كثير ممتنع اجماعًا كالطير فى الهواء وقليل جائز إجماعا كأساس الدار وقطن الجبة ومتوسط اختلف فيه، هل يلحق بالأول أو الثانى.(۲)

ترجمہ:- غرر کی تین اقسام ہیں۔ غررِ کثیر جو بالاتفاق ممنوع ہے جیسے ہوا میں موجود پرندے کی بیع، غررِ قلیل جو بالاتفاق جائز ہے جیسے گھر کی بنیاد اور جبّہ کی رُوئی میں پایا جانے والا غرر، اور غررِ متوسط کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ اسے پہلی قسم کے ساتھ ملایا جائے یا دُوسری قسم کے ساتھ۔

کیا غررِ کثیر اور غررِ یسیر کے لئے کوئی ضابطہ ہے؟

اس بات کا فیصلہ کرنا کہ کونسا غرر کثیر ہے یا کونسا قلیل، یہ ایک مشکل کام ہے کیونکہ کثرت اور قلّت کا معیار زمانے اور علاقے کے بدلنے سے بدل جاتا ہے، اس لئے

---

(۱) بداية المجتهد، ابن رشد الحفيد (أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبى الأندلسى الشهير بابن رشد الحفيد المتوفى ۵۹۵ هـ) مصر، مطبعة محمد على صبيح، الطبعة الأولى (۲/۱۴۷).

(۲) الفروق للقرافى (۳/۲۶۵).

ان کے درمیان کوئی متعین حد بندی کرنا مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام میں بعض مرتبہ غرر کے درمیان کثیر یا قلیل ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے جسے علامہ قرافی[1] نے غررِ متوسط قرار دیا ہے تاہم بعض فقہاء نے غررِ کثیر اور غررِ یسیر کی پہچان کے لئے ضابطہ بیان بھی فرمایا ہے، چنانچہ علامہ ابوالولید باجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر الكثير غلب على العقد حتى صار العقد يوصف به ..... والغرر اليسير ما لا يكاد يخلو عقد منه.[2]

ترجمہ:- غررِ کثیر وہ ہے جو عقد میں غالب آجائے یہاں تک کہ عقد اس غرر کے ساتھ ہی موصوف ہو، اور غررِ قلیل وہ ہے کہ تقریبا کوئی عقد اس سے خالی نہ ہو۔

علامہ ابنِ رشد الجد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر اليسير الّذى لا تنفك البيوع منه.[3]

ترجمہ:- غررِ یسیر وہ ہے کہ عام طور پر معاملات اس سے خالی نہیں ہوتے۔

علامہ دسوقی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

غرر يسير هو ما شان الناس التسامح فيه.[4]

ترجمہ:- غررِ یسیر وہ ہے جس میں عام طور پر لوگ تسامح سے کام لیتے ہیں۔

اگرچہ غررِ کثیر اور غررِ قلیل کے درمیان فرق کرنے کے لئے فقہاء نے ضوابط ذکر فرمائے ہیں لیکن ان کی بنیاد پر بھی کوئی حتمی فیصلہ کرنا آسان نہیں البتہ علامہ دسوقی رحمہ

---

(۱) الفروق للقرافي (۳/۲۶۵)

(۲) المنتقى شرح الموطا، الباجي (القاضي ابو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن ايوب بن وارث الباجي ۴۰۳ھ-۴۹۴ھ) مصر، مطبعة السعادة، الطبعة الأولى ۱۳۳۲ھ (۵/۴۱).

(۳) المقدمات الممهدات، ابن رشد (ابو الوليد محمد بن أحمد ابن رشد القرطبي المتوفى ۵۲۰ھ) بيروت، دارالغرب للإسلامي، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ- ۱۹۸۸م (۲/۷۳).

(۴) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (۳/۶۰)

اللہ علیہ نے غررِ یسیر کے بارے میں جو ضابطہ بیان فرمایا ہے یہ زیادہ راجح اور عمل کے اعتبار سے آسان ہے۔ اسی کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس غرر میں لوگ عام طور پر تسامح نہیں کرتے بلکہ وہ باہمی نزاع کا ذریعہ بن جاتا ہے، وہ غررِ کثیر ہے اور جس غرر میں لوگ عام طور پر تسامح کرتے ہیں اور وہ باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتا وہ غررِ یسیر ہے۔

دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ غرر عقد کے اندر اصالۃً پایا جاتا ہو، اگر کسی کے ضمن میں پایا جائے گا تو اس صورت میں یہ غرر مؤثر نہیں ہوگا اور بیع جائز ہوجائے گی، اس لئے کہ شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ کسی چیز کے ضمناً ہونے کی وجہ سے تو اسے برداشت کرلیا جاتا ہے لیکن اگر وہ اصالۃً اور قصداً ہو تو وہ جائز نہیں ہوتی۔

علامہ ابنِ نجیم نے یہ اُصول ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:-

يغتفر في الشيء ضمناً ما لا يغتفر قصداً. [1]

اور شریعتِ مطہرہ میں اس کی بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں، چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱- جانور کے پیٹ کے اندر موجود بچے (حمل) کی بیع کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت وارِد ہوئی ہے۔[2] نیز علامہ ابنِ منذرؒ اور علامہ ماورديؒ نے اس بیع کے ناجائز ہونے پر اجماع نقل فرمایا ہے۔[3] لیکن حاملہ جانور کی بیع بالاتفاق جائز ہے حالانکہ اس بیع کے اندر حمل بھی شامل ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ حاملہ جانور کے ضمن میں ہوتا ہے اس لئے

---

(۱) الأشباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم المتوفى ۹۷۰هـ) كراچي، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۸هـ (۱/۳۲۶).

وايضاً في الأشباه والنظائر، السيوطي (جلال الدين عبدالرحمن السيوطي المتوفى ۹۱۱هـ) مصر، مصطفى البابي الحلبي وأولاده، الطبعة ۱۳۵۶هـ–۱۹۳۸م ص:۱۲۳.

(۲) السنن الكبرى للبيهقي (۵/۳۴۱)

(۳) المجموع شرح المهذب، النووي (أبو زكريا محي الدين يحيى بن شرف النووي المتوفى ۶۷۶هـ) بيروت، دار الفكر (۹/۳۲۳) وأجمع العلماء على بطلان بيع الجنين وعلى بطلان بيع ما في أصلاب الفحول نقل الإجماع فيها ابن المنذر والماوردي وغيرهما لأنه غرر ولأحاديث ولما ذكره المصنف.

اس وقت اس کی بیع جائز ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ایسی صورت میں حمل کو مستثنیٰ قرار دے کر اس جانور کی بیع کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وإذا باع حاملًا بيعًا مطلقًا دخل الحمل في البيع على الصحيح ولو باعها إلا حملها لم يصح البيع على الصحيح.[1]

ترجمہ:- جب کوئی شخص حاملہ جانور کی مطلقاً بیع کرتا ہے تو صحیح قول کے مطابق اس کا حمل بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس نے حمل کا استثناء کر کے بیع کی تو صحیح قول کے مطابق اس کی یہ بیع صحیح نہیں۔

۲- اسی طرح جانور کے تھنوں میں موجود دودھ کی بیع اصالۃً جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔[2] نیز اس میں دودھ کی مقدار مجہول ہونے کی وجہ سے غرر کی خرابی بھی پائی جاتی ہے۔[3] لیکن ایسے جانور کی خرید و فروخت بالاتفاق جائز ہے جس کے تھنوں میں دودھ موجود ہو، حالانکہ یہاں دودھ کی مقدار مجہول ہونے کی وجہ سے غرر موجود ہے لیکن ضمناً اور تابع ہونے کی وجہ سے مؤثر نہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أجمع المسلمون على جواز بيع حيوان في ضرعه لبن، وإن كان اللبن مجهولًا لأنّه تابع للحيوان ودليله من السنة

---

(۱) المجموع شرح المهذب للنووی (۳۲۸/۹)

(۲) سنن الدارقطني (الحافظ علي بن عمر الدارقطني المتوفى ۳۸۵ هـ) بيروت، دارالمعرفة، الطبعة الأولى ۱۴۲۲هـ-۲۰۰۱م (۵۸۳/۳) عن ابن عباس قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تباع الثمرة حتّى يبين صلاحها أو يباع صوف على ظهر أو لبن في ضرع .... وايضاً في السنن الكبرى للبيهقي (۳۴۰/۵)، وصحح إسناده النووی في المجموع (۳۲۶/۹)

(۳) الموسوعة الفقهية (الكويت) (۱۵۲/۳۱): لأنّه مجهول القدر لأنّه قديرى امتلاء الضرع من السمن فيظن أنّه من اللبن، ولأنّه مجهول الصفة لأنّه قد يكون اللبن صافيًا وقد يكون كدرا، وذلك غرر من غير حاجة فلم يجز

حدیث المصراة.[1]

ترجمہ:- مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جس جانور کے تھنوں میں دودھ ہو، اس کی بیع جائز ہے حالانکہ دودھ کی مقدار مجہول ہے، جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حیوان کے تابع ہے اور جواز کی دلیل حدیث مصراۃ ہے۔[2]

۳- اسی طرح درختوں پر موجود پھلوں کو پکنے اور آفت سے محفوظ ہونے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں لیکن اگر ان پھلوں کو درخت سمیت فروخت کردیا جائے تو پھر یہ بیع بالاتفاق جائز ہے۔[3]

مذکورہ تمام مثالوں سے واضح ہوا کہ غرر کے مؤثر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عقد میں اصالۃً پایا جائے، اگر ضمناً پایا جائے گا تو اس کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا۔

علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یجوز فی التابع من الغرر ما لایجوز فی المتبوع.[4]

ترجمہ:- تابع کے اندر وہ غرر بھی جائز ہوتا ہے جو متبوع (اصل) کے اندر جائز نہیں ہوتا۔

تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ اس عقد کو کرنے کی واقعی ضرورت اور حاجت نہ ہو، اگر کسی

(۱) المجموع شرح المهذب للنووی (۹/ ۳۲۶).

(۲) مصراۃ ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کا کچھ دنوں سے دودھ نہ نکالا گیا ہو، حدیث مصراۃ سے مراد وہ حدیث ہے جس میں ایسے جانور کی خرید وفروخت کی اجازت دی گئی ہے۔

(۳) بخاری، البیوع، حدیث: ۲۱۹۹، مسلم، البیوع، حدیث: ۳۷۵۲، عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تبیعوا الثمر حتّٰی یبدو صلاحه. (البتہ درختوں پر موجود پھلوں کی بیع کی بعض صورتوں میں کچھ اختلاف اور تفصیل ہے جو باب نمبر ۲ میں آئیگی)۔

(۴) المغنی، ابن قدامة (موفق الدین أبو محمد عبدالله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسی ۵۴۱ھ-۶۲۰ھ) ریاض، دار عالم الکتب، الطبعة الثالثة ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷م (۶/ ۱۵۰) لأنه إذا باعها مع الأصل حصلت تبعا فی البیع، فلم یضر احتمال الغرر فیها.

عقد کو ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا تو اس میں غرر مؤثر نہیں ہوگا جیسے بیع سلم کے اندر غرر موجود ہے کیونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے، لیکن ضرورت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا۔[1]

اسی طرح تھنوں کے اندر موجود دودھ کی بیع جائز نہیں لیکن حاجت کی وجہ سے بچوں کی پرورش کے لئے بطور حضانت کسی عورت سے اجارہ کے معاملے کی اجازت دی گئی۔[2] ان کے علاوہ مزارعت[3] اور خیار شرط[4] وغیرہ کو بھی حاجت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا، لہٰذا ان میں غرر مؤثر نہیں ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

مفسدة الغرر أقل من الربا، فلذٰلک رخص فیما تدعو إلیه الحاجة منه، فإن تحریمه أشد ضررا من ضرر کونه غررا.[5]

غرر کے مفاسد سود سے کم ہیں اس لئے حاجت کے وقت اس کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے کہ ایسی صورت میں اسے حرام قرار دینا اس کے غرر ہونے کے ضرر سے زیادہ سخت ہے۔

---

(۱) فتح القدیر، ابن الهمام (کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود السیواسی المعروف بابن الهمام المتوفی ۸۶۱ھ) کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ (۶: ۲۰۲) (فی بیع السلم) ولا یخفیٰ أن جوازه علی خلاف القیاس إذ هو بیع المعدوم وجب المصیر إلیه بالنص والإجماع للحاجة من کل من البائع والمشتری.

(۲) المغنی لابن قدامة (۶: ۳۰۱) أمّا لبن الظئر فانّما جاز للحضانة لانّه موضع حاجة.

(۳) تنویر الأبصار للتمرتاشی الدرالمختار للحصکفی مع شرحه ردّ المحتار المعروف بحاشیة ابن عابدین (محمد امین الشهیر بابن عابدین المتوفی ۱۲۰۲ھ) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی (۶: ۲۷۵): ولا تصح عند الإمام لأنّه کقفیز الطحان وعندهما تصح وبه یفتی للحاجة.

(۴) بدائع الصنائع للکاسانی (۵/ ۱۷۴): عن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع الغرر لانّه تعلق العقد علی غرر سقوط الخیار إلّا أنّه ورد نص خاص فی جوازه ...... وفیه ایضا: إنّ النص الوارد فی خیار ثلاثة أیام معلول بالحاجة إلی دفع الغبن بالتأمل والنظر.

(۵) القواعد النورانیة الفقهیة، ابن تیمیة (شیخ الإسلام ابن تیمیة) القاهرہ، مطبعة السُّنة النبویة المحمدیة، الطبعة الأولی ۱۳۷۰ھ-۱۹۵۱م ص: ۱۱۸.

چوتھی شرط

مالکیہ کے ہاں غرر کے مؤثر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مالی معاوضات کے اندر پایا جاتا ہو جیسے بیع، اجارہ، شرکت اور مضاربت وغیرہ۔ لہٰذا اگر وہ غرر عقود تبرع کے اندر پایا جاتا ہو جیسے ہبہ اور وصیت تو اس میں غرر کا پایا جانا مضر نہیں۔ اور وہ معاملہ جو محض عقودِ مالیہ میں سے بھی نہیں اور محض عقودِ تبرع میں سے بھی نہیں جیسے نکاح، یہ اس اعتبار سے محض عقدِ مالی نہیں کہ اس میں مال کا تبادلہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ زوجین کے درمیان مودت اور محبت کا رشتہ قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اور محض عقد تبرع اس لئے نہیں کہ شوہر کی طرف سے دیا گیا مہر محض احسان کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ اس استمتاع کا عوض ہوتا ہے جو وہ زوجہ سے حاصل کرتا ہے۔ ایسے معاملات میں مالکیہ کے ہاں اس میں غررِ فاحش تو جائز نہیں، البتہ غررِ قلیل جائز ہے۔

چنانچہ علامہ قرافی فرماتے ہیں:-

وانقسمت التصرفات عنده علیٰ ثلاثة أقسام طرفان وواسطه فالطرفان أحدهما معاوضة صرفة فيجتنب فيها ذٰلک الّا ما دعت الضرورة إليه عادة، وثانيهما هو إحسان صرف لا يقصد به تنمية المال كالصدقة والهبة والإبراء فان هٰذه التصرفات لا يقصد بها تنمية المال بل إن فاتت علیٰ من أحسن إليه بها لا ضرر عليه فانّه لم يبذل شيئاً بخلافِ القسم الأوّل إذا فات بالغرر والجهالات ضاع المال المبذول في مقابلته فاقتضت حكمة الشرع منع الجهالة فيه أمّا الاحسان الصرف فلا ضرر فيه فاقتضت حكمة الشرع وحثه على الإنسان التوسعة فيه بكل طريق بالمعلوم والمجهول .....
وأمّا الواسطة بين الطرفين فهو النكاح فهو من جهة أنّ المال

فیہ لیس مقصودًا وإنّما مقصده المودّة والألفة والسکون یقتضی أن یجوز فیہ الجھالة والغرر مطلقًا ومن جھة أنّ صاحب الشرع اشترط فیہ المال بقولہ تعالیٰ "أن تبتغوا بأموالکم"[1] یقتضی امتناع الجھالة والغرر فیہ فلوجود الشبھین توسط مالک فَجَوَّز فیہ الغرر القلیل دون الکثیر.[2]

ترجمہ:- امام مالکؒ کے نزدیک تصرفات کی تین قسمیں ہیں۔ دو طرفیں اور درمیان میں (واسطہ)، پہلی طرف محض مالی معاملہ اس میں غرر سے بچنا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہاں ضرورت ہو۔ دُوسری طرف محض احسان کا معاملہ اس سے مال کا حصول مقصود نہ ہو جیسے صدقہ، ہبہ اور ابراء، چونکہ ان معاملات میں مال مقصود نہیں بلکہ اگر یہ عقد نہ کیا جائے تو محض احسان کا نہ کرنا لازم آتا ہے تو اس میں غرر کا ہونا مضر نہیں کیونکہ اس سے دُوسرے فریق کا کوئی نقصان نہیں ہوتا بخلاف پہلی قسم کے کہ اس میں غرر اور جہالت کی وجہ سے مالی عوض ضائع ہوجاتا ہے اس لئے شریعت نے اس میں جہالت کو ممنوع قرار دیا اور یہاں انسانوں کو اس پر اُبھارنے کے لئے توسع پیدا کیا گیا اس لئے اس میں غرر کا پایا جانا مضر نہیں، اور وہ معاملہ جو دونوں طرفوں کے درمیان ہے وہ نکاح ہے، اس اعتبار سے کہ اس میں مال مقصود نہیں ہوتا بلکہ زوجین کے درمیان اُلفت ومحبت اور تسکین پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے، اس میں غرر اور جہالت کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن اس اعتبار سے کہ شارع علیہ السلام نے اس میں مال کی شرط لگائی ہے جیسا

---

(۱) القرآن: (۲۴:۴)۔

(۲) الفروق للقرافی (۱۵۱/۱)، أنظر أیضا الخرشی علی خلیل (۲۲۶/۵)، المنتقی (۲۴۲/۵)، المدونة (۲۴۱/۵)

کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو'' اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں غرر اور جہالت مضر ہو تو دونوں طرف کے شبہ کی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ نے اسے ان دونوں کے درمیان رکھا اور اس میں غرر فاحش کو تو ناجائز قرار دیا البتہ غرر یسیر کی اجازت دی۔

جمہور فقہائے کرام ہبہ کے اندر تو غرر کو جائز قرار نہیں دیتے البتہ دیگر عقود مثلاً وصیت وغیرہ کے اندر اس کی اجازت دیتے ہیں۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ ہبہ اور وصیت کے بارے میں فرماتے ہیں:-

(أمّا) ما يرجع إلى الموهوب فأنواع (منها) أن يكون موجودًا وقت الهبة فلا تجوز هبة ما ليس بموجود وقت العقد بأن وهب ما يثمر نخله العام وما تلد ناقته السنة ونحو ذلك بخلاف الوصية، والفرق أنّ الهبة تمليك للحال وتمليك المعدوم محال والوصية لا تمنع جوازها وكذلك لو وهب مافي بطن هذه الجارية أو ما في بطن هذه الشاة أو ما في ضرعها لا يجوز.[1]

ترجمہ:- وہ شرائط جو موہوب کے اندر ہونا ضروری ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ چیز ہبہ کے وقت موجود ہو لہٰذا ایسی چیز کا ہبہ کرنا صحیح نہیں جو عقد کے وقت موجود نہ ہو مثلاً ایک سال کے لئے اپنے درخت کے پھلوں کا ہبہ کرے، ایک سال تک اس کی بکریاں جتنے بچے جنیں گی، ان کا ہبہ کردے وغیرہ بخلاف وصیت کے کہ ان میں یہ جائز ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ہبہ میں فوراً تملیک کی جاتی ہے اور معدوم چیز کی فوری تملیک محال ہے جبکہ وصیت میں اس کی نسبت موت کے بعد

(۱) بدائع الصنائع (۶ : ۱۱۹)

والے زمانے کی طرف ہوتی ہے یہ نسبت وصیت کے جواز سے مانع نہیں۔ اسی طرح اس نے باندی یا بکری کے پیٹ میں موجود بچے یا تھن میں موجود دودھ کا ہبہ کیا تو وہ بھی صحیح نہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وما جاز بیعه جاز هبته وما لا کمجهول ومغصوب وضالٍ فلا.[1]

ترجمہ:- جس چیز کی بیع صحیح ہے، اس کا ہبہ بھی صحیح ہے اور جس کی بیع صحیح نہیں جیسے مال غیر معلوم، غصب شدہ مال اور گم شدہ اشیاء وغیرہ تو ان کا ہبہ بھی صحیح نہیں۔

علامہ بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الهبة تملیک جائز التصرف مالًا معلومًا او مجهولًا تعذر علمه موجودًا مقدورًا علی تسلیمه من غیر واجب فی الحیاة، فخرج بالمال اختصاصات، وبالمعلوم المجهول تعذر علمه فلا یصح هبته کبیعه وبالموجود المعدوم وبالمقدور علی تسلیمه الحمل.[2]

ترجمہ:- ایسی چیز جسے استعمال کرنا جائز ہے، اس کا کسی کو مالک بنانا ہبہ کہلاتا ہے، خواہ اس کا علم ہو یا نہ ہو، بلکہ اس کا علم ہونا بھی مشکل ہو لیکن وہ مال موجود ہو اور مقدور التسلیم بھی ہو بشرطیکہ دینے والا اپنا یہ مال ابتداءً (تبرعاً) کسی کو دے، کسی دوسرے کا کوئی ذمہ اس پر واجب نہ ہو، مال کی قید لگانے سے محض تخصیص کرنا نکل گیا، معلوم کی قید سے

---

(۱) المنهاج مع مغنی المحتاج (۲/۳۹۹).

(۲) کشاف القناع عن متن الإقناع، البهوتی (منصور بن یونس بن ادریس البهوتی ۱۰۰۰ھ - ۱۰۵۱ھ) مکة المکرمة، مطبعة الحکومة الطبعة ۱۳۹۴ھ (۴/۲۹۹)

ایسا مجہول نکل گیا جس کا علم حاصل کرنا مشکل ہے کیونکہ جس طرح ان کی بیع صحیح نہیں، اسی طرح ان کا ہبہ بھی صحیح نہیں اور موجود کی قید سے معدوم اور مقدور التسلیم کی قید سے حمل اور واجب نہ ہونے کی قید سے قرض اور نفقہ نکل گئے (کہ انکا ہبہ صحیح نہیں)۔

غرر کی تقسیم ....اسبابِ غرر کے اعتبار سے

اسبابِ غرر کے اعتبار سے غرر کی تقسیم کے متعلق مالکی فقہاء نے ''بیع الغرر'' کو مستقل باب کے تحت تفصیلاً ذکر فرمایا ہے جبکہ دیگر مسالک کے اندر یہ ترتیب نہیں ملتی، البتہ بعض دیگر فقہاء نے بھی غرر کی تقسیم فرمائی ہے۔علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے غرر کی تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں:-

۱- بیع کے وجود میں خطر کا ہونا۔

۲- بیع کی صفت میں خطر کا ہونا۔

۳- بیع کی سپردگی میں خطر کا ہونا۔[۱]

علامہ باجی مالکی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غرر تین اعتبار سے پایا جاتا ہے۔

۱- عقد کے اعتبار سے جیسے ایک عقد میں دو معاملے کرنا، بیع الحصاۃ اور بیع العربون وغیرہ۔

۲- مدّت کے اعتبار سے کہ وہ مجہول ہوگی یا بہت بعید کی مدّت مقرر کی گئی ہوگی۔

۳-عوض کے اعتبار سے، خواہ یہ عوض بیع ہو یا ثمن ہو۔

پھر عوض میں غرر کی تین صورتیں ہیں۔

۱- مجہول الصفت ہو۔

۲- غیر مقدور التسلیم ہو۔

---

(۱) بدائع الصنائع، الکاسانی (۱۶۳/۵): الغرر هو الخطر وفي البيع الخطر من وجوه أحدها في أصل المعقود عليه، والثاني في وصفه .... والثالث في وجود التسليم وقت وجوبه.

۳- جہالت ہو۔[۱]

علامہ ابنِ رشد کے نزدیک غرر درج ذیل تین چیزوں میں ہوتا ہے:-[۲]

الف:- عقد میں جیسے ایک عقد میں دو معاملے کرنا اور بیع الحصاۃ وغیرہ۔

ب:- عوض کے اندر خواہ ثمن میں ہو یا مبیع میں یا دونوں میں۔

اس کی پھر تین صورتیں ہیں:-

۱- عوض کی مقدار یا صفت میں جہالت۔

۲- عوض کا غیر مقدور التسلیم ہونا۔

۳- عوضین کے انجام کا غیر معلوم ہونا۔ اس کی مثال یوں ذکر فرماتے ہیں جیسے کسی شخص کا ایسے غلام کو فروخت کرنا جس کے سر پر زخم لگا ہو اور ابھی تک وہ دُرست نہ ہوا ہو اور اس کے لئے تاوان کا فیصلہ کیا گیا اور جنایت کرنے والے کو بری قرار نہ دیا گیا ہو۔[۳]

ج:- مبیع اور ثمن دونوں میں یا کسی ایک کے اندر جہالت کا ہونا۔

علامہ قرافی رحمہ اللہ کے نزدیک درج ذیل سات اشیاء کے اعتبار سے غرر ہوتا ہے:-

۱- وجود کے اعتبار سے۔

۲- حصول کے اعتبار سے۔

۳- جنس میں جہالت کے اعتبار سے۔

---

(۱) المنتقی شرح المؤطأ (۵/ ۴۱): الغرر متعلق بالبیع من ثلاثة اوجهٍ من جهة العقد والعوض والأجل فاما المبیع والثمن فأن یکون أحدهما مجهول الصفة ...... أو انه غیر مقدور علی تسلیمه .... ومن الجهالة.

(۲) المقدمات الممهدات لابن رشد الجدّ (۲/ ۷۳): الغرر الکثیر المانع من صحة العقد یکون ی ثلاثة أشیاء (أحدهما) العقد (والثاني) أحد العوضین الثمن والمثمون أو کلیهما.

(۳) المقدمات بحواله بالا (والثالث) الأجل فیهما أو في أحدهما. وفیه ایضاً (۲/ ۷۵): اما غرر في الثمن والمثمون أو في کلیهما فانّه یکون بثلاثة أوجهٍ (أحدها) الجهل بصفةِ ذلک مقداره.. (والثاني) عدم القدرة علیٰ تسلیمه وذلک مثل أن یبیع العبد الآبق والجمل الشارد .. (والثالث) الجهل بمآل حاله، وهو أمر مختلف فیه، ذٰلک مثل أن یبیع الرجل العبد المجروح صحة قبل أن یبرأ یحکم له بأرشها من غیر أن یبرأ الجاني من الجنایة.

۴- نوع میں جہالت کے اعتبار سے۔

۵- مقدار میں جہالت کے اعتبار سے۔

۶- تعیین اور عدم تعیین کے اعتبار سے۔

۷- چیز کی بقاء اور عدم بقاء کے اعتبار سے۔[۱]

علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک غرر کی تین قسمیں ہیں:-

۱- بیع المعدوم۔

۲- غیر مقدور التسلیم کی بیع۔

۳- مطلق مجہول یا مجہول الجنس یا مجہول القدر کی بیع۔[۲]

معاصر علمائے کرام میں سے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے غرر کی تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں:-

۱- مبیع میں جہالت ہو۔

۲- بائع مبیع کو سپرد کرنے پر قادر نہ ہو۔

۳- مبیع مبنی بر خطر ہو۔[۳]

ڈاکٹر صدیق محمد الامین الضریر کے نزدیک غرر کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:-

الف:- صیغۂ عقد میں جہالت ہو۔

---

(۱) الفروق القرافی (۳/۲۶۵)؛ ثم الغرر والجهالة فی سبعة أشياء فی الوجود كالآبق قبل الإباق والحصول إن علم الوجود كالطير فی الهواء وفی الجنس كسلعة لم يسمها وفی النوع كعبد لم يسمه وفی المقدار كبيع الی مبلغ رمی الحصاة وفی التعيين كثوب من ثوبين مختلفين وفی البقاء كالثمار قبل بدوّ صلاحها فهٰذه سبعة موارد للغرر والجهالة.

(۲) القواعد النورانية الفقهية لابن تيمية ص: ۱۱۷: أمّا الغرر، فإنّه ثلثة أنواع. أمّا المعدوم كحبل الحبلة وبيع السنين وأما المعجوز عن تسليمه كالعبد الآبق وأمّا المجهول المطلق أو المعين المجهول جنسه أو قدره كقوله بعتک عبدًا أو بعتک ما فی بيتی أو بعتک عبيدی.

(۳) تكملة فتح الملهم، العثمانی (مولانا محمد تقی العثمانی) كراتشی، مكتبه دار العلوم كراتشی، الطبعة الأولیٰ ۱۴۰۵ھ (۱/۳۲۰)؛ والجامع الذی يجمع هذه البيوع كلها إمّا جهالة المبيع، أو عدم قدرة البائع علی تسليمه أو كون المبيع علیٰ خطر.

اس کی مزید چھ صورتیں ہیں:-

۱- بیعتان فی بیعۃ (ایک عقد میں دوسرے معاملے کرنا)۔

۲- بیع العربان۔

۳- بیع الحصاۃ۔

۴- بیع المنابذہ۔

۵- بیع الملامسہ۔

۶- العقد المعلق والعقد المضاف۔

ب:-محل عقد کے اعتبار سے غرر۔

اس کی مزید نو اقسام ہیں:-

۱-مبیع کی ذات میں جہالت۔

۲-مبیع کی جنس میں جہالت۔

۳-مبیع کی نوع میں جہالت۔

۴-مبیع کی صفت میں جہالت۔

۵-مبیع کی مقدار میں جہالت۔

۶-مبیع کی مدت میں جہالت۔

۷-مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا۔

۸- معدوم کی بیع۔

۹- ان دیکھی چیز کی بیع۔[1]

---

(۱) الغرر وأثره فی العقود ، الضریر (الدکتور الصدیق محمد الأمین الضریر) طبع المؤلف بنفسه، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۶ھ–۱۹۹۵م ص:۹۷ : التقسیم الّذی اخترته : الف... الغرر فی صیغة العقد ویشمل: ۱.. بیعتین فی بیعة وصفقتین فی صفقة ۲.. بیع العربان ۳.. بیع الحصاة ۴.. بیع المنابذة ۵.. بیع الملامسة ۶.. العقد المعلق والعقد المضاف. ب... الغرر فی محل العقد ویتفرع هذا القسم الی الفروع الآتیة: ۱.. الجهل بذات المحل ۲.. الجهل بجنس المحل ۳.. الجهل بنوع المحل ۴.. الجهل بصفة المحل ۵.. الجهل بمقدار المحل ۶. الجهل بأجل لمحل ۷.. عدم القدرة علی تسلیم المحل ۸.. التعاقد علی المعدوم ۹.. عدم رؤیة المحل.

ترجیح

احقر کے خیال میں ذکر کردہ تقسیمات میں زیادہ عمدہ اور آسان تقسیم وہ ہے جو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے ذکر فرمائی ہے کیونکہ یہ اختصار اور جامعیت کا پہلو لئے ہوئے ہے، البتہ جہالت کے سبب کو صرف مبیع کے ساتھ خاص کرنے کے بجائے عام کر دینا مناسب ہے۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہالت چار چیزوں کے اندر پائی جاسکتی ہے:-

۱-عقد میں، ۲-مبیع میں، ۳-ثمن میں، ۴-مدت میں۔

اس طرح غرر کی کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:-

الف:- جہالت کے اعتبار سے غرر۔

اس کی چار صورتیں ہیں:-

۱-عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر۔

۲-مبیع میں جہالت کے اعتبار سے غرر۔

۳-ثمن میں جہالت کے اعتبار سے غرر۔

۴- مدت میں جہالت کے اعتبار سے غرر۔

ب:-مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا۔

ج:-مبیع کا مبنی برخطر ہونا۔

احقر نے یہی تقسیم اپنے اس مقالے میں اختیار کی ہے۔

وضاحت

اس عنوان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے حصے میں غرر کی حقیقت اور اس کی مختلف صورتوں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، جبکہ دوسرے حصے میں مختلف مالی معاملات پر غرر کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے، اس وقت آپ کے سامنے پہلا حصہ ہے۔ دوسرا حصہ ''مالی معاملات پر غرر کے اثرات'' کے نام سے الگ شائع ہوا ہے، وللہ الحمد اوّلاً و اٰخراً۔

بابِ اوّل

عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر

عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خود عقد اسطرح انجام دیا جائے کہ اسی کی ذات میں جہالت اور غرر کی خرابی موجود ہو جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تجھے اپنا مکان نقداً ایک لاکھ روپے میں جبکہ ادھار میں ڈیڑھ لاکھ روپے میں فروخت کرتا ہوں اور کسی ایک قیمت پر اتفاق ہوئے بغیر مجلسِ عقد ختم ہو جائے۔ تو یہاں پائی جانے والی جہالت نفسِ عقد کے اندر موجود ہے۔

عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر کی مختلف صورتیں ہیں۔ ذیل میں چند ایک کی حقیقت اور ان کے شرعی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

بیعتان فی بیعةٍ

(ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنا)

ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ احادیث کے اندر اس کی ممانعت وارِد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:-

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیعتین فی بیعةٍ.[1]

---

(۱) صحیح ابن حبان، التمیمی، محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی المتوفی ۳۵۴ھ، بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانیة ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م (۱۱/۳۴۷) حدیث: ۴۹۷۳، جامع الترمذی، البیوع، حدیث: ۱۲۳۱، سنن الکبریٰ للبیهقی، باب النهی عن بیعتین فی بیعةٍ، حدیث: ۱۰۶۶۰، سنن النسائی، البیوع، حدیث: ۴۶۳۲، مسند احمد بن حنبل، بیروت، المکتب الاسلامی (۲/۴۳۲)، نیز مسند احمد بن حنبل میں یہ روایت عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدّه کے طریق سے بھی موجود ہے، ملاحظہ فرمایئے: (۲/۱۷۴)۔

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عقد کے اندر بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنے سے منع فرمایا۔

ایک اور روایت میں ہے:-

من باع بيعتين في بيعةٍ فله أوكسهما أوِ الربا.[1]

ترجمہ:- جو شخص ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرے گا تو اسے یا تو ان دونوں میں سے کم قیمت ملے گی یا وہ ربا کھائے گا۔

اس بات پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیعتان فی بیعةٍ یعنی ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ لیکن بیعتان فی بیعة کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی متعدد تفاسیر فقہاء سے منقول ہیں۔

بیعتان فی بیعة کی حقیقت

ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں فقہائے کرام سے متعدد تشریحات منقول ہیں۔ ان میں سے درج ذیل تین تشریحات زیادہ مشہور ہیں۔

پہلی تشریح

"بیعتان فی بیعة" کی ایک تشریح یہ کی گئی ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ کسی مدت کے لئے بیع سلم کرلے مثلاً یوں کہے کہ اتنے روپے کے بدلے میں تجھ سے ایک ماہ بعد ایک من گندم لوں گا، اور اس کی قیمت بھی ادا کرے۔ جب گندم کی ادائیگی کا وقت آئے تو بیچنے والا شخص یہ کہے کہ جو ایک من تمہاری گندم میرے ذمہ ہے، اس کے بدلے میں مجھ سے دو ماہ کے بعد دو من گندم لے لینا۔ گویا یہ ایک من گندم تمہاری ہے اور میں تم سے تمہاری یہ ایک من گندم دو من گندم کے بدلے خرید لیتا ہوں اور اس دو من گندم کی ادائیگی دو ماہ بعد کروں گا تو اس طرح گویا ایک بیع کے اندر دوسری بیع داخل ہوگئی۔ یہ

---

(١) أبو داوٗد، باب فيمن باع بيعتين في بيعة، حديث: ٣٣١٦.

تفسیر علامہ شوکانی رحمہ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں شرح السنن لابن ارسلان کے حوالے سے نقل کی ہے[1] لیکن جمہور فقہائے کرام نے اس تشریح کو اختیار نہیں کیا اس لئے کہ یہ تفسیر حدیث کے ظاہری مفہوم سے قدرے بعید ہے۔

دُوسری تشریح

دُوسری تشریح یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک معاہدے میں بیع کے دو معاملے اس طرح کئے جائیں کہ ان میں سے ہر ایک دُوسرے کے ساتھ مشروط ہو مثلاً ایک شخص دُوسرے سے یہ کہے کہ میں تجھے اپنا یہ گھر اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم اپنی فلاں چیز مجھے اتنی قیمت پر فروخت کرو۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

وإذا قال : بعتک بکذا علی أن آخذ منک الدینار بکذا، لم ینعقد البیع، وکذلک إن باعه بذهب علی أن یأخذ منه دراهم بصرف ذکراه. وجملته أن البیع بهذه الصفة باطل، لأنه شرط فی العقد أن یصارفه بالثمن الذی وقع العقد به، والمصارفة عقد بیع، فیکون بیعتان فی بیعة، قال أحمد هذا معناه وهکذا کل ما کان فی معنی هذا.[2]

ترجمہ:- اگر ایک شخص نے دُوسرے سے یہ کہا کہ میں فلاں چیز تجھے اتنی قیمت میں اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اتنے کے بدلے ایک دینار لوں گا تو اس سے بیع منعقد نہیں ہوگی، اسی طرح اگر اس نے سونا اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کے بدلے بیع صرف کریں

---

(١) نیل الأوطار، الشوکانی (الامام محمد بن محمد الشوکانی المتوفی ١٢٥٥هـ) مصر، مصطفی البابی الحلبی وأولاده، الطبعة الأولی رجب ١٣٤٧هـ (١٢٩/٥)

(١) المغنی، ابن قدامة (موفق الدین أبو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة) ریاض، دار عالم الکتب، الطبعة الثالثة ١٤١٧هـ-١٩٩٧م (٣٣٢/٦).

گے تو یہ بھی جائز نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اس طرح کی بیع باطل ہے کیونکہ اس نے عقد کے اندر اس ثمن کے مصارفہ کی شرط لگائی جس کے عقد منعقد ہوا تھا اور مصارفہ (صرف) عقد بیع ہے لہٰذا یہ بیعتان فی بیعة ہو گیا۔ امام احمد نے اس کے یہی معنی ذکر کیے ہیں اسی طرح جو عقد بھی اس طرح کا ہوگا وہ بیعتان فی بیعة کہلائے گا۔

تیسری تشریح

تیسری تشریح یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص کسی چیز کو نقد کی صورت میں کم قیمت پر اور اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر بیچے لیکن یہ معاملہ اس طرح ہو کہ بیچنے والا شخص مجلس میں اس چیز کی دونوں قیمتوں کو ذکر کر دے اور پھر کسی ایک قیمت کی تعیین کے بغیر اسی طرح عقد مکمل ہو جائے اور وہ اس حال میں جدا ہوں کہ خریدنے والے کو یہ اختیار رہے کہ وہ ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت کو اختیار کرنا چاہے، کرلے مثلاً ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ یہ گھڑی میں تجھے نقد سو روپے کے بدلے اور اُدھار کی صورت میں ڈیڑھ سو روپے کے بدلے بیچتا ہوں۔ خریدار اس معاملے کو اسی حال میں قبول کرلے اور اس مجلس میں اس بات کا فیصلہ نہ ہو کہ خریدار اسے نقداً خریدے گا یا اُدھار خریدے گا۔ تو یہ معاملہ "بیعتان فی بیعة" میں ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ یہ تفسیر زیادہ مشہور ہے اور جمہور فقہائے کرام نے اسے اختیار کیا ہے۔

وقد روی فی تفسیر بیعتین فی بیعةٍ وجه آخر، وهو أن یقول: بعتک هذا العبد بعشرة نقدًا أو بخمسةِ عشر نسیئة ..... هكذا فسره مالک والثوری وإسحاق وهو ایضًا باطل وهو قول الجمهور.[1]

---

(1) المغنی، بحواله بالا ..... وایضًا فی نیل الأوطار (۱۲۹/۵) ... وفی جامع الترمذی، الترمذی (أبو عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمذی)، بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولی ۱۴۱۵ھ- ۱۹۹۵م باب ما جاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة، حدیث: ۱۲۳۱ ..... وفی نهایة المحتاج، الرملی (شمس الدین محمد بن أبی العباس أحمد بن حمزة ابن شهاب الدین الرملی المتوفی ۱۰۰۴ھ) بیروت، دار إحیاء التراث العربی (۴۳۳/۳).

ترجمہ:- "بیعتین في بیعة" کی ایک اور تفسیر بھی منقول ہے وہ یہ کہ کوئی شخص دُوسرے سے یہ کہے کہ میں تجھے یہ غلام نقد میں دس روپے میں اور اُدھار پر پندرہ روپے میں فروخت کرتا ہوں ..... امام مالک، ثوری اور اسحاق نے یہی تفسیر کی ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم

اس بات پر تو کوئی اختلاف نہیں کہ جس قیمت پر اشیاء کو نقد فروخت کرنا جائز ہے، اسی قیمت پر اُدھار پر بیچنا بھی جائز ہے۔ البتہ اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر خرید وفروخت کے جواز اور عدمِ جواز میں کچھ اختلاف ہے کہ کیا یہ بیعتان في بیعة میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے یا اس پر بیعتان في بیعة کی حقیقت صادق نہیں آتی۔ ائمہ اَربعہ اور جمہور فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر خرید وفروخت کرنا جائز ہے جبکہ بعض شخصیات کی طرف منسوب ہے کہ ان کے نزدیک بیع کی یہ صورت جائز نہیں۔[1]

عصرِ حاضر کے تجارتی معاملات میں یہ صورت بہت زیادہ اہمیت اختیار کرچکی ہے۔ عام طور پر تاجر حضرات اُدھار کی صورت میں اپنی اشیاء اسی قیمت پر فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جس قیمت پر وہ چیز نقداً بیچی جاتی ہے، زرعی ادویات، بیج اور کھاد وغیرہ کی خرید وفروخت میں یہ بات روز مرّہ کے مشاہدے کے طور پر سامنے آتی ہے کہ دُکاندار ان چیزوں کو اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر ہی فروخت کرتے ہیں، اس کے علاوہ اسلامی بینکاری کے طریقہ ہائے تمویل میں ایک طریقہ ''مرابحہ'' کا ہے جس میں اسلامی بینک کوئی چیز خرید کر اپنے خریدار کو اُدھار پر زیادہ قیمت کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔ مذکورہ صورت کی اہمیت کے پیشِ نظر ذیل میں اسے ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

---

(۱) نیل الأوطار للشوکاني (۱۲۹/۵).

جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب

ائمہ اربعہ، جمہور فقہائے کرام اور محدثین عظام کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت شرعاً جائز ہے البتہ اس میں درج ذیل شرائط کی پابندی ضروری ہے:-

۱- ادائیگی کی مدت متعین ہو۔

۲- بیچی جانے والی چیز اور ادائیگی کی مدت اسی مجلس میں متعین کی جائے جس مجلس میں اسے بیچا جا رہا ہو۔

۳- ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے بیچی جانے والی چیز کی قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔

ان تین شرائط کی پابندی کے بعد یہ معاملہ "بیعتان فی بیعة" میں داخل ہوتا ہے نہ کوئی اور شرعی خرابی لازم آتی ہے۔ امام عبدالرزاق نے اپنی کتاب "المصنّف" میں زہری، طاؤس اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:-

لا بأس بأن يقول: أبيعك هذا الثوب بعشرة إلىٰ شهر أو بعشرين إلىٰ شهرين، فباعه علىٰ أحدهما قبل أن يفارقه فلا بأس به، وهكذا عن قتادة.[1]

ترجمہ:- اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص یوں کہے کہ میں فلاں چیز ایک مہینے کی مدت کی صورت میں دس روپے کے بدلے اور دو ماہ کی صورت میں بیس روپے کے بدلے بیچتا ہوں، بشرطیکہ مجلس ختم ہونے سے پہلے یہ بیع مکمل ہو جائے۔ اور حضرت قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:-

قد فسره بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعةٍ أن يقول:

---

(۱) المصنّف، الصنعانی (أبوبكر عبدالرزاق بن همام الصنعانی ۱۲۶ھ-۲۱۱ھ) مع تحقيق الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي، جنوبی افريقا جوهانسبرگ ص. ب ۱، المجلس العلمی، الطبعة الأولى ۱۳۹۲ھ-۱۹۷۲م (۱۴۶۰۸)

أبیعک هذا الثوب بنقدٍ بعشرة وبنسیئةٍ بعشرین، ولا یفارقه علی أحد البیعین، فإن فارقه علی أحدهما فلا بأس إذا کان العقد علی أحد منهما.[1]

ترجمہ:- بعض اہلِ علم نے "بیعتان فی بیعةٍ" کی تفسیر یہ کی ہے کہ ایک شخص (بھاؤ کرنے کے مرحلے میں) یوں کہے کہ میں یہ چیز نقد دس روپے کے بدلے جبکہ اُدھار بیس روپے کے بدلے فروخت کروں گا اور اگر دونوں اس حال میں جدا ہوں کہ کسی ایک قیمت پر متفق ہو چکے ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ عقد کسی ایک قیمت پر طے ہو جائے۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وإذا عقد العقد علیٰ أنّه الیٰ أجل کذا بکذا وبالنقد کذا أو قال إلیٰ شهر بکذا أو إلی شهرین بکذا فهو فاسد لأنّه لم یعاطه علی ثمن معلوم، ونهی النبی صلی اللہ علیه وسلم عن شرطین فی بیع وهذا هو تفسیر الشرطین فی بیع ومطلق النهی یوجب الفساد فی العقود الشرعیة وهٰذا إذا افترقا علی هٰذا فإن کان یتراضیان بینهما ولم یتفرقا حتّٰی قاطعه علی ثمن معلوم وأتّما العقد علیه فهو جائز لأنهما ما افترقا إلّا بعد تمام شرط صحة العقد.[2]

ترجمہ:- اگر کسی شخص نے دوسرے سے اس شرط پر عقد کیا کہ اگر اتنی مدت کے بعد قیمت لوگے تو اتنے میں اور نقد میں بیچتے ہو تو اتنی قیمت میں یا ایک مہینے یا دو مہینے کے لئے بیچتے ہو تو اتنی قیمت میں، تو یہ عقد

---

(۱) جامع الترمذی، البیوع، حدیث: ۱۲۳۱۔

(۲) کتاب المبسوط، السرخسی (العلّامة شمس الدین السرخسی) بیروت، دارالمعرفة ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳ء (۱۳: ۸)۔

فاسد ہوجائے گا کیونکہ اس میں قیمت متعین نہیں کی گئی۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیع کے اندر دو شرطیں لگانے سے منع فرمایا ہے اور بیع میں دو شرطیں لگانے کا یہی مفہوم ہے جو ہم نے بیان کیا اور شرعی معاملات پر نہی وارد ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عقود فاسد ہوجائیں، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ کسی ایک جہت کی تعیین کے بغیر جدا ہوجائیں اور اگر مجلس کے اندر دونوں کا کسی ایک بات پر اتفاق ہو جائے اور اسی پر دونوں اپنا عقد مکمل کرلیں تو یہ جائز ہے کیونکہ جدا ہونے سے پہلے عقد کے صحیح ہونے کی تمام شرائط پائی گئیں۔

حاشیہ الدسوقی میں علامہ محمد المالکی فرماتے ہیں:۔

إنما منع للجهل بالثمن حال البيع فإن وقع لا على الإلزام فلا منع أي كما أنّه لا منع في عكسِ مثالِ المؤلف وهو أن يبيعها بأحد عشر نقدًا أو بعشرة لأجل وذلك لعدم تردد المشتري غالباً لأنّ العاقل إنّما يختار الأقل لأجل.[1]

ترجمہ:۔ ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ سودے کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ بیع کے وقت بیچی جانے والی چیز کا ثمن مجہول ہوتا ہے لہٰذا اگر اسی مجلس میں یہ سودا طے ہوجائے اور خریدار کو کسی ایک جہت کے تعین کا اختیار ہو تو یہ صورت جائز ہے جیسا کہ مؤلف کی بیان کردہ صورت کے برعکس صورت جائز ہے یعنی اگر کوئی شخص اُدھار دس روپے پر اور نقد گیارہ روپے کے بدلے فروخت کرے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ اس میں خریدار کے اندر کوئی تردّد نہیں پایا جاتا کیونکہ عقلمند شخص مدّت کی وجہ سے اقل کو اختیار کرتا ہے۔

---

(۱) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، الدسوقي (الشيخ محمد عرفة الدسوقي) بيروت، دارالفكر (۵۸/۳).

علامہ بغوی رحمہ اللہ اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت لینے کے جواز کے بارے میں فرماتے ہیں:-

الأجل یأخذ جزءً من الثمن. (۱)

ترجمہ:- مدت اصل قیمت کا جزو بن جاتی ہے۔

دُوسری جگہ فرماتے ہیں:-

الخمسة نقدًا تساوی ستة مؤجلة. (۲)

ترجمہ:- نقد میں پانچ کے بدلے چیز بیچنا اور اُدھار پر چھ کے بدلے بیچنا برابر ہے۔

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:-

لا بأس بأن یقول: أبیعک بالنقد بکذا وبالنسیئة بکذا فیذهب علیٰ أحدهما. وهٰذا محمول علیٰ أنّه جری بینهما بعد ما یجری فی العقد، فکانّ المشتری قال: أنا آخذه بالنسیئة بکذا: فقال خذه أو قد رضیت ونحو ذٰلک فیکون هذا عقدًا کافیًا. (۳)

ترجمہ:- اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص یوں کہے کہ میں یہ چیز نقد اتنے کے بدلے میں اور اُدھار اتنے کے بدلے میں فروخت کرتا ہوں اور پھر کسی ایک قیمت پر معاملہ طے ہوجائے۔ یہ یوں سمجھا جائے گا کہ بائع کی طرف سے پیشکش ہونے کے بعد خریدار نے یہ کیا کہ میں اُدھار میں فلاں قیمت کے بدلے خریدتا ہوں

---

(۱) المجموع شرح المهذب، النووی (أبو زکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶هـ) بیروت، دارالفکر (۱۳/ ۲).

(۲) المجموع شرح المهذب (۶/ ۲۲).

(۳) المغنی. لابن قدامة (۶/ ۳۳۲).

تو بائع نے کہا اسے لے لو، یا کہا کہ میں اس پر راضی ہوں یا اسی جیسا کوئی لفظ کہا، تو یہ عقد مکمل ہوگیا۔

علامہ ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں:

الأجل يأخذ قسطًا من الثمن.[1]

ترجمہ:- مدّت (اُدھار) اصل قیمت کا جزو بن جاتی ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہؒ کی اس عبارت، اسی طرح علامہ بغویؒ کی ذکر کردہ عبارت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر مدّت کی وجہ سے زائد قیمت لینا جائز ہے تو پھر اس میں اور ربا النسیئۃ میں کیا فرق رہا؟ ربا النسیئۃ میں بھی تو مدّت کے مقابلے میں زائد رقم لی جاتی ہے اور یہاں بھی یہ کہا جارہا ہے کہ مدّت قیمت کا حصہ بن جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ ظاہری مشابہت کے باوجود بھی دونوں صورتوں میں بہت بڑا فرق موجود ہے، وہ یہ کہ ربا النسیئۃ میں خالصتاً مدّت کے بدلے میں اضافی رقم لی جاتی ہے جبکہ اُدھار بیع کے اندر کوئی چیز یا سامان بیچا جاتا ہے، اگر درمیان میں کوئی مبیع (Subject Matter) نہ ہو تو پھر محض مدّت کی وجہ سے زائد قیمت لینا جائز نہیں۔

اس کو بذریعہ مثال اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں بعض مرتبہ کلائنٹ مطلوبہ سامان کی خریداری کے لئے بینک سے کچھ رقم پیشگی (Advance) لے لیتا ہے، بعد میں جب وہ عملاً خریداری کرلیتا ہے تو بینک خریدی گئی چیز پر اپنا نفع رکھ کر اُسے فروخت کردیتا ہے، لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ وہ بینک سے پیشگی رقم تو لے لے لیکن مطلوبہ سامان کی خریداری نہ کرسکے جس کی وجہ سے اُسے بینک سے لی گئی رقم واپس کرنی پڑے تو وہ اتنی ہی رقم واپس کرنے کا پابند ہے جتنی رقم اُس نے بینک سے لی تھی، بینک اُس سے یہ مطالبہ نہیں کرسکتا کہ جتنے دن ہماری رقم آپ کے پاس رہی، اتنے دنوں کے بدلے کچھ اضافی رقم دو۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اسلام میں Time Value of Money کا اعتبار نہیں ہے۔

---

(۱) مجموع فتاوى ابن تيمية (۲۹/۴۹۹) ابن تيمية (الإمام أحمد بن عبد الحليم بن تيمية) رياض، مطبع الرياض. الطبعة الأولى ۱۳۸۳هـ.

جمہور کے دلائل

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ جمہور فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر اشیاء کی خرید وفروخت جائز ہے۔ ذیل میں ان کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱- اللہ رَبّ العزت کا ارشاد ہے:-

وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.(۱)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع کی تمام قسمیں شرعاً جائز ہیں البتہ اگر کسی معاملے کے بارے میں کوئی نص آجائے جس سے اس کا ناجائز ہونا واضح ہو تو اسے ناجائز کہا جائے گا ورنہ وہ معاملہ جائز ہوگا چونکہ اُدھار پر خرید وفروخت بھی بیع کی ایک قسم ہے اور اس کے عدمِ جواز کے متعلق کوئی نص (آیت یا حدیث) نہیں آئی، اس لئے بیع کی مذکورہ صورت اس آیت کے عموم میں داخل ہوکر جائز قرار پائے گی۔

۲- قرآن مجید میں ہے:-

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.(۲)

ترجمہ:- اے ایمان والو! ایک دُوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، ہاں مگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو۔

ظاہر ہے کہ اُدھار پر خرید وفروخت کرنا بھی تجارت کی ایک قسم ہے اور زیادہ قیمت کے بدلے بیچنے یا خریدنے میں فریقین کی رضامندی بھی ہوتی ہے۔ بیچنے والا اس لئے راضی ہوتا ہے کہ ادائیگی میں تاخیر کی تلافی قیمت کی زیادتی سے ہوجاتی ہے اور خریدار اس لئے راضی ہوتا ہے کہ اسے قیمت فوراً ادا نہیں کرنا پڑتی، کوئی فریق اس معاملے میں مجبور

---

(۱) القرآن: (۲:۲۷۵)۔ (۲) القرآن: (۴:۲۷۵)۔

محض نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بیعِ سلم کہ وہ بھی تجارت کی ایک قسم ہے اور اس میں عام طور پر مُسلم فیہ (Subject Matter) کی قیمت کم لگائی جاتی ہے، بیچنے والا اس لئے راضی ہوجاتا ہے کہ اُسے قیمت سامان سپرد کرنے سے کافی پہلے مل جاتی ہے اور خریدنے والا اس لئے راضی ہوجاتا ہے کہ اُسے یہ چیز کم قیمت میں مل رہی ہوتی ہے۔

اس کے جواز کی عقلی دلیل یہ ہے کہ شرعاً نفع کی کوئی شرح مقرر نہیں، ایک شخص اگر ایک چیز نقد آٹھ روپے میں اور اُدھار کی صورت میں دس روپے کے بدلے فروخت کرتا ہے تو اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ نقد کی صورت میں اسے دس روپے پر فروخت کرے بشرطیکہ کوئی دھوکہ دہی وغیرہ نہ ہوتو جب وہ نقداً دس روپے میں فروخت کرسکتا ہے تو اُدھار کی صورت میں دس روپے کے بدلے فروخت کرنے میں کیا مانع ہے؟

بعض فقہائے کرام کا مذہب اور ان کے دلائل

بعض فقہائے کرام[1] کا مذہب یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہیں، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اُدھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا سود ہے یا کم از کم اس میں سود کا شبہ تو ضرور ہے، اور شرعاً دونوں چیزیں ناجائز ہیں۔ لہٰذا بیع کی یہ قسم جس میں ان دونوں میں سے کوئی بھی پائی جائے تو وہ ناجائز ہوگی۔[2]

۲۔ اُدھار کی صورت میں خریدار زیادہ قیمت دینے کے لئے اس لئے تیار ہوجاتا ہے کہ اس کے پاس فی الحال اتنی رقم نہیں ہوتی کہ اس سے ادائیگی کرسکے وہ مجبوری کی وجہ سے اُدھار پر اشیاء خریدتا ہے لہٰذا زیادہ قیمت ادا کرنے پر اس کی رضامندی نہیں پائی

---

(۱) نیل الأوطار للشوکانی (۵/۱۲۹) میں ان کے اسماء گرامی یہ ذکر کئے گئے ہیں: امام زین العابدین، ناصر باللہ، منصور باللہ اور علامہ ھادویہ۔

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الأوّل (۱۴۱۰ھ-۱۹۹۰م) بحث لفضیلة الدکتور إبراهیم فاضل الدبو، الأستاد بکلیة الشریعة بجامعه بغداد ص: ۲۲۵، ۲۲۶۔

جاتی بلکہ یہ ایک قسم کی "بیع المکرہ" (مجبور شخص کی بیع) ہوتی ہے جبکہ شرعاً بیع صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں فریقین کی باہمی رضامندی پائی جائے[1] جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.[2]

۳۔ یہ معاملہ بیعتان فی بیعۃ (ایک عقد کے اندر بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنے) میں داخل ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔[3]

مذکورہ دلائل کے جوابات

جمہور فقہائے کرام کی طرف سے عدمِ جواز کے قول پر مبنی دلائل کے درج ذیل جوابات دیئے گئے ہیں۔

پہلی دلیل کا پہلا جواب

مذکورہ معاملے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ معاملے کی مدّت طے ہونے کے بعد عقد کیا جائے مثلاً ایک شخص دُوسرے سے کہتا ہے کہ میں یہ قلم نقداً آٹھ روپے میں جبکہ اُدھار پر دس روپے میں بیچنے کے لئے تیار ہوں۔ دُوسرا شخص اس مجلس میں یہ کہتا ہے کہ میں اسے اُدھار پر خریدتا ہوں۔ تو خریدار کی طرف سے اُدھار کی شق متعین ہونے کے بعد بیچنے والا شخص اس کے ساتھ اُدھار پر معاملہ کرتا ہے اور اسے ایک متعین مدّت مثلاً ایک ماہ کی ادائیگی کے وعدے پر دس روپے میں فروخت کردیتا ہے۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ دُکاندار اور خریدار کے درمیان نقد کی صورت میں قیمت متعین ہوجائے لیکن جب خریدار فوری ادائیگی سے عذر کرے تو دُکاندار کچھ رقم بڑھا دے مثلاً خریدار نے دُکاندار سے آٹھ روپے کے بدلے میں قلم خرید لیا، جب دُکاندار نے قیمت

(۱) بحوالہ بالا۔

(۲) القرآن: (۴: ۲۹)

(۳) مجلۃ مجمع الفقہ الإسلامی، بحوالہ بالا۔

کا مطالبہ کیا تو خریدار نے کہا کہ میں اس کی قیمت ایک ماہ بعد ادا کروں گا تو اب دُکاندار نے کہا کہ اگر تم ایک مہینہ تاخیر سے ادائیگی کرو گے تو آٹھ روپے کے علاوہ مزید دو روپے دینا ہوں گے۔ یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔[۱]

پہلی اور دوسری صورت میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں اُدھار پر بیچی جانے والی چیز کی قیمت پہلے متعین ہوجاتی ہے اور اس پر عقد بعد میں ہوتا ہے جبکہ دُوسری صورت میں عقد پہلے ہوجاتا ہے اور اضافہ بعد میں ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ دُوسری صورت سود میں داخل ہے کیونکہ یہ اضافہ اس وقت ہوا ہے جب خریدار مبیع کی قیمت کا مقروض بن چکا ہے، اور قرض پر مشروط اضافہ سود ہے اور یہ اضافہ ایسا ہی ہے جیسے قیمت کی ادائیگی کا وقت آجائے اور خریدار ادائیگی میں مہلت مانگے تو بائع اس کی قیمت بڑھا دے جو کہ بالاتفاق سود میں داخل ہے، جبکہ پہلی صورت سود میں اس لئے داخل نہیں کہ یہاں کسی قرض پر اضافہ نہیں ہوا کیونکہ عقد ہونے سے پہلے خریدار کسی رقم کا مقروض نہیں بنا، لہٰذا یہ اضافی رقم جیسے مذکورہ مثال میں دو روپے قیمت ہی کا حصہ بن جاتی ہے۔[۲]

قرآن مجید کی آیت "قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" کے تحت مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ اگر اُدھار پر فروخت کرنے کی صورت میں اضافہ جائز ہے تو پھر ادائیگی کی مدّت آنے کے بعد بھی اضافہ جائز ہونا چاہئے۔ لیکن شریعت نے اس خیال کی سختی سے تردید کی۔

چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے:-

(إِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا) أی إنما الزیادة عند حلول الأجل آخراً کمثل أصل الثمن فی أوّل العقد وذٰلک أن العرب

---

(۱) بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۴، العثماني (محمد تقي العثماني) كراتشي، مكتبة دارالعلوم كراتشي.

(۲) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، بحواله بالا. ... ایضاً فی امداد الفتاوی، تھانوی (مولانا اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی طبع پنجم ۱۴۰۶ھ (۳/۲۰).

كانت لا تعرف ربا إلا ذلک، فكانت إذا حل دينها قالت للغريم: إما أن تقضي وإما أن تربي أی تزيد في الدّين فحرم الله سبحانه ذلک وردّ عليهم قولهم بقوله الحق "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا". [1]

ترجمہ:- بیع مثل سود کے ہے یعنی ادائیگی کی مدّت آنے کے بعد اضافہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اُدھار بیچنے کی صورت میں شروع ہی میں اضافہ کردینا، یہ مطلب اس لئے ہے کہ اہلِ عرب ربا کا یہی طریقہ جانتے تھے۔ چنانچہ جب قرض کی ادائیگی کی مدّت آتی تو مقروض سے کہتے کہ یا تو قرض ادا کرو یا رِبا دو یعنی قرضہ کی مقدار سے زیادہ دو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمانِ حق کے ذریعے اس کو حرام قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے جبکہ سود کو حرام کہا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ اُدھار کی صورت میں زائد قیمت وصول کرنا سود نہیں بشرطیکہ انہی شرائط کے مطابق ہو جو شروع میں بیان کی گئیں۔

دُوسرا جواب

دُوسرا جواب یہ ہے کہ رِبا کی دو قسمیں ہیں:-

۱- رِبا القرض: وہ سود جو قرض پر مشروط اضافے کے طور پر لیا جاتا ہے۔

۲- رِبا الفضل: وہ مشروط اضافہ جو چند مخصوص اجناس کے ہم جنس تبادلے کے طور پر حاصل ہو جیسے گندم کی باہمی خرید وفروخت میں اضافہ وغیرہ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اُدھار کی وجہ سے قیمت میں ہونے والا اضافہ سود کی کون سی قسم میں داخل ہے۔ پہلی قسم میں اس لئے داخل نہیں کہ سودا ہونے سے پہلے خریدار مقروض نہیں بنا لہٰذا یہ اضافہ قرض پر مشروط اضافہ نہیں قرار پائے گا اور دُوسری قسم میں اس لئے داخل نہیں کہ یہ ہم جنس اشیاء کا تبادلہ نہیں کیونکہ اس میں ایک طرف جنس ہے جیسے گندم،

---

(۱) تفسير القرطبي (۳/۳۵٦)

کپاس، کھاد، اسپرے وغیرہ وغیرہ۔ دُوسری طرف نقد رقم ہے۔ جب یہ سود کی کسی بھی قسم کے زُمرے میں نہیں آتا تو اسے رِبا کہنا دُرست نہیں۔(۱)

تیسرا جواب

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر یا کساد بازاری یا اس چیز کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز قیمتِ خرید سے بھی بہت کم قیمت پر فروخت کردیتا ہے تو اس کے بارے میں کوئی یہ کہنے کیلئے تیار نہیں کہ خریدار فروخت کنندہ سے سود لے رہا ہے کہ کم قیمت ادا کرکے اس کے مقابلے میں زیادہ مبیع وصول کر رہا ہے تو جب قیمت میں کمی کرنا سود نہیں تو اضافے کو سود قرار دینا بھی دُرست نہیں۔(۲)

دُوسری دلیل کا جواب

دُوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا دُرست نہیں کہ خریدار زیادہ قیمت دینے پر اس قدر مجبور ہے کہ اس پر "مکرہ" کے اَحکام جاری ہوجاتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایسی خریداری میں اسے رغبت بھی ہوتی ہے کیونکہ اسے قیمت کی فوری ادائیگی والی پریشانی کا سامنا نہیں ہوتا بعد میں اسی خریدی ہوئی چیز مثلاً مشینری وغیرہ کے ذریعے اتنا کما لیتا ہے کہ جس سے ادائیگی میں آسان ہو، اور کچھ نفع بھی ہاتھ آئے۔ اس لئے اسے "مکرہ" قرار دینا شرعی اصطلاح کے مطابق دُرست نہیں۔

تیسری دلیل کا جواب

تیسری دلیل کا جواب وہی ہے جو اس بحث کے شروع میں بیان ہوا کہ "بیعتان فی بیعۃ" سے ثابت ہونے والی ممانعت اس وقت ہے جب فروخت کنندہ دونوں قیمتوں کو بیان کردے اور کسی ایک قیمت کی تعیین کے بغیر مجلس ختم ہوجائے جبکہ مذکورہ صورت میں یہ

---

(۱) مجلّة مجمع الفقه الاسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الأوّل (۱۴۱۰ھ-۱۹۹۰م) بحث فضيلة الدكتور ابراهيم فاضل الدبو، الأستاذ بكلية الشريعة بجامعة بغداد ص: ۲۲۵، ۲۲۶.

(۲) بحواله بالا

خرابی نہیں پائی جاتی۔

مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ) کی قرارداد

آج سے چند برس قبل (مارچ ۱۹۹۰ء میں) مجمع الفقہ الاسلامی (العالمی) میں اس مسئلے کو زیرِ غور لایا گیا۔ اس مجلس میں کافی بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ بیع کی یہ قسم شرعاً جائز ہے۔ اس مسئلے کے متعلق جو قراردادیں منظور کی گئیں، ذیل میں انہیں بعینہٖ مع ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔

١- تجوز الزيادة فى الثمن المؤجل عن الثمن الحال كما يجوز ذكر ثمن المبيع نقدًا وثمنه بالإقساط لمدةٍ معلومة. ولا يصح البيع إلّا إذا جزم العاقدان البيع بالنقد أو بالتأجيل فإن وقع البيع مع التردد بين النقد والتأجيل بأن لم يحصل الإتفاق الجازم على ثمن واحد محدد فهو غير جائزٍ شرعًا.

٢- لا يجوز شرعًا فى بيع الأجل التنصيص فى العقد علىٰ فوائد التقسيط مفصولة عن الثمن الحال بحيث ترتبط بالأجل سواء اتفق العاقدان على نسبة الفائدة أم ربطها بالفائدة السائدة.

٣- إذا تأخر المشترى المدين فى دفع الأقساط عن موعد المحدد فلا يجوز إلزامه أىّ زيادة على الدّين بشرط سابق أو بدون شرط، لأنّ ذٰلك ربا محرم.

ترجمہ:۱- نقد خریداری کے مقابلے میں اُدھار خریداری کی صورت میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ بیچنے والا خریدار کو نقد اور اُدھار دونوں کی قیمتوں کا فرق بتا دے، لیکن جب تک عاقدین نقد یا اُدھار میں سے کسی ایک صورت کو متعین نہ کریں، اس

وقت تک بیع دُرست نہ ہوگی، لہٰذا اگر نقد اور اُدھار کے درمیان تردّد اور شک کے ساتھ اس طرح بیع ہوجائے کہ ایک معین ثمن پر اتفاق قطعی نہ ہوا ہوتو اس صورت میں یہ بیع شرعاً ناجائز ہوگی۔

۲- یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے کہ اُدھار فروختگی کی صورت میں فروخت شدہ سامان کی ایک قیمت مقرّر کرلی جائے، پھر اس قیمت پر قسط وار ادائیگی کے سود کا قیمت سے الگ اس طرح ذکر کیا جائے کہ یہ سود مدّت کے ساتھ مربوط ہو، یہ صورت بہرحال ناجائز ہے، خواہ شرحِ سود فریقین نے باہمی رضامندی سے طے کی ہو یا اسے بازار میں رائج شرحِ سود سے منسلک کیا ہو۔

۳- اگر خریدار قسطوں کی ادائیگی میں مقرّرہ مدّت سے تاخیر کردے، تو اس پر سابقہ شرط کی بنیاد پر یا سابقہ شرط کے بغیر قرض کی مقدار پر زیادتی کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ حرام ''ربا'' میں داخل ہے۔ (۱)

وضاحت

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اُدھار کی صورت میں چند شرائط کے ساتھ اشیاء زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے، البتہ احقر کا خیال یہ ہے بلا وجہ اس صورت کو اختیار کرنے کی عادت نہیں ڈالنی چاہئے۔ اس کی درج ذیل وجوہ بندہ کے ذہن میں ہیں:-

۱- بعض مرتبہ کچھ لوگ واقعۃً کسی مالی مجبوری کے پیشِ نظر چیزیں اُدھار خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں مثلاً غریب کاشتکاروں کا یہ حال دیکھا گیا ہے کہ ان کے پاس اس قدر رقم نہیں ہوتی کہ کھاد اور اسپرے وغیرہ نقد خرید سکیں اور نہ خریدنے کی صورت میں کھیتی وغیرہ ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ ان حالات میں وہ یہ چاہتے ہیں کہ دُکاندار اگر نقد والی قیمت پر فروخت نہ کرے تو قیمت میں کچھ مناسب اضافہ کرکے فروخت کردے لیکن

---

(۱) مجلة مجمع الفقه الاسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الأوّل، قرار رقم: (۵۳/۲/۶) بشأن البيع بالتقسيط (۱۷-۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ-۱۴-۲۰ مارچ ۱۹۹۰ء).

عام طور دُکاندار اس پر آمادہ نہیں ہوتے اور بہت بھاری قیمت مقرر کر کے مطلوبہ اشیاء فروخت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض مرتبہ اُدھار کی صورت میں بیچی گئی چیز کی قیمت نقد کے مقابلے میں ڈیڑھ گنا تک بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ایک زرعی دوا اگر نقد میں چار سو روپے میں ملتی تو اَب وہ چھ سو روپے میں فروخت ہوتی ہے۔ خوشحال افراد اور بڑے زمینداروں کے لئے تو یہ چیز قابلِ برداشت ہے لیکن مفلوک الحال کسان اس صورتِ حال کی وجہ سے پریشانی کا شکار ہوتے ہیں۔

۲- یہ بات بھی بارہا مشاہدے میں آئی ہے کہ بہت سے لوگ رقم ہونے کے باوجود بلا جھجک اُدھار پر اشیاء خریدتے رہتے ہیں۔ دُکاندار زیادہ نفع کے لالچ میں خوشی خوشی سب سامان دے دیتا ہے لیکن جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو عام طور پر ٹال مٹول کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دُکاندار کو اپنی تجارت باقی رکھنے میں کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ مسلسل اُدھار کی وجہ سے اصل سرمایہ بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ان حالات میں دُکاندار اور خریدار کے درمیان بھی رنجش اور لڑائی کے کئی واقعات بھی دیکھنے میں ملتے ہیں۔

لیکن ان خرابیوں کی وجہ اس بیع کا جائز ہونا نہیں بلکہ بندے کے خیال میں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس بیع کو مثالی (Ideal) سمجھ کر اندھا دُھند اختیار کیا گیا ہے۔ اگر اس پر قدرے قابو پایا جائے اور بلا ضرورت اس کی عادت نہ بنانے کے ساتھ ساتھ مفلوک الحال افراد کے ساتھ قیمت میں مناسب اضافہ کے خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ ذکر کردہ خرابیاں کافی حد تک دُور ہوجائیں گی۔

اسلامی بینکاری میں بھی مرابحہ (Murabaha) کے اندر عام طور پر بینک عمیل (Client) کو اپنی اشیاء اُدھار پر فروخت کرتا ہے اور عام طور نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت لی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ معاصر علمائے کرام کی رائے میں مرابحہ کوئی مثالی طریقۂ تمویل نہیں، اس لئے اس کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ دُوسری بات یہ ہے کہ اسلامی بینک کسی کو مرابحہ کی سہولت فراہم کرنے سے پہلے قیمت کی

ادائیگی کے حوالے سے اچھی طرح اطمینان کرتا ہے اور اس حوالے سے ضروری اقدامات بھی کرتا ہے، اس لئے بینک کے مرابحے میں عام طور پر وہ خرابیاں سامنے نہیں آئیں جو عام کاروباری زندگی میں اُدھار کو رواج دینے کی صورت میں نظر آتی ہیں۔

صفقتان فی صفقة

(ایک عقد میں کوئی سے دو معاملات کرنا)

"بیعتان فی بیعة" سے ملتی جلتی ایک صورت "صفقتان فی صفقة" ہے، اور ان دونوں کے درمیان ظاہری طور پر اتنی مشابہت ہے کہ بعض فقہائے کرام نے ان دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا، چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

معنی صفقتان فی صفقة بیعتان فی بیعة.[1]

ترجمہ:- "صفقتان فی صفقة" اور "بیعتان فی بیعة" ہم معنیٰ ہیں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم و خصوص کا فرق ہے۔ "بیعتان فی بیعة" کے اندر ایک عقد کے اندر بیع ہی کے دو معاملے جمع ہوتے ہیں جبکہ "صفقتان فی صفقة" کے اندر صرف دو معاملات کا پایا جانا کافی ہے خواہ وہ دونوں معاملے بیع کے ہوں یا دونوں نہ ہو یا ایک بیع کا ہو اور دُوسرا بیع کا نہ ہو۔ لہٰذا اگر اجارہ اور عاریت یا بیع اور اجارہ ایک عقد میں جمع ہوجائیں تو اس معاملے کو "صفقتان فی صفقة" تو کہا جائے گا لیکن "بیعتان فی بیعة" کہنا دُرست نہ ہوگا۔

صفقة عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ ہیں "ہاتھ مارنا"۔ عربی کا محاورہ ہے "صفقته علی رأسه" أی ضربته بالید (میں نے اس کے سر پر ہاتھ مارا) زمانۂ جاہلیت میں اس کا عمومی رواج تھا کہ جب متعاقدین آپس میں بیع کرتے تو ایک دُوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔ لیکن بعد میں صفقة کے لفظ کا اطلاق مطلقاً عقد پر ہونے لگا خواہ وہ بیع کا معاملہ ہو یا کسی اور چیز کا۔ چنانچہ علامہ فیومی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

صفقته علیٰ رأسه أی ضربته بالید وصفقت له بالبیعة (صفقًا) أیضًا ضربت بیدی علیٰ یده وکانت العرب إذا وجب البیع ضرب أحدهما یدِ صاحبه ثم استعملت

---

(۱) نیل الأوطار (۵/۱۳۱)۔

(الصفقة) فی العقد .[1]

ترجمہ:- "صفقته علی رأسه" کا مطلب ہے کہ میں نے اس کے سر پر ہاتھ مارا اور "صفقت له بالبیعة" سے مراد یہ ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر مارا۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب بیع منعقد ہوجاتی تو ایک فریق دُوسرے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارتا۔ پھر صفقہ کا لفظ مطلقاً "عقد" کے لئے استعمال ہونے لگا۔

اس کے علاوہ صفقة "عہد" کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ القاموس الفقهی میں ہے:

الصفقة ....العهد: فی حدیث الشریف: إنّ أکبر الکبائر أن تقاتل أهل صفقتک. هو أن یعطی الرجل عهده ومیثاقه.[2]

ترجمہ:- صفقة کے ایک معنیٰ "عہد" کے ہیں جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ "اہلِ صفقۃ" سے قتال کرنا بڑا گناہ ہے۔ "اہلِ صفقۃ" سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے عہد و پیمان کیا گیا ہو۔

شرعی اصطلاح میں بھی صفقۃ مطلقاً عقد کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ علامہ جرجانی فرماتے ہیں:-

الصفقة: فی اللغة: عبارة عن ضرب الید عند العقد وفی الشرع: عبارة عن العقد.[3]

---

(۱) المصباح المنیر، الفیومی (أحمد بن محمد بن علی المقری الفیومی المتوفی ۷۷۰ھ) بیروت، المکتبة العلمیة، الطبعة القدیمة ص: ۱/۳۴۳.

... وأیضا فی کتاب المغرب فی ترتیب المعرب، الخوارزمی (الإمام أبو الفتح ناصر بن عبد السید بن علی المطرزی الخوارزمی ۵۳۸ھ-۶۱۲ھ) بیروت، دارالکتب العربی ص: ۲۶۸.

(۲) القاموس الفقهی لغة وعادة، أبوحبیب (سعدی أبو حبیب) دمشق، دارالفکر، الطبعة الأولی ۱۴۰۲ھ- ۱۹۸۲م ص: ۲۱۳.

(۳) کتاب التعریفات، الجرجانی (علی بن محمد بن علی أبو الحسن الحسینی الجرجانی المتوفی ۸۲۶ھ) بیروت، دار الفکر، الطبعة الأولی ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م ص: ۹۵ ..... ایضاً فی ردّ المحتار مع الدر (۴/۵۲۶).

ترجمہ:۔ لغت میں عقد کے وقت ہاتھ مارنے کو صفقہ کہا جاتا ہے جبکہ شرعی اصطلاح میں اس کا اطلاق مطلق عقد پر ہوتا ہے۔

لہٰذا "صفقتان في صفقة" کا مطلب ہوگا "ایسا معاملہ جس میں دو عقد جمع ہو جائیں خواہ وہ بیع کے ہوں یا اور معاملات ہوں۔

"صفقتان فی صفقة" کا ایک دُوسرا مطلب

"صفقتان في صفقة" کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو اُوپر ذکر کیا گیا، یعنی ایک عقد کے اندر دو مختلف معاملات کو جمع کرنا۔ اس کے علاوہ سماکؒ سے اس کا ایک اور مطلب بھی منقول ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص دُوسرے کے ہاتھ کوئی چیز اس شرط پر فروخت کرے کہ اگر نقد خریدو گے تو اس کی قیمت کم ہوگی اور اگر اُدھار پر خریدو گے تو قیمت زیادہ ہوگی۔ مسند احمد بن حنبل میں ان کا یہ مذہب ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:۔

فسر سماک صفقتين في صفقة؛ بأن يبيع الرجل البيع فيقول: هو بنسأ بكذا وكذا وهو بنقد بكذا وكذا۔[1]

یہ مطلب بعینہٖ وہی ہے جو "بيعتان في بيعة" کے معانی میں گزر چکا ہے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب راجح نہیں کیونکہ اس صورت میں "صفقتان في صفقة" صرف بیع ہی کے ساتھ خاص ہوگا اور گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ صفقہ کا اطلاق ہر عقد پر ہوسکتا ہے خواہ وہ بیع کا ہو یا اجارے کا، عاریۃ کا ہو یا سلم کا وغیرہ۔ اس لئے پہلے معنیٰ کو اختیار کرنا زیادہ راجح اور قابلِ قبول معلوم ہوتا ہے۔[2]

صفقتان فی صفقةٍ سے متعلق روایات

"بيعتان في بيعةٍ" کی طرح "صفقتان في صفقةٍ" کا عدمِ جواز بھی احادیث

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل (۱/۳۹۸)

(۲) ڈاکٹر الصدیق الضریر نے اپنے مقالہ "عقود الصيانة وتكييفها الشرعي" ص:۱۰ پر بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

سے ثابت ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے:-

نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن صفقتين في صفقة واحدة.(۱)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عقد کے اندر دو معاملات کرنے سے منع فرمایا۔

ایک دُوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح منقول ہے:-

لا تحل صفقتان في صفقةٍ.(۲)

ترجمہ:- ایک عقد میں دو معاملے کرنا حلال نہیں۔

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

الصفقتان في صفقة ربا.(۳)

ترجمہ:- ایک عقد کے اندر دو معاملات جمع کرنا ربا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:-

لا يصلح صفقتان في صفقةٍ.(۴)

ترجمہ:- ایک عقد میں دو معاملات کرنا صحیح نہیں۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل (۱/۳۹۸)، ..... ایضاً في مجمع الزوائد، باب ما جاء في الصفقتين في صفقةٍ (۴/۸۴) .... وفي مسند بزار، حديث:۲۰۱۷ (۵/۳۸۴) .... وفي سنن النسائي، رقم الحديث: ۴۲۲۹.

(۲) معجم الطبراني الأوسط، رقم الحديث: ۱۶۳۳ (۲/۳۶۲) .... ایضاً في صحيح ابن حبان، حديث:۵۰۲۵ (۱۱/۳۹۹) .... مجمع البحرين في زوائد المعجمين، الهيثمي (الحافظ نورالدين علي بن ابي بكر الهيثمي ۷۳۵-۸۰۷هـ) رياض، مكتبة الرشد، الطبعة الثانية، ۱۴۱۵هـ- ۱۹۹۵م.

(۳) موارد الظمآن، الهيثمي (الحافظ نورالدين علي بن ابي بكر الهيثمي) بيروت، دار الكتب العلمية، باب اسباغ الوضوء، حديث: ۱۶۳، وباب ما نهي عنه في البيع عن الشروط وغيرها، حديث: ۱۱۱۱.

(۴) مصنف ابن ابي شيبة (فصل) في الرجل يبيع البيع على أن يأخذ الدينار بكذا، حديث:۲۳۲۴۷ (۵/۱۲) .... ایضاً في مسند بزار، حديث:۲۰۱۶ (۵/۳۸۴)۔

کیا "صفقتان فی صفقةٍ" کی تمام صورتیں ممنوع ہیں؟

احادیث کے ظاہر کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ "صفقتان فی صفقة" کی تمام صورتیں ناجائز ہوں لہٰذا اگر کوئی بھی دو معاملات ایک دوسرے سے مشروط کر کے جمع کئے گئے تو وہ ناجائز ہوں گے، لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی علی الاطلاق تمام صورتوں کو ناجائز نہیں کہا، بلکہ اس میں سے چند صورتیں مستثنیٰ کی ہیں۔ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں "صفقتان فی صفقة" کی اکثر صورتیں ناجائز ہیں البتہ صرف چند صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کی تفصیل آگے "بیع وشرط اور بیع وشرطین" کے عنوان کے تحت آئے گی۔ البتہ اتنی بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ "صفقتان فی صفقة" کے عدمِ جواز کے لئے ضروری ہے کہ ایک عقد دوسرے سے مشروط ہو۔

چنانچہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وإذا اشتراه علیٰ أن یقرض لہ قرضًا أو یھب لہ ھبة أو یتصدق علیه بصدقةٍ أو علیٰ أن یبیعه بکذا و کذا من الثمن فالبیع فی جمیع ذٰلک فاسد. (۱)

ترجمہ:- اگر کسی شخص نے دوسرے سے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ وہ اسے قرضہ دے گا یا اسے کچھ ہدیہ دے گا یا اس پر کچھ صدقہ کرے گا یا فلاں چیز اسے اتنی رقم کے بدلے بیچے گا تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

علامہ سرخسی کی ذکر کردہ عبارت سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ دو عقود کو جمع کرنا اس وقت ناجائز ہوگا جب ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہو، اس لئے کہ یہاں حرف "علی" استعمال کیا گیا ہے جو کہ شرطیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ نے تو اس بات کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ "صفقتان فی صفقة" کی ایک صورت کے عدمِ جواز کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

---

(۱) المبسوط للسرخسی (۱۶/۱۳) وأیضًا فی فتح القدیر (۶/۸۰).

لأنّه اشترط عقدًا في عقدٍ.[1]

ترجمہ:- کیونکہ اس نے ایک عقد کو دُوسرے عقد کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی ایک عقد دُوسرے کے ساتھ مشروط نہیں نیز جس علاقے میں یہ عقد ہو رہے ہیں وہاں ان دونوں کو جمع کرنے کا عرف بھی نہیں تو وہ معاملہ جائز ہوجائے گا لیکن اگر دونوں عقد ایک دُوسرے کے ساتھ مشروط ہیں، یا مشروط تو نہیں البتہ انہیں جمع کرنے کا عرف ہے تو بھی "المعروف کالمشروط"[2] کے قاعدے کے تحت یہ عقد ناجائز ہوگا کیونکہ شریعت نے عرف کو بھی شرط کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اسے بذریعہ مثال یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ مثلاً زید، بکر کو اپنا مکان فروخت کرتا ہے اور پھر بیچنے کے بعد اس سے کرائے پر خرید لیتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ بیع کے وقت متعاقدین میں سے کسی نے یہ شرط لگائی تھی کہ زید اسے کرائے پر بھی لے گا یا اس جگہ اس کا عام رواج اور عرف ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسے کاروبار کے طور پر اختیار کر رکھا ہے کہ اپنا مکان بیچ کر پھر اسے ہی کرائے پر لے لیتے ہیں تو ایسی صورت میں زید کے لئے وہی مکان کرائے پر لینا جائز نہ ہوگا، اور اگر ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں اور بیع ہونے کے بعد بکر اس مکان پر قبضہ بھی کر لیتا ہے تو پھر زید کے لئے یہ مکان کرائے پر لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ "صفقتان في صفقة" کی حقیقت میں داخل نہیں۔

مالکیہ کے ہاں یہ قاعدہ تمام عقود کے لئے نہیں، بلکہ ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جن معاملات کے درمیان طبعی تضاد پایا جاتا ہے، صرف انہیں ایک ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، اور وہ سات ہیں:-

---

(۱) المغني (۱/۳۳۴)

(۲) ردّ المحتار (۳/۱۳۰) وأيضاً في المجلة رقم المادة: ۴۳، وشرحها للخالد الأتاسي (۱/۱۰۰) ....وفي الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية (۱/۳۸۵)... وفي المبسوط للسرخسي (۱۲/۵۴) وفي القواعد الفقهية للندوي ص: ۵۶.

۱-جعالہ (کسی عمل پر انعام کا التزام)۔[1]

۲-عقد صرف۔

۳- مساقاۃ۔

۴-شرکت۔

۵- نکاح۔

۶-قراض (مضاربہ)۔

۷- بیع۔

علامہ قرافی مالکی کا کہنا ہے کہ ان میں سے پہلے چھ عقود کو بیع کے ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

أسماء العقود التي لا يجوز اجتماعها مع البيع في قولک جص مشتق فالجيم للجعالة والصاد للصرف والميم للمساقاة والشين للشركة والنون للنكاح والقاف للقراض .....الجعالة للزوم الجهالة في عمل الجعالة وذٰلک ينافي البيع ولا إجارة مبنية علىٰ نفي الغرر والجهالة له وذٰلک موفق للبيع ولا يجتمع النكاح والبيع لتضادهما في المكايسة في العوض والمعوض بالمسامحة في النكاح والمشاحة في البيع فحصل التضاد والصرف مبني على التشديد وامتناع الخيار والتأخير وأمور كثيرة لا تشترط في البيع فضاد البيع الصرف والمساقاة والقراض فيهما الغرر

---

(۱) القاموس الفقهي ص:۶۳؛ الجعالة: الجعالة: وضم الجيم ضعيف شرعًا: التزام عوض معلوم على عمل معين. ... وأيضًا في التعليق على تحرير ألفاظ التنبيه أو لغة الفقه بتعليق عبد الغني الدقة، النووي (محي الدين يحيىٰ بن شرف النووي) بيروت، دار القلم، الطبعة الأولىٰ ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م ص:۲۲۵. جعالہ کے متعلق پوری تفصیل باب پنجم میں آئے گی۔

والجهالة كالجعالة وذلك مضاد للبيع ..... وفي الشركة مخالفة الأصول والبيع على وفق الأصول فهما متضادان.[1]

ترجمہ:- وہ عقود جنھیں بیع کے ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، وہ "جــصــمّ مشتـــق" کے اندر جمع ہوجاتے ہیں جس میں "ج" سے مراد جعالۃ، "ص" سے مراد عقد صرف، "م" سے مراد مساقاۃ، "ش" سے مراد شرکت، "ن" سے مراد نکاح اور "ق" سے مراد قراض (مضاربہ) ہے۔

جعالۃ بیع کے ساتھ اس لئے جمع نہیں ہوسکتا کہ اس کے اندر جہالت کا پایا جانا لازمی ہے جبکہ جہالت بیع کے منافی ہے، نکاح اس لئے بیع کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا کہ نکاح میں مالی لین دین (مہر وغیرہ) کے اندر توسع اور کشادگی ہوتی ہے جبکہ بیع کے اندر عوضین کی تبدیلی میں ذرا بخل اور تنگی سے کام لیا جاتا ہے لہٰذا تضاد پایا گیا، عقدِ صرف کے اَحکام سخت ہیں، اس میں خیار اور (عوضین پر قبضے میں) تأخیر ممنوع ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بعض شرائط ایسی ہیں جن کا عام بیوع کے اندر پایا جانا ضروری نہیں لہٰذا بیع اور صرف کے درمیان تضاد واقع ہوگیا، مساقاۃ اور مضاربہ کے اندر جعالہ کی طرح غرر اور جہالت پائی جاتی ہے اور شرکت میں اُصولوں کی مخالفت پائی جاتی ہے جبکہ بیع اُصولوں کے مطابق ہوتی ہے لہٰذا ان کے اندر بھی تضاد ہے۔

شیخ میارۃ مالکی کے نزدیک ان سات عقود کے علاوہ قرض بھی ان میں شامل ہے نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان عقود میں سے کوئی بھی دو معاملات آپس میں جمع نہیں ہوسکتے۔

---

(۱) الفروق، القرافي (الإمام شهاب الدين أبو العباس الصنهاجي المشهور بالقاضي) بيروت، دار المعرفة، الطبعة القديمة (۱۴۲/۳).

..... مواهب الجليل، المغربي (محمد بن عبدالرحمن ابو عبدالله المغربي المتوفى ۹۵۴هـ) بيروت، دار الفكر، الطبعة الثانية ۱۳۹۸هـ (۳۱۳/۴)

چنانچہ ان کے بارے میں مشہور مالکی عالم الشیخ محمد علی لکھتے ہیں:-

وكل عقد من هذه العقود الستة يضاد البيع فلذا اختصرت في المشهور بانّه لا يجوز ان يجمع واحدًا منهما مع البيع عقدٌ واحدٌ بل قال الشيخ ميارة كما لا يجتمع البيع مع واحدٍ من هذه السبع بزيادة القرض فكذلك لا يجتمع اثنان منهما في عقدٍ واحد لافتراق أحكامها.[1]

ترجمہ:- درج بالا چھ عقود میں سے ہر عقد بیع کے متضاد ہے اس لئے یہ بات مشہور ہے کہ ان میں سے کوئی ایک عقد بھی بیع کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا بلکہ شیخ میارہ کا کہنا ہے کہ ان چھ کے علاوہ قرض بھی بیع کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا نیز ان عقود میں سے کوئی بھی دو معاملات آپس میں جمع نہیں ہوسکتے۔

درج بالا مضمون کو شیخ محمد علی رحمہ اللہ نے ان دو اشعار کے اندر جمع کیا ہے:-

عقودٌ منعنا اثنين منها بعقدهٖ
لكون معانيها معًا تتفرّق
فجعل وصرف والمساقاة شركة
نكاح قراض قرض بيع محقق[2]

ترجمہ:- وہ عقود جن کے معانی میں تضاد پائے جانے کی وجہ سے ہم نے ان کے ایک عقد میں جمع ہونے کو منع کیا ہے، وہ یہ ہیں: جعالہ، عقد صرف، مساقاۃ، شرکت، نکاح، مضاربہ، قرض اور بیع۔

اگر شیخ میارۃ کے قول کو اختیار کیا جائے تو اس طرح دو معاملات کے جمع ہونے کی ناجائز صورتوں کے اندر عقلی طور پر چونسٹھ ۶۴ احتمالات ہیں، البتہ ان میں سے چھتیس ۳۶ صورتوں

(۱و۲) تهذيب الفروق على هامش الفروق (الشيخ محمد على بن الشيخ حسين مفتى المالكية) بيروت، دار المعرفة، الطبعة القديمة (۱۶۷/۳).

میں تکرار واقع ہو جاتا ہے اس لئے کل ناجائز صورتیں اٹھائیس[۲] باقی رہ جاتی ہیں۔[۱]

"صفقتان فی صفقة" کی منصوص صورتیں

ایک عقد کے اندر دو معاملات کرنے کی ویسے تو بہت سی صورتیں ہیں لیکن تین صورتیں ایسی ہیں جن کی ممانعت احادیث میں بھی وارد ہے:-

---

(۲) کل معاملات آٹھ ہیں، انہیں آٹھ سے ضرب دی جائے تو عقلی طور پر درج ذیل چونسٹھ صورتیں سامنے آئیں گی: ۱- بیع اور بیع، ۲- بیع اور جعالة، ۳- بیع اور صرف، ۴- بیع اور مساقاة، ۵- بیع اور شرکة، ۶- بیع اور نکاح، ۷- بیع اور مضاربة، ۸- بیع اور قرض، ۹- جعالة اور بیع، ۱۰- جعالة اور جعالة، ۱۱- جعالة اور صرف، ۱۲- جعالة اور مساقاة، ۱۳- جعالة اور شرکة، ۱۴- جعالة اور نکاح، ۱۵- جعالة اور مضاربة، ۱۶- جعالة اور قرض، ۱۷- صرف اور بیع، ۱۸- صرف اور جعالة، ۱۹- صرف اور صرف، ۲۰- صرف اور مساقاة، ۲۱- صرف اور شرکة، ۲۲- صرف اور نکاح، ۲۳- صرف اور مضاربة، ۲۴- صرف اور قرض، ۲۵- مساقاة اور بیع، ۲۶- مساقاة اور جعالة، ۲۷- مساقاة اور صرف، ۲۸- مساقاة اور مساقاة، ۲۹- مساقاة اور شرکة، ۳۰- مساقاة اور نکاح، ۳۱- مساقاة اور مضاربة، ۳۲- مساقاة اور قرض، ۳۳- شرکة اور بیع، ۳۴- شرکة اور جعالة، ۳۵- شرکة اور صرف، ۳۶- شرکة اور قرض، ۳۷- نکاح اور بیع، ۳۸- شرکة اور نکاح، ۳۹- شرکة اور مضاربة، ۴۰- شرکة اور قرض، ۴۱- نکاح اور بیع، ۴۲- نکاح اور جعالة، ۴۳- نکاح اور صرف، ۴۴- نکاح اور مساقاة، ۴۵- نکاح اور شرکة، ۴۶- نکاح اور نکاح، ۴۷- نکاح اور مضاربة، ۴۸- نکاح اور قرض، ۴۹- مضاربة اور بیع، ۵۰- مضاربة اور جعالة، ۵۱- مضاربة اور صرف، ۵۲- مضاربة اور مساقاة، ۵۳- مضاربة اور شرکة، ۵۴- مضاربة اور نکاح، ۵۵- مضاربة اور مضاربة، ۵۶- مضاربة اور قرض، ۵۷- قرض اور بیع، ۵۸- قرض اور جعالة، ۵۹- قرض اور صرف، ۶۰- قرض اور مساقاة، ۶۱- قرض اور شرکة، ۶۲- قرض اور نکاح، ۶۳- قرض اور مضاربة، ۶۴- قرض اور قرض، لیکن ان میں سے بعض ایسی ہیں جس میں ایک ہی عقد کا نام تکرار کے ساتھ لکھا گیا اور وہ آٹھ صورتیں ہیں یعنی صورت نمبر ۱، ۱۰، ۱۹، ۲۸، ۳۷، ۴۶، ۵۵، ۶۴، اور باقی سب صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں ایک جیسے عقد دوبارہ مذکور ہیں، صرف ان کے ناموں میں تقدیم وتاخیر ہے مثلاً ایک صورت میں بیع کا نام پہلے ہے اور جعالة کا بعد میں، اور دوسری میں جعالة کا نام پہلے ہے اور بیع کا بعد میں۔ ان صورتوں میں سے صرف ایک صورت کو باقی رکھا اور مکرر کو حذف کیا جائے تو غیر تکرار والی کل اٹھائیس صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔

۱- بیع وسلف (بیع اور قرض یا سلم کو ایک ساتھ کرنا)۔

۲- بیع وشرط (بیع کے اندر کوئی شرط لگانا)۔

۳- بیع وشرطین (بیع کے اندر دو شرطیں لگانا)۔

ذیل میں ہر ایک کو قدرے وضاحت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

بیع وسلف

(بیع اور قرض یا سلم کو ایک ساتھ جمع کرنا)

سلف ''قرض'' اور ''سلم'' دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے[۱] اور فقہائے کرام نے یہاں پر دونوں معنیٰ مراد لئے ہیں۔ لہٰذا بیع وسلف کا مطلب یہ ہوا کہ بیع کے ساتھ قرض کو جمع کرنا۔ اور بیع کے ساتھ سلم کو جمع کرنا۔ دونوں جائز نہیں۔

''بیع وسلف'' کی ممانعت کے بارے میں ایک حدیث میں ہے:-

انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن ولا بیع ما لیس عندک.[۲]

---

(۱) القاموس الوحید، کیرانوی (مولانا وحیدالزمان کیرانوی) لاهور، اداره اسلامیات، الطبعة الأولی ربیع الأوّل ۱۴۲۲ھ- جون ۲۰۰۱ء، ص: ۷۹۲.

(۲) جامع الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراهیة بیع ما لیس عنده، رقم الحدیث: ۱۲۳۴

..... سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب شرط فی بیع، رقم الحدیث: ۳۳۶۱.

..... سنن نسائی، باب بیع ما لیس عند البائع، رقم الحدیث: ۲۲۰۴۔

..... المنتقی لابن جارود، النیسابوری، (ابو محمد عبدالله بن علی بن الجارود النیسابوری، المتوفی ۳۰۷ھ) بیروت، مؤسسة الکتاب الثقافیة، الطبعة الأولی ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م حدیث: ۶۰۱ (۱/۱۵۴).

..... المستدرک علی الصحیحین، النیسابوری (محمد بن عبدالله ابو عبدالله الحاکم النیسابوری ۳۲۱ھ - ۴۰۵ھ) بیروت، دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولی ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰م حدیث: ۲۱۸۵ (۲/۲۴).

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرضہ اور بیع ایک ساتھ کرنا حلال نہیں، ایک بیع کے اندر دو شرطیں ایک ساتھ نہیں لگائی جاسکتیں اور جو چیز انسان کے ضمان میں نہیں، اس پر نفع لینا جائز نہیں اور جو چیز انسان کے پاس موجود نہیں، اس کے لئے اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔

۲- عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدّه عبد الله بن عمر بن العاص قال: قلت: یا رسو ل الله إني أسمع منک أشیاء أخاف أنساها أفتاذن لی أن أکتبها؟ قال: نعم ، قال: فکان فیما کتب عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه لما بعث عتا ب بن أسید إلی أهل مکة قال: أخبرهم أنه لا یجوز بیعان في بیع ولا بیع ما لا یملک ولا سلف وبیع ولا شرطان في بیع.[1]

ترجمہ:- عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ میں انہیں بھول جاؤں گا تو کیا میں اسے لکھ لیا کروں؟ فرمایا: ہاں۔ ابنِ عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھوائی گئی باتوں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ جب آپ نے عتاب بن اسید کو مکہ کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ: انہیں خبر دو کہ ایک عقد میں بیع کے دو معاملات کرنا، غیر مملوک کی بیع، بیع وسلف اور ایک بیع کے اندر دو شرطیں لگانا جائز نہیں۔

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین، النیسابوری (محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاکم النیسابوری ۳۲۱ھ - ۴۰۵ھ) بیروت، دارالکتب العلمیة، الطبعة الأولی ۱۴۱۱ھ- ۱۹۹۰م (۲/۲۱) حدیث: ۲۱۸۶.

بیع وسلف کی صورتیں

بیع وسلف سے متعلق تقریباً پانچ صورتیں ہیں، جن میں چار بیع اور قرض کو جمع کرنے سے متعلق ہیں اور ایک صورت بیع اور سلم کو جمع کرنے سے متعلق ہے۔

بیع کے ساتھ قرض کو جمع کرنے کی صورتیں یہ ہیں:-

۱- کوئی شخص دُوسرے سے کہے کہ میں تمہارا سامان فلاں قیمت پر اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم مجھے اتنی رقم بطورِ قرض دو۔ اسے اِمام مالکؒ نے یوں ذکر فرمایا ہے:-

أن يقول الرجل للرجل آخذ سلعتک بکذا علیٰ أن تسلفني کذا و کذا.(۱)

۲- دُوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص دُوسرے سے یوں کہے کہ میں اپنا سامان فلاں قیمت پر تمہیں اس شرط کے ساتھ بیچتا ہوں کہ تم مجھے اتنی رقم قرض دو۔ علامہ خطابی نے اس صورت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

أن يقول: أبيعکه بکذا علیٰ أن تقرضني ألف درهم.(۲)

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص دُوسرے سے یوں کہے کہ میں تمہیں اتنی رقم بطورِ قرض اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم مجھے اپنا فلاں سامان اتنی قیمت پر فروخت کرو۔ اسے علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:-

أن يقول: أسلفتک کذا درهمـا علیٰ أن تبيعني دارک بکذا.(۳)

۴- چوتھی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کو قرض کی ضرورت ہے، اس نے

---

(۱) کتاب الموطأ بهامش المنتقی (۲۹/۵).

(۲) معالم السنن مع سنن أبي داوٗد، الخطابي (أبو سليمان الخطابي) لاهور، المطبعة العربية، الطبعة الثانية، ۱۳۹۹هـ - ۱۹۷۲م (۱۴۵/۵).

(۳) إعلاء السنن، العثماني (العلّامة ظفر أحمد العثماني) کراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولیٰ ۱۴۰۶هـ (۱۷۵/۱۴).

دُوسرے سے قرض مانگا تو اس نے کہا کہ میں تم کو اس وقت تک قرض نہ دوں گا جب تک تم مجھ سے فلاں چیز اتنی قیمت پر نہیں خریدو گے مثلاً ایک پنکھے کی قیمت بازار میں دو ہزار روپے ہے، لیکن قرض دینے والا کہتا ہے کہ اگر تم مجھ سے یہ پنکھا تین ہزار روپے میں خرید لو تو میں تمہیں قرض دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس صورت کے بارے میں علامہ خطابی لکھتے ہیں:-

إذا أقرضه مائة إلٰی سنة ثم باعه ما یساوی خمسین بمائة. فقد جعل هذا البیع ذریعة إلی الزیادة فی القرض.(۱)

ترجمہ:- جب ایک شخص نے دُوسرے کو ایک سال کے لئے سو روپے قرض دیا اور پھر پچاس روپے کی چیز اس کے ہاتھوں سو روپے کی فروخت کی تو گویا اس نے اس بیع کو قرض کے اندر زیادتی کا ذریعہ بنایا۔

بیع اور سلم کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے دُوسرے سے سلم کرتے ہوئے کہا کہ تم یہ سو روپے لے لو اور ایک ماہ بعد مجھے ایک من گندم دے دینا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کسی وجہ سے تم ایک ماہ بعد مجھے گندم فراہم نہ کر سکے تو وہ گندم میں نے تجھے ایک سو دس روپے میں فروخت کی۔ اس صورت کو علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس طرح ذکر فرماتے ہیں:-

یسلم إلیه فی شیء ویقول إن لم یتهیأ المسلم فیه عندک فهو بیع لک.(۲)

مذکورہ بالا تمام صورتیں ''سلف وبیع'' میں داخل ہیں اور ''سلف وبیع'' کو جمع کرنا حدیث کی وجہ سے ناجائز ہے، اس لئے مذکورہ بالا تمام صورتیں شرعاً ناجائز ہیں۔ اور اس پر

---

(۱) معالم السنن مع سنن أبی داؤد (۱۳۵/۵).

(۲) نیل الأوطار (۱۵۲/۵).

......وأیضًا فی عارضة الأحوذی شرح جامع الترمذی، ابن العربی (الإمام أبو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی) بیروت، دار إحیاء التراث العربی، الطبعة الأولٰی ۱۴۱۵ھ- ۱۹۹۵م (۲۴۱/۵).

تقریباً تمام فقہاءِ کرام کا اتفاق ہے، چنانچہ علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

ولو باعه بشرط أن يسلفه أو يقرضه أو شرط المشتری ذلک علیه فهو محرم والبیع باطل ....ولا أعلم فيه خلافاً[1]

ترجمہ:۔ اگر کسی شخص نے اس شرط پر بیع کی کہ وہ اس سے سلم کرے گا یا قرض دے گا یا خریدار نے یہ شرط لگائی تو ایسا کرنا حرام ہے اور بیع باطل ہوجائیگی ...... اور اس حکم میں فقہائے کرام کا کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں۔

بیع وشرط

(بیع کے اندر کوئی شرط لگانا)

"صفقتان فی صفقة" کی دُوسری منصوص صورت ''بیع وشرط'' ہے۔ ''بیع وشرط'' کا مطلب ہے کہ بیع کے اندر کوئی اور شرط بھی لگائی جائے کہ اس کے پائے جانے پر متعاقدین یا ان میں سے کوئی ایک بیع کرنے پر تیار ہو، مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں تمہیں فلاں چیز اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ تم اسے آگے فروخت نہیں کرسکتے۔

اس طرح شرط لگانے سے گویا ایک عقد میں دو معاملات جمع ہوگئے، اس لئے یہ صورت "صفقتان فی صفقة" میں داخل ہوگئی اس کے علاوہ ''بیع وشرط'' کی جتنی صورتیں ہیں تقریباً ان سب میں شرط لگانے سے دومعاملات وجود میں آجاتے ہیں۔

روایات کے اندر جس طرح "صفقتان فی صفقة" کا عدمِ جواز مذکور ہے، اسی طرح بیع وشرط کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے:۔

نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع وشرط.

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے اندر شرط لگانے سے

---

(۱) المغنی (۶/۳۳۴).

منع فرمایا۔[1]

لہٰذا ''بیع وشرط'' میں داخل صورتوں کی ممانعت دو وجہ سے ظاہر ہوئی، ایک ''صفقتان فی صفقة'' میں داخل ہونے کی وجہ سے، دُوسرے ''بیع وشرط'' کے متعلق الگ سے ممانعت آنے کی وجہ سے، لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی ''بیع وشرط'' کو علی الاطلاق ناجائز نہیں فرمایا۔

ائمہ کرام کے اختلاف اور ان کے دلائل کو ذکر کرنے سے پہلے ایک علمی لطیفے کو بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذکر اختلافِ ائمہ کی وجہ سمجھنے میں بھی مفید ہوگا۔

علمی لطیفہ

عبدالوارث بن سعید کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آیا، معلوم ہوا کہ وہاں اِمام ابوحنیفہ، ابنِ ابی لیلیٰ اور ابنِ شبرمہ آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ جس نے بیع کے اندر شرط لگائی؟ آپؒ نے فرمایا کہ بیع بھی باطل اور شرط بھی باطل۔ پھر میں ابنِ ابی لیلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ بیع جائز اور شرط باطل ہے۔ پھر میں ابنِ شبرمہ کے پاس آیا اور یہ سوال ان کے سامنے بھی رکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز۔ میں نے بہت حیران ہوکر کہا: سبحان اللہ! ایک مسئلے میں تینوں فقہائے عراق کا نقطۂ نظر مختلف ہے۔

پھر میں اِمام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور انہیں دُوسرے دو حضرات کے جواب سے آگاہ کیا۔ آپؒ نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کہا، مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ

---

(۱) مجمع البحرین فی زوائد المعجمین (۳/۳۳۸).

......أیضًا فی مجمع الزوائد، الهیثمی (الحافظ نورالدین علی بن أبی بکر الهیثمی المتوفی ۸۰۷هـ) بیروت، دارالکتاب العربی، الطبعة الثالثة ۱۹۶۷م.

......وأیضًا فی مسند الإمام أبی حنیفة، الأصفهانی (الإمام أبو نعیم أحمد بن عبد الله الأصفهانی ۴۳۰هـ) الریاض، مکتبة الأثر، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۵هـ-۱۹۹۴م ص: ۱۲۰.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے اندر شرط لگانے سے منع کیا۔ لہٰذا بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی۔ پھر میں نے ابن ابی لیلیٰ کو دُوسرے حضرات کے جواب سے آگاہ کیا تو انہوں نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کہا۔ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں بریرہؓ کو خرید لوں اور اسے آزاد کردوں۔[1] لہٰذا بیع جائز ہے البتہ شرط باطل ہے۔ پھر میں ابن شبرمہ کے پاس آیا اور انہیں ساری بات بتائی، انہوں نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کہا۔ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُونٹنی فروخت کی اور اس میں یہ شرط لگائی کہ مدینہ تک تو میں اس پر سوار رہوں گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردوں گا۔ (آپؐ نے اس شرط کے ساتھ اُونٹنی خرید لی)، لہٰذا بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز۔[2]

اختلافِ مذاہب

اگر شرط فی نفسہٖ حرام ہو یا خود شرط کے اندر غرر موجود ہو تو ایسی شرط لگانا تو جائز نہیں لیکن اگر شرط فی نفسہٖ حرام نہ ہو اور خود شرط کے اندر غرر موجود نہ ہو تو بیع کے اندر شرط لگانے کے متعلق مذاہبِ فقہائے کرام میں درج ذیل تفصیل ہے:-

---

(۱) حضرت بریرۃ ایک باندی تھیں، ان کے آقا نے یہ شرط لگائی کہ اگر تم اتنی رقم ادا کردو تو میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا: اگر تمہارے آقا یہ پسند کریں کہ میں یہ رقم دوں اور تمہارا ولاء (ترکہ) بھی مجھے ملے تو میں تیار ہوں۔ وہ اپنے آقا کے پاس گئیں لیکن اس نے یہ بات تسلیم نہ کی۔ حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ اسے خرید کر آزاد کردو اس کا ولاء تجھے ہی ملے گا کیونکہ ولاء کا مستحق وہی ہے جو اسے آزاد کرے۔ پھر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں، اور جو شرط کتاب اللہ میں نہیں، وہ باطل ہے خواہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۶۶۳)۔

(۲) المعجم الأوسط للطبراني (۵/۱۸۴)۔

مجمع البحرين في زوائد المعجمين (۳/۳۶۸)۔

مجمع الزوائد (۴/۳۶۸)

حنفیہ

حنفیہ کے نزدیک شرط کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔شرطِ صحیح۔

۲۔شرطِ فاسد۔

۳۔شرطِ باطل۔

شرطِ صحیح کی تین صورتیں ہیں:۔

۱۔ وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو یعنی خود عقد کی حقیقت اس شرط کے پائے جانے کا تقاضا کرتی ہو جیسے بائع کوئی چیز اس شرط پر فروخت کرے کہ جب تک خریدار ادائیگی نہیں کرے گا، میں اپنی مبیع اس کے حوالے نہیں کروں گا۔

یہ شرط تو محض عقد کے اندر تاکید پیدا کرتی ہے اس لئے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

۲۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ وہ شرط ملائمِ عقد ہو یعنی عقد کو پختہ کرنے کے لئے اس کا لگانا مناسب ہو[۱] جیسے کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ میں اپنا سامان اس شرط پر اُدھار فروخت کروں گا کہ خریدار اس کی قیمت کے بدلے کوئی ضامن دے یا رہن رکھوائے۔

۳۔تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شرط مقتضائے عقد کے تو خلاف ہو لیکن تاجروں کے عرف میں وہ شرط عقد کے اندر داخل سمجھی جاتی ہو جیسے کوئی شخص بازار سے قالین اس شرط پر خریدے کہ دُکاندار اسے خریدار کے ہاں لگا کر بھی دے گا۔اس تیسری قسم کے بارے میں قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ شرط ناجائز ہوتی لیکن عرف کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

إنّ النـاس تعـامـلـوا هٰـذا الشـرط في البيع كمـا تعـاملوا الاستصنـاع فسقط القياس بتعامل الناس كما سقط في الاستصناع.[۲]

---

(۱) ردّ المحتار (۵/ ۲۴۱). (۲) بدائع الصنائع (۵/ ۱۷۲).

ترجمہ:- بلا شبہ لوگوں کے ہاں بیع کے اندر یہ شرطیں لگانے کا عام رواج ہو چکا ہے جیسا کہ عقدِ استصناع کا عام رواج ہے، لہٰذا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ استصناع کے اندر قیاس چھوڑ دیا گیا۔

شرطِ صحیح کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ صحیح رہتا ہے اور خود اس شرط کا لگانا بھی جائز ہے۔

شرطِ فاسد وہ ہے کہ جس میں مذکورہ تینوں صورتیں نہ ہوں اور اس میں عاقدین (Contracters) میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو، جیسے کوئی شخص اس شرط پر مکان بیچے کہ وہ ایک سال تک خود اس میں رہے گا یا خود معقود علیہ (Subject Matter) کا فائدہ ہو بشرطیکہ وہ فائدہ حاصل کرنے کا اہل ہو جیسے کوئی شخص اس شرط پر غلام فروخت کرے کہ خریدار اسے آزاد کرے گا، اس قسم کی شرائط سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

شرطِ باطل وہ ہے کہ جس میں شرطِ صحیح کی مذکورہ تین صورتیں بھی نہ ہوں اور اس میں کسی فریق یا معقود علیہ کا فائدہ بھی نہ ہو، جیسے کوئی شخص اس شرط پر گاڑی فروخت کرے کہ خریدار اسے آگے نہیں بیچے گا، اس شرط کا حکم یہ ہے کہ شرط خود باطل ہو جاتی ہے لیکن عقد صحیح رہتا ہے۔[1]

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:-

لأنّ هٰذا الشرط لا منفعة فيه لأحد، فلا يوجبه الفساد وهٰذا لانّ فساد البيع في مثل هٰذه الشروط لتضمنها الربا لا يقبلها عوض ولم يوجد في هٰذا الشرط لأنّه لا منفعة فيه لأ حد، إلّا أنّه شرط فاسد في نفسه لٰكنه لا يؤثر في العقد فالعقد جائز والشرط باطل.[2]

ترجمہ:- کیونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ اس میں کسی کا فائدہ نہیں اس لئے

---

(۱) المبسوط للسرخسی (۱۳/۱۵). (۲) بدائع الصنائع (۵/۱۷۲).

یہ عقد کو فاسد نہیں کرتی کیونکہ بیع ان شرائط سے فاسد ہوتی ہے جن میں کسی کا فائدہ ہو کیونکہ ایسی شرائط کے اندر ربا کا مفہوم ہوتا ہے کہ ایک فریق کو ایسی چیز زائد مل رہی ہوتی ہے جس کا کوئی عوض نہیں جبکہ ایسی شرط میں ایسا نہیں کیونکہ اس میں کسی کا کوئی فائدہ نہیں، البتہ اپنی ذات کے اعتبار سے دُرست نہیں لیکن عقد پر اس کا اثر نہیں ہوگا لہٰذا عقد جائز ہوگا اور شرط فاسد ہوگی۔

شافعیہ

شافعیہ کا مذہب بھی حنفیہ کی طرح ہے، البتہ ایک بنیادی اختلاف موجود ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شرط مقتضائے عقد کے مطابق نہ ہو اور نہ ہی ملائمِ عقد ہو لیکن تجار کے ہاں اس کا عرف ہو تو وہ بھی جائز ہے لیکن شوافع عرف کی بنیاد پر اسے جائز نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ہاں یہ شرط بدستور ناجائز رہتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے عقد بھی فاسد ہو جاتا ہے، البتہ وہ اس سے ایک صورت کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں وہ یہ کہ ان کے نزدیک اس شرط کے ساتھ غلام خریدنا جائز ہے کہ خریدنے والا اسے آزاد کردے گا۔ اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے ہاں یہ صورت ناجائز ہوتی لیکن حدیثِ بریرہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے انہوں نے اسے جائز قرار دیا، چنانچہ علامہ شربینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولو باع رقيقًا أو أمة بشرط إعتاقه .... فالمشهور صحة البيع والشرط لتشوف الشارع إلى العتق .[1]

ترجمہ:- اگر کسی نے اس شرط پر غلام یا باندی کو فروخت کیا کہ وہ اسے آزاد کرے گا تو مشہور قول یہ ہے کہ یہ شرط لگانا بھی صحیح ہے اور بیع بھی صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں صرف مقتضائے عقد کے خلاف ہونے سے بیع فاسد نہیں ہوتی

(۱) مغنی المحتاج (۳/۳۳)۔

بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شرط متناقضِ عقد ہو، جیسے کوئی شخص بیع کے اندر یہ شرط لگا دے کہ میں یہ چیز اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ ایک سال تک اس کی ملکیت تمہاری طرف منتقل نہ ہوگی۔ (۱)

حنابلہ

حنابلہ کے ہاں بیع کے اندر شرط لگانے کی چار صورتیں ہیں:-

۱- شرط مقتضائے عقد کے مطابق ہو، جیسے خریدار یہ شرط لگائے کہ بائع خریداری کے فوراً بعد سامان خریدار کے سپرد کرے گا۔

۲- اس شرط میں عاقدین کی مصلحت پوشیدہ ہو، جیسے رہن اور ضمانت لینا یا خیارِ رؤیت اور خیارِ شرط وغیرہ کے ساتھ بیع کرنا۔

مذکورہ بالا دونوں اقسام کی شرطیں جائز ہیں۔

۳- وہ شرط عقد کا مقتضی بھی نہ ہو اور اس میں کوئی مصلحت بھی پوشیدہ نہ ہو، اور عقد کے مقتضی کے منافی بھی نہ ہو، اس کی دو قسمیں ہیں:-

الف:- بائع کا اپنے لئے منفعت کی شرط لگانا جیسے خریدار اس شرط پر خریدار سے کپڑا خریدے کہ وہ بائع اُسے سی کر بھی دے گا، یا اس شرط پر جوتا خریدا کہ بائع تسمہ لگا کر دے گا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر منفعت معلوم ہو تو یہ شرط لگانا جائز ہے۔

ب:- ایک عقد میں دوسرے عقد کی شرط لگانا جیسے اس شرط پر کوئی چیز بیچنا کہ دوسرا فریق اُسے فلاں چیز بیچے گا، یا اجارہ پر دے گا، وغیرہ، یہ شرط فاسد ہے اور اس سے عقد بھی فاسد ہو جائے گا۔ (۲)

۴- ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔ اس کی مزید کئی صورتیں ہیں، اور ان کے جواز و عدم میں مختلف اقوال ہیں۔ (۳)

---

(۱) مواهب الجليل للحطاب (۴/ ۳۷۳).

(۲) یہ صورت "صفقتان في صفقة" میں داخل ہے۔

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: الكافي، ابن قدامة (عبدالله بن احمد بن قدامة المقدسي ۵۴۱ — ۶۲۰ هـ) بيروت، المكتب الاسلامي، الطبعة الخامسة ۱۴۰۸ هـ — ۱۹۸۸ م (۲/ ۳۸) وأيضا في المغني لابن قدامة (۶/ ۳۳۱).

دیگر مذاہب

ذکر کردہ تفصیل ائمہ اربعہ کے مذاہب سے متعلق ہے۔ ان کے علاوہ ابن حزم رحمہ اللہ اور ظاہریہ کا کہنا یہ ہے کہ بیع کے اندر کسی قسم کی شرط لگانا بھی جائز نہیں اور جو بھی شرط لگائی جائے گی، اس سے عقد فاسد ہو جائے گا۔ ان کی دلیل مذکورہ روایت ہے کہ اس کے ظاہر سے علی الاطلاق ہر قسم کی شرط لگانے کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔[1]

ابنِ ابی شبرمہ کے نزدیک ہر طرح کی شرط لگانا جائز ہے اور اس سے عقد بھی فاسد نہیں ہوتا جبکہ ابنِ ابی لیلیٰ کے نزدیک شرط لگانا تو جائز نہیں، البتہ شرطِ فاسد کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ یہ عقد بدستور جائز رہے گا۔

ابنِ شبرمہ کا استدلال حضرت جابر کی روایت سے ہے جبکہ ابنِ ابی لیلیٰ حضرت بریرہؓ والی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔[2]

ائمہ اربعہ کے دلائل کا جائزہ اور ترجیح

بیع کے اندر شرط لگانے کے متعلق تین طرح کی روایات مروی ہیں جو کہ علمی لطیفے کے ذیل میں بیان ہوئیں۔ پہلی روایت جس میں بیع کے اندر شرط لگانے کی ممانعت کا ذکر ہے جسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دلیل کے طور پر ذکر فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت بریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایات۔

احناف ان میں سے پہلی روایت سے استدلال کرتے ہیں البتہ بعض صورتوں کو اس لئے جائز قرار دیتے ہیں کہ ان کا لگانا خود مقتضائے عقد میں شامل ہے، لہٰذا ان کا لگانا یا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ ان شرائط کے لگائے بغیر بھی عقد کے اندر ان کی پابندی کرنا ضروری ہوتی ہے جیسے بیع کے اندر قیمت ادا کرنا اور بعض شرائط عقد کے تقاضے کو پختہ کرنے کے لئے لگائی جاتی ہیں جیسے قیمت کی وصولی کے لئے ضامن لینا یا رہن رکھوانا اور بعض شرائط کو عرف

---

(۱) المحلی لابن حزم ج:۸ ص: ۴۱۲-۴۱۵۔

(۲) یہ دونوں روایات علمی لطیفے کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ عرف ایک شرعی دلیل ہے اور اس کے اُوپر بھی بہت سے شرعی اَحکام کا دار و مدار ہے جیسا کہ علامہ سرخسی ایسی شرائط کے بارے میں فرماتے ہیں:-

وإن كان شرطًا لا يقتضيه العقد وفيه عرف ظاهر فذلك جائز أيضًا، كما لو اشترى نعلًا وشراكًا بشرط أن يحذو البائع، لأنَّ الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي ولأنَّ في النزع عن العادة الظاهرة حرجا بينًا.[1]

ترجمہ:- اگر کوئی شرط ایسی ہے کہ وہ مقتضائے کے عقد کے مطابق نہیں لیکن اس کا واضح اور ظاہر عرف موجود ہے تو ایسی شرط جائز ہے، جیسے کوئی شخص اس شرط پر جوتا خریدے کہ بائع اسے تسمہ لگا کر دے گا۔ (اس کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) جو چیز عرف کی بنیاد پر ثابت ہے تو وہ بھی شرعی دلیل ہی سے ثابت ہے (کیونکہ عرف بھی ایک شرعی دلیل ہے) اور دُوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے عرف و عادت سے کھینچنے میں بہت بڑا حرج لازم آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ احناف ''بیع وشرط'' والی روایت سے بعض صورتیں ''شرعی دلائل'' کی بنیاد پر مستثنیٰ کر کے بقیہ صورتوں کو اسی روایت کی بنیاد پر ناجائز قرار دیتے ہیں۔ بقیہ دو روایات کے بارے میں درج ذیل جوابات دیئے گئے ہیں۔

حدیثِ جابرؓ کے جوابات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب دیتے ہوئے علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ واقعہ کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہاں پر اُونٹ کی خرید وفروخت کا معاملہ ہوا ہی نہیں (بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو نوازنے کا ایک انداز تھا)[2] چنانچہ اسی واقعہ کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ

---

(۱) المبسوط للسرخسي (۱۳/۱۴)، وأيضًا في بدائع الصنائع (۵/۱۷۲)

(۲) شرح معاني الآثار (۲/۲۰۳).

علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:-

لعلک تری أنی إنما حبستک لأذھب ببعیرک یا بلال: أعطیه أوقیة وخذ بعیرک فهما لک.[1]

ترجمہ:- (اے جابر!) کیا تم یہ سمجھے تھے کہ میں نے تمہیں اس لئے روکا ہے کہ تمہارا اُونٹ لے ہوں، اے بلال! اسے اوقیہ چاندی دے دو۔ (اور اے جابر!) اپنا اُونٹ بھی لے لو، یہ دونوں تمہارے ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ بیع کا معاملہ نہیں تھا، اس لئے اس سے استدلال کرنا دُرست نہیں۔

دُوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعہ سے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار ہونے کی شرط عقد میں شامل تھی جبکہ دیگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد کے اندر تو یہ شرط نہیں لگائی گئی تھی البتہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرماتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس اُونٹ پر سوار ہونے کی اجازت دے دی۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وبعض هذه الألفاظ تدل علی انّ ذٰلک کان شرطًا فی البیع، وبعضها یدل علی أن ذٰلک کان منه صلی الله علیه وسلم تفضلًا وتکرمًا ومعروفًا بعد البیع.[2]

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط عقد میں نہیں تھی وہ روایات زیادہ صحیح ہیں۔ اس لئے انہیں ترجیح حاصل ہے اور اگر یہ صورت نہ بھی ہو تو بھی ان روایات کے آنے سے یہ احتمال پیدا ہوگیا

---

(۱) السنن الکبری، البیهقی (الإمام أبوبکر أحمد بن حسین بن علی البیهقی المتوفی ۴۵۸ھ) ملتان، نشر السنة (۳۳۷/۵).

(۲) السنن الکبری للبیهقی (۳۳۷/۵).

کہ ہوسکتا ہے کہ عقد کے اندر یہ شرط نہ لگائی گئی ہو اور احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال تام نہیں ہوتا لہٰذا حادیثِ جابر سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔[۱]

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی رائے یہ ہے کہ جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط صلب عقد (عقد کے اندر) لگائی گئی تھی، ان کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ راویوں سے واقعہ کی تعبیر میں سہو ہوگیا ہو کیونکہ احسان کی بنیاد پر سوار ہونے کی اجازت عقد کے فوراً بعد ہی ملی تھی اس لئے بعض رواۃ نے یہ سمجھا ہو کہ یہ شرط عقد کے اندر لگائی گئی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور صحابہ کرام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کی کیفیت کا ملاحظہ کرنے کے بعد اس بات کا گمان کرنا مشکل ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صحراء میں تنہا نہ چھوڑ دیں اور اس کی وجہ سے انہوں نے عقد کے اندر ہی مدینہ تک سوار ہونے کی شرط لگادی۔ اس لئے قابلِ اطمینان بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ شرط عقد کے اندر نہ تھی بلکہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوار ہونے کی اجازت دی گئی۔[۲] ان کے علاوہ اور جوابات بھی دیئے گئے ہیں، ان کی تفصیل ذکر کرنا یہاں ضروری معلوم نہیں ہوتا۔[۳]

حدیثِ بریرۃ رضی اللہ عنہا کے جوابات

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے متعلق روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں، ذیل میں صرف دو جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔[۴]

۱- علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت سے بیع کے اندر شرط

---

(۱) اعلاء السنن (۱۴۳/۱۴)۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم (۱/۶۳۴)۔

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: تکملۃ فتح الملہم ج: ۱ ص: ۶۳۱، ۶۳۲۔

(۴) دیگر جوابات کے لئے ملاحظہ فرمایئے: اعلاء السنن (۱۴۳/۱۴)، تکملۃ فتح الملہم (۱/۴۸۰)، فتح القدیر (۶/۷۷)، فتاویٰ ابن تیمیۃ ج: ۲۹ ص: ۳۳۷ الیٰ ۳۴۰۔

لگانے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور جن روایات سے ہم نے استدلال کیا ہے (یعنی نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع و شرط) اس سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اور یہ ضابطہ ہے کہ:-

إنّ ما فيه من الإباحة منسوخ بما فيه من النهي.

ترجمہ:- جس حکم کے اندر جواز کا ذکر ہو، وہ اس حکم سے منسوخ ہوسکتا ہے جس میں ممانعت وارد ہو۔

لہٰذا یہاں ممانعت والی روایت پر عمل کیا جائے گا۔[1]

۲......مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ جس شرطِ فاسد سے بیع فاسد ہوتی ہے، وہ ایسی شرط ہے جس پر عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہو لہٰذا اگر کسی شرط پر عمل کرنا عقلاً یا شرعاً انسان کے اختیار میں نہ ہو تو اس سے بیع فاسد نہ ہوگی، جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے تجھے یہ کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ تجھ پر نماز واجب نہ ہوگی یا اس شرط پر کپڑا فروخت کیا کہ تیرے بیٹے تمہارے وارث نہ ہوں گے، چونکہ ان شرائط پر عمل کرنا انسان کے اختیار میں نہیں لہٰذا یہ شرائط فاسد ہوجائیں گی اور بیع صحیح ہوگی۔

اسی طرح مذکورہ روایت کی مثال ہے کہ چونکہ شرعاً وَلاء (غلام کے ترکہ) کا مستحق صرف معتِق (غلام کو آزاد کرنے والا) ہے اور معتِق کے علاوہ کسی اور کو ولاء کا مستحق قرار دینا شرعاً جائز نہیں لہٰذا یہ ایسی شرط ہے کہ خریدار اسے پورا کرنے پر شرعاً قادر نہیں اس لئے یہ شرط لغو ہوگی اور بیع صحیح ہوجائے گی۔[2]

عصرِ حاضر میں بیع کے اندر شرط لگانے کی بعض صورتیں

عصرِ حاضر میں بہت سی ایسی صورتیں وجود میں آچکی ہیں کہ جو بظاہر مقتضائے عقد کے خلاف ہیں لیکن ان کا عام رواج ہوگیا ہے جیسے ایک شخص قالین اس شرط پر خریدتا ہے کہ دُکاندار اس کے گھر لگا کر بھی دے گا۔ اسی طرح مفت سروس کا یہ رواج دیگر بہت سی اشیاء

---

(۱) فتح القدير (۹/۷۷). (۲) تكملة فتح الملهم (۱/۲۸۱).

اور مشینریوں میں بھی جاری ہے۔ حنفیہ کی بیان کردہ تشریح کے مطابق بیع کے اندر اس قسم کی شرط لگانا جائز ہے۔

کیا حکومتِ وقت بھی قانونی طور پر ایسی شرط جاری کرسکتی ہے؟

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی ایسی شرط کا عرف نہ ہو لیکن حکومت قانونی طور پر اسے نافذ کردے تو کیا اس کی گنجائش ہے؟

فقہ کی روایتی کتب عام طور پر اس سوال کے صریح جواب میں خاموش نظر آتی ہیں البتہ قواعد کی روشنی میں اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ کوئی ایسی شرط نہ ہو جو رِبا کا ذریعہ بنے۔ اس کے جواز کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ بیع کے اندر شرط لگانے کی ممانعت کی علّت یہ ہے کہ یہ شرط باہمی نزاع اور جھگڑے کا باعث بنتی ہے تو جس طرح کسی عمل کا رواج پذیر ہونا باہمی نزاع کے لئے ایک بہت بڑی رُکاوٹ ہے اسی طرح حکومت کا قانون بھی ایک بہت بڑی رُکاوٹ ہے۔

۲۔ فقہ کا ضابطہ ہے کہ جن فروعی مسائل میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو، ان میں حاکمِ وقت جس فقہی مسلک پر فیصلہ کردے، دُوسرے مسلک کے آدمی کے لئے بھی اس پر عمل کرنا دُرست ہوتا ہے، اس ضابطے کو فقہی انداز میں یوں کہا جاتا ہے ''حاکم/قاضی کا فیصلہ رافع للخلاف ہوتا ہے'' اور چونکہ مالکیہ اور امام احمد بن حنبل کے مسلک پر ایسی شرائط لگانے کی گنجائش ہے لہٰذا اگر حکومتِ وقت کی ایسی شرائط جاری ہونے سے ان کو اختیار کرنا جائز ہوگا۔[1]

بیع و شرطین

(بیع کے اندر دو شرطیں لگانا)

احادیث میں جس طرح بیع کے اندر ایک شرط لگانے کی ممانعت وارِد ہوئی ہے، اسی طرح دو شرطیں لگانے کو بھی منع کیا گیا ہے[2] لہٰذا اس پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیع کے اندر دو شرطیں لگانا جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم (۲۸۱/۱)۔ (۲) بیع وسلف کے ذیل میں اس کے متعلق روایت گزر چکی ہے۔

واتفقوا علی عدم صحة ما فیه شرطان.[1]

ترجمہ:- جس معاملے میں دو شرطیں ہوں، اس کے عدمِ جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

البتہ اس سے مراد وہ دو شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں[2] لہٰذا اگر صحیح شرائط ہوں تو چاہے وہ دو ہوں یا اس سے زیادہ، ان کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا جیسے کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ میں یہ سامان اس شرط پر خریدتا ہوں کہ بائع یہ سامان میرے حوالے کرے گا اور میں اس کی قیمت دو ماہ بعد ادا کروں گا اور بائع بھی اس پر راضی ہے تو ان شرطوں کی وجہ سے عقد ناجائز نہ ہوگا کیونکہ مبیع (Subject Matter) کو خریدار کے سپرد کرنا اور ادائیگی کے لئے مدّت کا متعین کرنا خود مقتضائے عقد میں شامل ہے۔ اور اگر دو میں سے ایک شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے تو اس صورت میں ''بیع و شرط'' کے ذیل میں بیان شدہ تفصیل کے مطابق حکم ہوگا۔

البتہ امام احمد بن حنبل کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے نزدیک بیع کے اندر ایک شرط لگانا تو بہرحال جائز ہے، تاہم دو شرطیں لگانا دُرست نہیں۔ گویا ائمہ ثلاثہ اور امام احمد بن حنبل کے درمیان دو شرطوں کے عدمِ جواز کے متعلق تو اتفاق ہے البتہ ایک شرط کے متعلق امام احمد کی رائے دُوسرے ائمہ سے مختلف ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک شرط کی اجازت ہے اور دیگر ائمہ اس کی بھی بعض صورتوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ شرطِ فاسد خواہ ایک ہو یا کئی اس سے عقد فاسد ہوجاتا ہے محض عدد کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ ان کے بارے میں ابنِ قدامہ فرماتے ہیں:-

ولم یفرق الشافعي وأصحاب الرائیین الشرط والشرطین لانّ الصحیح لا یؤثر فی البیع وإن کثر والفاسد یؤثر فیه وإن اتحد.[3]

---

(۱) نیل الأوطار (۱۵۲/۵).　　(۲) المبدع شرح المقنع (۵۶/۴).

(۳) الشرح الکبیر مع المغنی، المقدسی (شمس الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن أبی عمر محمد بن أحمد بن قدامة المقدسی) بیروت، دار الکتاب العربی، الطبعة الجدیدة ۱۳۹۲ھ- ۱۹۷۲م (۵۳/۴).

ترجمہ:- شافعی اور اصحاب الرائے ایک اور دو شرطوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ شرطِ صحیح بیع پر اثر انداز نہیں ہوتی خواہ کئی ہوں اور فاسد اثر انداز ہوتی ہے خواہ ایک ہو۔

جبکہ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اگر بیع کے اندر ایک شرط ہو تو اس کی وجہ سے عقد میں پایا جانے والا غرر "غررِ یسیر" ہوتا ہے او دو شرطوں کی صورت میں غررِ فاحش ہو جاتا ہے، اور غررِ یسیر تو معاف ہے جبکہ غررِ فاحش جائز نہیں، اس لئے عقد کے اندر دو شرطیں تو جائز نہیں البتہ ایک شرط لگانے کی اجازت ہے[1] اور جس حدیث سے بیع کے اندر ایک شرط لگانے کی ممانعت وارد ہوئی اسے امام احمد بن حنبل منکر قرار دیتے ہیں۔

لیکن علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق تفصیلی تحقیق کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ "بیع وشرط" کی ممانعت سے متعلق روایت قابلِ استدلال ہے، چنانچہ آپ اپنی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:-

واحتجاج أبي حنيفة والشافعي به مع العمل دليل علىٰ صحته عندهما وقد ذكرنا في "المقدمة" أنّ احتجاج المجتهد بحديث تصحيح له منه ودرجة أبي حنيفة والشافعي في الحديث ليس بأقل من درجة أحمد فيه مع ما لهما من التقدم والسبق، فإنّ أبا حنيفة من التابعين والشافعي من أتباعهم وأحمد بعدهما بكثير أما الفقه والإجتهاد فلا يخفى أنّ أحمد عيال في ذلك عليهما.[2]

ترجمہ:- امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اس روایت سے استدلال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابلِ استدلال ہے اور ہم "مقدمہ" میں یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ کسی مجتہد کا کسی

---

(۱) بحوالہ بالا۔

(۲) اعلاء السنن (۱۴۸/۱۴)۔

حدیث سے استدلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت اس مجتہد
کے نزدیک قابلِ استدلال ہے۔اور حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام
شافعی کا درجہ امام احمد سے کم نہیں، علاوہ ازیں انہیں مقدم اور پہلے
ہونے کا شرف بھی حاصل ہے کیونکہ ابوحنیفہ تابعی ہیں، شافعی تبع تابعی
ہیں جبکہ امام احمد ان سے بہت بعد میں آئے ہیں، اور جہاں تک فقہ
اور اجتہاد کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ امام احمد اس میں ان کے
عیال کی طرح ہیں۔

فائدہ

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اعلاء السنن کی مذکورہ عبارت میں یہ کہا گیا ہے کہ:
"احتجاج المجتهد بحديث تصحيح لهٗ" حالانکہ یہ حکم علی الاطلاق نہیں کہ جب بھی کوئی
مجتہد کسی روایت سے استدلال کرے تو اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے
بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی حدیث ضعیف ہوتی ہے، لیکن فقہائے کرام ایسی
صورت میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جیسے حالتِ نماز میں قہقہے سے نماز اور وضو
کے ٹوٹنے کا حکم حدیثِ ضعیف سے ثابت ہے لیکن قیاس کے مقابلے میں اس کو ترجیح دی گئی
تو ایسی صورت میں حدیث کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہاں قیاس کے مقابلے
حدیث قابلِ استدلال ہے، اس لئے حدیث کا درجہ قیاس سے زیادہ ہے، خواہ وہ حدیث
ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اسی لئے ترجمے میں "تصحیح" کا ترجمہ "قابلِ استدلال" کیا گیا ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

ایک سوال اور اس کا جواب

البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بیع کے اندر ایک شرط فاسد لگانا ہی
جائز نہیں تو پھر دو شرطوں کی ممانعت کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟
اس کے بارے میں امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

البیع فی نفسہ شرط فإذا شرط فیہ شرط آخر فکأنھما شرطین فی بیع فھذا ھو الشرطان المنھی عنھما.[1]

ترجمہ:- بیع خود ایک شرط ہے اور جب اس میں ایک اور شرط لگائی گئی تو دو شرطیں ہوگئیں، پس یہ وہ دو شرطیں ہیں جن سے منع کیا گیا۔

یعنی اصل میں تو ایک شرط سے ہی منع کیا گیا ہے لیکن جن روایات میں دو شرطوں کی ممانعت کا ذکر ہے، اس میں دُوسری شرط سے ''بیع'' سے زائد شرط مراد ہے۔

ترجیح

مذکورہ دلائل کا جائزہ لینے کے بعد یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ شرطِ فاسد سے عقد ناجائز ہوجانا چاہئے خواہ وہ ایک شرط ہو یا زائد۔ اور جن روایات کے اندر دو شرطوں سے منع کیا گیا اس کا جواب وہ بھی ہوسکتا ہے جو علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا اور یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ دو شرطوں کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے یعنی کسی خاص واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ متعاقدین (Contractors) نے دو فاسد شرطیں لگائی ہوئی ہیں تو آپ نے اس سے منع کردیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیع کے اندر ایک شرطِ فاسد لگانا جائز ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) شرح معانی الآثار (۲/۲۰۳).

مروّجہ بینکاری میں
صفقتان فی صفقة کی رائج ایک صورت
ہائر پرچیز
(Hire Purchase)

ہائر پرچیز کا مطلب ہے کسی چیز کو خریدنے کے لئے کرایہ پر لینا۔[1] یعنی اگر کوئی شخص یا ادارہ کسی مالیاتی ادارے سے کرایہ پر کوئی چیز لے اور کرایہ کی قسطیں اس طرح مقرر کی جائیں کہ کرایہ کے ساتھ ساتھ اس کی قیمت بھی وصول ہوتی رہے تو اس عمل کو ہائر پرچیز کہا جائے گا۔ عربی میں اسے "التاجیر المنتھی بالتملیک" اور "البیع الإیجاری" کہا جاتا ہے۔ مروّجہ بینکاری میں یہ معاملہ کثرت سے رواج پذیر ہے۔ بہت سے فیکٹری مالکان بینک سے کوئی بڑی مشینری خریدنے کے بجائے اسے ہائر پرچیز کے طریقے سے حاصل کرتے ہیں اس عقد میں اصل مقصود اس چیز کی خریداری ہوتی ہے لیکن عام طور پر درج ذیل دو وجوہ کی بنیاد پر براہِ راست خریداری کرنے کے بجائے ہائر پرچیز کی صورت اختیار کی جاتی ہے۔

۱- اس مشینری وغیرہ کو خریدنے سے حکومت کے ٹیکسوں میں اضافہ ہوجاتا ہے جبکہ ہائر پرچیز کی صورت میں تمام اقساط کی ادائیگی تک ٹیکس سے چھوٹ رہتی ہے۔

۲- ہائر پرچیز پر لی گئی اشیاء عام طور پر بہت قیمتی ہوتی ہیں، جن کی بیع قسطوں پر ہوتی ہے اور ایسی صورت میں بیچنے والے شخص یا ادارے کو اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مطلوبہ سامان بیچنے کی صورت میں اس کی ملکیت فوراً خریدار کی طرف منتقل ہوجائے گی۔

---

(1) Chitty on contracts ,sweet and max well LTD, London edition 24, 1977, vol, II page 461 (3212)

اب ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی اقساط کی ادائیگی بروقت نہ کرے یا بعد میں دینے سے ہی انکار کردے تو اس صورت میں بیچنے والے ادارے کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لہٰذا وہ اپنے لئے بہتر طریقہ یہ سمجھتے ہیں کہ فی الحال تو اس مشینری کو اجارہ پر دیا جائے البتہ اس کی اقساط اس طرح مقرر کی جائیں کہ اسے بیچنے کی صورت میں نفع سمیت جو کل قیمت ملتی، اجارہ کی مدت میں اتنی ہی رقم مل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر ہائر پرچیز میں اجارہ پر دی گئی اشیاء کی اُجرت ان کی اُجرتِ مثل (بازاری اُجرت) سے کچھ زیادہ ہوتی ہے اور مستأجر بھی یہ زیادہ اُجرت دینے پر اس لئے راضی ہوجاتا ہے کہ اجارہ کی مدت کی انتہاء پر یہ چیز خود بخود اس کی ملکیت میں آجاتی ہے۔

فقہی اعتبار سے بننے والی صورت

اس عقد کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہی اعتبار سے اس کی صورت یوں بنتی ہے کہ جیسے کوئی شخص دُوسرے سے کہے کہ میں تمہیں یہ سامان اس شرط کے ساتھ اجارہ پر دیتا ہوں کہ تم اس کے کرائے کی اقساط ادا کروگے اور آخری قسط کی ادائیگی کے ساتھ تم اپنی ادا شدہ اقساط کے بدلے اس چیز کے مالک بن جاؤگے۔ دُوسرا اسے قبول کرلے۔

یا

یوں کہا جائے کہ ایک شخص دُوسرے سے یوں کہے کہ میں تم سے یہ سامان اس شرط پر کرائے پر لیتا ہوں کہ میں اس کے کرائے کی اقساط ادا کروں گا۔ آخری قسط کی ادائیگی کے ساتھ ہی ادا شدہ اقساط کے بدلے اس چیز کا مالک بن جاؤں گا۔ دُوسرا اسے قبول کرلے۔

اس تکییف سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں ایک عقد (یعنی عقد اجارہ) ایک دوسرے عقد (یعنی عقد بیع) کے ساتھ مشروط ہے۔ فقہی اصطلاح میں اس معاملے کو ”صفقتان فی صفقة“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

”صفقتان فی صفقة“ کی اس صورت کے اندر بیع اور اجارہ کے عقود جمع ہو

رہے ہیں جو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک تو جائز نہیں[۱] البتہ مالکیہ کے ہاں بیع اور اجارہ کا ساتھ جمع ہونا جائز ہے اس لئے کہ مالکیہ کے ہاں صرف ان عقود کا آپس میں جمع ہونا ناجائز ہے، جن کے درمیان طبعی تضاد پایا جاتا ہو اور ان کی بیان کردہ تشریح کے مطابق بیع اور اجارہ کے درمیان مطلوبہ تضاد موجود نہیں۔[۲] معاصرین میں سے ڈاکٹر حسن علی شاذلی[۳] کے نزدیک بھی مذکورہ صورت ناجائز نہیں، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

أرى أنّه لا مانع من اجتماع عقد البيع مع عقد الإجارة سواء أكان العقدان واردين عليٰ محل واحدٍ كما هو الحال في الصور التي معنا أو كانا واردين على محلين مختلفين.[۴]

ترجمہ:- میری رائے یہ ہے کہ بیع کے ساتھ اجارہ کو جمع کرنے میں کوئی مانع نہیں، عام ہے کہ یہ دونوں عقد ایک ہی محل میں ہوں جیسے مذکورہ (یعنی ہائر پرچیز) کی صورت میں یا الگ الگ عقود میں ہوں۔

البتہ ایسی صورت میں ان کا کہنا ہے کہ دونوں عقود کی جملہ شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

وإذا رجحنا صحة اشتراط عقد في عقد، فإنه من الضروري لصحة كل من هذين العقدين أن يكون كل عقد منها

---

(۱) المبسوط للسرخسي (۱۶/۱۳)، فتح القدير (۶/ ۸۰)، المغني (۱/ ۳۳۴).

......الروض المربع، الهجاوي (شرف الدين أبو النجا موسٰى بن أحمد الهجاوي) بيروت، لبنان دار الكتب العلمية، الطبعة التاسعة ۱۴۰۸هـ- ۱۹۸۸م (۱۹۲/۲).

كشاف القناع، البهوتي (منصور بن يونس بن إدريس البهوتي ۱۰۰۰هـ- ۱۰۵۱هـ) مكة المكرمة، مطبعة الحكومة، الطبعة الأولى ۱۳۹۴هـ (۱۸۱/۳).

(۲) الفروق للقرافي (۱۴۲/۳).

..تهذيب الفروق على هامش الفروق (۲۲۱/۳)

(۳) استاد ورئيس قسم الفقه المقارن، جامعة الازهر.

(۴) التاجير المنتهي بالتمليك، الشاذلي (الدكتور حسن علي الشاذلي) بحث في مجلة مجمع الفقه الاسلامي، العدد الخامس، الجزء الرابع ۱۴۰۹هـ- ۱۹۸۸م ص: ۲۶۳۱، ۲۶۳۲.

مستوفیاً أرکانه وشروط صحته.[1]

ترجمہ:- جب ہم نے ایک عقد کے اندر دوسرے عقد کی شرط لگانے کے صحیح ہونے کو راجح قرار دے دیا تو یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں سے ہر عقد کے ارکان اور تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔

لیکن متقدمین اور معاصر علماء میں سے جمہور کی رائے یہ ہے کہ ان دو عقود کو ایک معاملے میں جمع کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایسی صورت میں عقد کی صورتِ حال واضح نہیں ہوتی۔

عقد کی صورت واضح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے متأجر تمام قسطیں ادا نہ کرسکے بلکہ کچھ اقساط ادا کرے اور پھر معاملہ نامکمل ہی رہے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ ہم اس معاملے کو بیع شمار کرکے ادا شدہ قسطوں کے بقدر متأجر کی ملکیت تسلیم کریں یا ان قسطوں کو کرایہ شمار کرکے یوں کہا جائے کہ جتنے عرصے تک کی اقساط ادا کی گئی ہیں یہ اس مدّت کا کرایہ ہے اور اس سامان کا اصل مالک مؤجر (Lessor) ہے۔ گویا یہ واضح نہیں ہو رہا کہ حاصل ہونے والی رقم کرایہ ہے یا قیمت کا حصہ، لہٰذا عقد کے اندر جہالت پائی گئی اور جہالت پر مبنی عقد شرعاً جائز نہیں اس لئے یہ عقد بھی جائز نہیں۔ یہی قول راجح ہے۔[2]

شرعی متبادل

چونکہ یہ معاملہ کثرت سے مروجہ بینکاری میں رائج ہے، اسلئے اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اسکا کوئی شرعی متبادل تلاش کیا جائے تاکہ اس عقد کے مقاصد کو جائز اور حلال طریقے سے حاصل کیا جاسکے۔

---

(۱) بحواله بالا۔

(۲) متقدمین کے اقوال پیچھے بیان ہوچکے، معاصر علماء کی آراء کے لئے ملاحظہ فرمایئے: مجلة مجمع الفقه الاسلامي، العدد السادس، الجزء الرابع ص: ۲۵۹۵ تا ۲۶۸۷.

هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية[۱] (AAOFI) کی ذیلی تنظیم "المجلس الشرعي" نے اس کے متبادل کے طور پر ایک صورت متعارف کرائی ہے جسے عربی میں "الإجارة المنتهية بالتمليك" کہا جاتا ہے، اس صورت کے اندر اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ بیک وقت ایک معاملے میں دو عقد نہ ہوں بلکہ پہلے اجارے کا عقد ہو اور الگ سے بیع یا ہبہ کا عقد ہو۔ المتطلبات الشرعية میں ہے:-

وإن الإجارة المنتهية بالتمليك المشروعة تتميز عن البيع الإيجاري المعمول بها في المسؤسسات المالية التقليدية بان الإجارة التمليكية التقليدية تطبق أحكام البيع والإجارة كليهما على العين المؤجرة في آن واحد ثم تنتقل مكيتها إلى المستأجر بمجرد دفع آخر قسط من أقساط الأجرة دون أن يكون هناك عقد مستقل للتمليك أمّا الاجارة المنتهية بالتمليك المشروعة، فإنها تطبق فيها أحكام الإجارة على العين المؤجره إلى نهاية مدة الإجارة، ثم يحصل التمليك إلى المستأجر على النحو المستبين في المتطلبات.[۲]

ترجمہ:- موجود بینکاری میں رائج مشروع اجارة منتهية بالتمليك اور بیع الایجاری (Hire Purchase) کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہائر پرچیز میں اجارہ پر دی گئی چیز پر ایک ہی وقت میں بیع اور اجارہ دونوں کے احکام جاری ہوتے ہیں اور پھر محض آخری قسط ادا کرتے ہی وہ چیز مستأجر کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، ملکیت منتقل کے لئے

---

(۱) دُنیا بھر میں کام کرنے والے اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے لئے شرعی رہنمائی اور حسابات (Accounting) کے لئے قائم تنظیم جس کا صدر دفتر "بحرین" ہے۔ "AAOFI" مخفف ہے: "Accounting & Auditing Organization for Islamic Financial Institutions" کا۔

(۲) المتطلبات، الهيئة (هيئة المحاسبة والمر [illegible] المؤسسات المالية الإسلامية) البحرين. ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م. ص:۳۳.

الگ سے کوئی عقد نہیں کرنا پڑتا جبکہ مشروع اجارۃ منتھیۃ بالتملیک میں مدتِ اجارہ کے اختتام تک اجارہ پر لی گئی چیز پر اجارہ کے احکام جاری ہوتے ہیں اور پھر آئندہ آنے والے طریقوں میں کسی طریقے سے الگ مستقل عقد کے ذریعے وہ چیز مستأجر کی طرف ملکیت منتقل ہوتی ہے۔

اجارہ کی مدت مکمل ہونے کے بعد ایک نئے عقد کے ذریعے تین طریقے سے ملکیت منتقل کی جاسکتی ہے:-

۱- بیع کا وعدہ کرنے سے۔

۲- ہبہ کا وعدہ کرنے سے۔

۳- ہبہ کو اقساط کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ٹھہرانے سے۔[۱]

بیان کئے گئے شرعی متبادل کی مختصر تشریح

ذیل میں ہم ان صورتوں کی مختصر تشریح ذکر کرتے ہیں:-

پہلی صورت: بیع کا وعدہ

پہلی صورت یہ ہے کہ اجارہ کے عقد کے علاوہ مستقل طور پر ایک دُوسرا عقد کیا جائے جس میں مستأجر سے یہ وعدہ کیا جائے کہ درج ذیل چار صورتوں میں کسی صورت کے تحت یہ چیز مستأجر کو فروخت کردی جائے گی۔

۱- ثمن رمزی (Token Money) کے بدلے یہ سامان فروخت کیا جائے گا۔

ثمن رمزی (Token Money) کا مطلب ہے کہ اس چیز کی کوئی معمولی قیمت لگا کر اسے فروخت کردیا جائے۔ چونکہ بعض اوقات اس اجارہ کے اندر طے شدہ اُجرت اس

---

(۱) یجب فی الإجارۃ المنتھیۃ بالتملیک، تحدید طریقۃ تملیک العین للمستأجر بوثیقۃ مستقلۃ عن عقد الإجارۃ. ویکون بإحدی الطرق التالیۃ:

الف   وعد بالبیع بثمن رمزی أو بثمن حقیقی أو تعجیل أقساط المدۃ الباقیۃ أو بسعر السوق.

ب   وعد بالھبۃ.

ج   عقد ھبۃ معلق علی شرط سداد الأقساط.

چیز کی بازاری اُجرت سے زیادہ ہوتی ہے اور مستأجر یہ زیادہ اُجرت ادا کرنے کے لئے اس لئے تیار ہوتا ہے کہ اجارہ کی مدّت مکمل ہونے پر ملکیت کے حصول کا مقصد سامنے ہوتا ہے[1] اس لئے مدت مکمل ہونے پر اس چیز کی پوری قیمت وصول کرنے کے بجائے اسے معمولی قیمت کے بدلے فروخت کردیا جاتا ہے۔

۲- دُوسری شکل یہ ہے کہ اس چیز کی حقیقی قیمت کے بدلے اس کو فروخت کردیا جائے۔

۳- تیسری شکل یہ ہے کہ اس کی بازاری قیمت کے بدلے فروخت کردیا جائے۔

۴- چوتھی شکل یہ ہے کہ الگ سے کئے گئے معاہدے میں اس شرط کا اضافہ کردیا جائے کہ اگر مستأجر نے اقساط طے شدہ مدّت سے پہلے ادا کردیں تو یہ سامان اسے ثمن رمزی (Token Money) یا اس کی حقیقی قیمت کے بدلے فروخت کردیا جائے گا۔

دُوسری صورت: ہبہ کا وعدہ

دُوسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ سے یہ وعدہ کیا جائے کہ اجارہ کی مدّت مکمل ہونے پر مستأجر کو یہ چیز ہبہ کے طور پر دی جائے گی۔

تیسری صورت: معلق ہبہ

تیسری صورت یہ ہے کہ مستأجر کے لئے اس ہبہ کو اس شرط کے ساتھ معلق کردیا جائے کہ اگر اس نے اجارہ کی تمام اقساط ادا کریں تو اسے یہ سامان بطور ہبہ دیا جائے گا ورنہ نہیں۔[2]

---

(۱) المتطلبات الشرعية ص ۴۴، المستاجر رضي بزيادة الأجرة عن أجرة المثل فی مقابلة الوعد له بالتمليک في نهاية مدة الإجارة.

(۲) ہبہ کو اس جیسی شرط کے ساتھ معلق کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہائے کرام کی دو آراء ہیں۔ حنابلہ، شافعیہ اور بعض فقہائے حنفیہ کے نزدیک ایسی تعلیق دُرست نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہبہ ان عقود میں سے ہے جن کے اندر اشیاء کی ملکیت منتقل ہوتی ہے اور عقودِ تملیک کے اندر ملکیت کا انتقال فوری ہوتا ہے اسے مستقبل کی مدت کی طرف مضاف نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ مالکیہ اور بعض حنفیہ نے اس کی اجازت دی ہے، ہبہ کے اندر ایسی شرط کا لگانا ملائم عقد یا متعارف ہے لہٰذا اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔ غالباً مذکورہ صورت میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

البتہ ان صورتوں پر عمل کرنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے ان صورتوں کا عقد، اجارہ کے عقد سے بالکل الگ اور منفصل ہو اور اس میں اس بات کا ہرگز تذکرہ نہ ہو کہ یہ عقد اجارہ کے عقد لازمی حصہ ہے۔ چنانچہ المتطلبات میں ہے:-

فی حالات إصدار وعد بالهبة أو وعد بالبيع أو عقد هبة معلق بمستندات مستقلة، لا يجوز أن يذكر أنها جزء لا يتجزء من عقد الإجارة المنتهية بالتمليك. (۱)

ترجمہ:- اگر ہبہ یا بیع کا وعدہ یا ہبہ کی تعلیق کی جائے تو یہ الگ دستاویزات کے ذریعہ ہوگی اور ان میں اس کا تذکرہ کرنا جائز نہیں کہ یہ عقد اجارۃ منتهية بالتمليك کا لازمی جزو ہے۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ہی معاملے کے ساتھ دونوں عقود کا ذکر دیا یا ایک عقد کو دُوسرے کے ساتھ مشروط کردیا تو پھر "صفقتان فی صفقة" کی خرابی دوبارہ لوٹ آئے گی۔ اس سے بچنے کے لئے درج بالا قید کا اضافہ ضروری ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

البتہ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بینک یا ادارہ ہائر پرچیز (Hire Purchase) کے معاملے میں ایک الگ عقد کے ذریعے اس چیز کو بیچنے یا ہبہ کرنے کا وعدہ کرے لیکن بعد میں اس کو پورا نہ کرے تو اس کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟

اس کا جواب دینے سے قبل وعدہ کی شرعی حیثیت کو قدرے وضاحت سے بیان کرنا ضروری ہے۔

وعدہ پورا کرنے کی شرعی حیثیت

وعدہ کرنے کے بعد اسے پورا کرنا شرعاً لازم ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں کل پانچ مذاہب ہیں:-

---

(۱) المعايير الشرعية، المعيار رقم:۹، ص:۱۵۲.

۱- جمہور فقہائے کرام کی، جن میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، احمد بن حنبل اور بعض مالکیہ شامل ہیں، رائے یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا اگرچہ شرعاً پسندیدہ اور مکارمِ اخلاق میں سے ہے لیکن لازم اور واجب نہیں۔[1]

۲- دُوسرا مذہب یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا دیانۃً اور قضاءً ہر اعتبار سے ضروری ہے۔ یہ مذہب حضرت سمرۃ بن جناب رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، قاضی سعید بن اشوع، اسحاق بن راہویہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کا ہے۔[2]

۳- تیسرا مذہب یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا دیانۃً تو لازم ہے البتہ قضاءً لازم ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر واعد (وعدہ کرنے والے) نے موعود لہٗ کو کسی کام پر مامور کیا اور اس کے بدلے کچھ دینے کا وعدہ کیا اور موعود لہٗ نے اس وعدے کی بنیاد پر وہ کام شروع کیا تو اب قضاءً اسے پورا کیا جائے گا، یعنی قاضی (عدالت) وعدہ کرنے والے کو مجبور کرے گا کہ وہ وعدہ پورا کرے جیسے کوئی شخص دُوسرے سے کہے ''تم اپنا گھر گراؤ اور میں تمہیں اتنی رقم قرضہ دوں گا'' دُوسرے شخص نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا گھر گرادیا تو وعدہ کرنے والے کو کہا جائے گا کہ تم مطلوبہ رقم بطور قرض دو۔ یہ ابن القاسم اور سحنون کا مذہب اور امام مالک کا مشہور قول ہے۔[3]

۴- چوتھا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی واعد نے دُوسرے کو کام پر مامور کیا اور اس کے بدلے کچھ دینے کا وعدہ کیا تو اس کے ذمہ اس وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے خواہ موعود لہٗ

---

(۱) فتح العلي المالك (۱:۲۵۴)، الاذكار للنووي ص:۲۸۲.

(۲) الصحيح للبخاري. كتاب الشهادات. باب من أمر بانجاز الوعد وفعله الحسن وذكر إسماعيل أنه كان صادق الوعد وقضى ابن أشوع بالوعد وذكر ذلك عن سمرة بن جندب وقال مسور بن مخرمة سمعت النبي صلى الله عليه وسلم وذكر صهرا وقال وعدني فوفاني. قال أبو عبد الله: ورءيت إسحاق بن إبراهيم يحتج بحديث ابن أشوع.

(۳) الفروق. القرافي (شهاب الدين أبو العباس الصنهاجي المشهور بالقرافي) بيروت لبنان، دار المعرفة (۲/ ۲۵) الذي يلزم من الوعد قوله إهدم دارك وأنا أسلفك ما تبني به أو أخرج إلى الحج وأنا أسلفك أو اشتر سلعة أو تزوج إمراة وأنا أسلفك ..... إن أدخله في سبب يلزم بوعده لزم كما قال مالك وابن القاسم وسحنون.

نے اس کام کو شروع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے دُوسرے سے کہا کہ تم نکاح کرو، میں تمہیں اس کے لئے قرضہ دوں گا۔ تو اَب اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اسے قرضہ دے، خواہ وہ نکاح کرے یا نہ کرے، یہ مذہب مالکیہ میں سے علامہ اصبغ کا ہے، علامہ قرافی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

قال أصبغ يقضى عليك به تزوج الموعود أم لا .... قاله لتأكد العزم على الدفع حينئذ.[1]

ترجمہ:- اُصبغ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں قضاءً تمہارے خلاف وعدہ پورا کرنے کا حکم لگایا جائے گا خواہ موعود لہٗ نکاح کرے یا نہ کرے، اور انہوں نے یہ قول اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ ایسی صورتوں میں رقم دینے میں تاکید پیدا ہو سکے۔

۵- پانچواں مذہب یہ ہے کہ عام حالات میں تو وعدہ کو پورا کرنا قضاءً لازم نہیں البتہ اگر کہیں اس کے پورا کروانے کی حاجت ہو تو اس وقت اسے قضاءً بھی لازم قرار دیا جاسکتا ہے، یہ مسلک متأخرین فقہائے حنفیہ نے اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

المواعيد قد تكون لازمةً فتجعل لازمةً لحاجة الناس.[2]

---

(۱) الفروق بحواله بالا.

...... أيضا في فتح العلي المالك، عليش (أبو عبدالله الشيخ محمد احمد عليش المتوفى ۱۲۹۹ھ) بيروت، لبنان، دار المعرفة (۱/۲۵۴).

(۱) رد المحتار (۴/۱۳۵).

......أنظر أيضا شرح المجلة، الأتاسي (محمد خالد الأتاسي) كوئته، المكتبة الأسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۳ھ (۲/۳۱۵).

......شرح الأشباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين إبراهيم الشهير بابن نجيم) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة (۲/۱۱۰).

ترجمہ:- کبھی کبھی وعدے لازم ہوتے ہیں، پس لوگوں کی حاجت کے
پیش نظر انہیں لازم قرار دیا جا سکتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر میں واقعۃً ایسے بہت سے معاملات پیش آتے ہیں، جہاں وعدہ کو لازم قرار دینے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی تاجر یا ادارے سے وعدہ کرے کہ وہ فلاں صفات اور سائز کے دس ہزار خیمے تیار کر کے اسے دے۔ تاجر انہیں باہر ملک برآمد کرنا چاہتا ہے، وہ تاجر یا ادارہ جب اپنی طرف سے خطیر رقم خرچ کر کے مطلوبہ سامان تیار کرے تو برآمد کنندہ (Exporter) اس کے لینے سے انکار کر دے۔ تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ بائع (Seller) کو بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس تاجر یا ادارے کو کوئی اچھا گاہک مل جائے تو یہ سارا سامان زیادہ قیمت پر خریدنے کے لئے آمادہ ہو جائے، پس اگر یہ سامان دُوسرے کے ہاتھ بک گیا تو اس صورت اس برآمد کنندہ کے لئے کافی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے وہ مطلوبہ سامان اپنے گاہک تک مقرّرہ وقت پر نہیں پہنچا سکے، جس سے نہ صرف اس کی کاروباری ساکھ خراب ہوگی بلکہ اسے لاکھوں روپے کے نفع سے بھی محرومی ہوگی، بلکہ نقصان کا بھی خطرہ ہے۔ لہٰذا ان حالات میں اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ قضاءً وعدہ پورا کرنے کو لازم قرار دیا جائے۔

مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنی قرارداد میں ان حالات میں وعدہ پورا کرنے کو لازم قرار دیا ہے۔

طے شدہ قرارداد یہ ہے:-

الوعد (هو الذي يصدر من الآمر أو المأمور علىٰ وجه الإنفراد) يكون ملزمًا للواعد ديانةً إلا لعذر وهو ملزم قضاء إذا كان معلّقًا علىٰ سبب ودخل الوعود في كلفة نتيجة الوعد. ويتحدد أثر الإلزام إمّا بتنفيذ الوعد وإمّا بالتعويض

عن الضرر الواقع فعلًا بسبب عدم الوفاء بالوعد بلا عذر.[1]

ترجمہ:- وعدہ (جو حکم کرنے والے یا حکم دیئے جانے والے شخص کی طرف سے انفرادی طور پر ہوتا ہے) وعدہ کرنے والے پر اس کا پورا کرنا دیانۃً ضروری ہے الّا یہ کہ کوئی عذرِ شرعی پیش آجائے۔ اور قضاءً اس وقت لازم ہوگا جب وہ کسی کے ساتھ معلق ہو (اور اس کی وجہ سے موعود لہٗ نے وہ کام شروع کردیا ہو) اور اس وعدے کی وجہ سے اسے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ اور اس وعدے کے لزوم کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ یا تو واعد کے لئے لازم قرار دیا جائے گا کہ وہ وعدے کو پورا کرے یا اس وعدے کی وجہ سے موعود لہٗ کو جو نقصان ہو، اس کی تلافی کی جائے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ صورت میں بھی وعدے کے پورا کرنے کو لازمی قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اجارہ کی مدت مکمل ہونے کے بعد اگر بینک وہ چیز مستأجر کو بیچنے یا ہبہ کرنے سے انکار کردے تو مستأجر کو کافی نقصان کا سامان کرنا پڑے گا۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس متبادل کا نتیجہ بھی وہی نکلتا ہے جو ہائر پرچیز کا ہے، تو پھر ایک صورت جائز اور دوسری ناجائز کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ محض دو چیزوں کا نتیجہ ایک جیسا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا شرعی حکم بھی ایک ہو، اس لئے کہ شریعت کسی معاملے پر جائز یا ناجائز ہونے کا حکم اس کے نتیجے کو دیکھ کر نہیں لگاتی بلکہ اس کی حقیقت پر لگاتی ہے۔ چنانچہ اللہ کا نام پڑھ کر جانور ذبح کرنا جائز اور جانور کا گوشت حلال ہے، جبکہ جان بوجھ کر اللہ کا نام لئے بغیر جانور

---

(۱) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، المؤتمر (المؤتمر لمجمع الفقه الإسلامي) العددالخامس، الجزء الثاني ۱۴۰۹ھ- ۱۹۸۸م ص: ۱۰۹۹.

......أنظر أيضاً المعايير الشرعية، الهيئة (هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية) البحرين، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰م. ص: ۱۴۴.

ذبح کرنا ناجائز ہے اور ایسے جانور کا گوشت حرام ہے، حالانکہ دونوں قسم کے گوشت سے سالن اور قورمہ وغیرہ ایک جیسا بنتا ہے۔ اور جس مسلمان کو بھی پوری صورتِ حال کا علم ہوگا، وہ دُوسری قسم کا گوشت کھانے کے لئے کبھی آمادہ نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک عام مسلمان بھی یہ جانتا ہے کہ حلت وحرمت کا مدار نتیجے پر نہیں بلکہ حقیقت پر ہے، اور گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ہائر پرچیز اور اسلامی اجارہ کی حقیقتیں ایک دُوسرے سے مختلف ہیں۔ چنانچہ ان دونوں کا شرعی حکم بھی مختلف ہے، یعنی ہائر پرچیز کا معاملہ شرعاً ناجائز اور اسلامی بینکوں کا اجارہ جائز ہے، بشرطیکہ اس کی متعلقہ تمام شرائط کی پابندی کی جائے۔

یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ مروجہ ہائر پرچیز کے ناجائز ہونے کی وجہ صرف یہی نہیں کہ اس میں بیع اور اجارہ کے دو عقد جمع ہوجاتے ہیں، بلکہ اس کے علاوہ اس کے اندر درج ذیل دو اور خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

۱- کنوینشنل لیز میں لیز پر دیئے گئے سامان کی تمام ذمہ داریاں (Liabilities) مستأجر (Lessee) کے ذمہ ہوتی ہیں، حالانکہ شرعاً صرف استعمال سے متعلق ذمہ داریاں مستأجر پر ڈالی جاسکتی ہیں، جیسے گاڑی کی سروس کرانا یا چھوٹی موٹی مرمت کرانا وغیرہ۔ جبکہ وہ ذمہ داریاں (Liabilities) جن کا تعلق اس چیز کے مالک ہونے سے ہے، انہیں برداشت کرنا مؤجر (Lessor) کی ذمہ داری ہے۔

۲- اجارہ پر دی گئی چیز مستأجر کے حوالے کرنے سے پہلے ہی اس کا کرایہ لینا شروع کردیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اسلامی بینکوں کے لئے جو اجارہ ڈیزائن کیا گیا ہے، اس میں درج بالا خرابیوں کا ازالہ اس طرح کیا گیا ہے:-

۱- اجارہ پر دی گئی چیز (Leased Asset) کے استعمال سے متعلق ذمہ داریاں مستأجر (Lessee) برداشت کرتا ہے، جبکہ اس کی ملکیت سے متعلق ذمہ داریاں بینک برداشت کرتا ہے، مثلاً اگر وہ ہلاک ہوجائے یا اس کا حادثہ ہوجائے تو وہ بینک کا نقصان

سمجھا جاتا ہے۔

۲- اسلامی بینک جب تک کرایہ کا معاملہ کر کے مطلوبہ چیز کلائنٹ کے حوالے نہیں کرتا، اس وقت تک کرایہ وصول نہیں کرتا۔

اس دوسری بات کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب کوئی کلائنٹ اسلامی بینک کے پاس کوئی سامان مثلاً کار اجارہ پر حاصل کرنے کے لئے آتا ہے تو پہلے ہی دن اجارہ کا عقد نہیں ہوتا بلکہ بینک پہلے کار کی بکنگ کراتا ہے، پھر چند ماہ بعد (عام طور پر چار سے چھ ماہ بعد) جب گاڑی تیار ہوکر آتی ہے تو بینک اُسے کلائنٹ کے حوالے کرتا ہے اور اُسی وقت اجارہ کا معاملہ ہوتا ہے۔

اجارہ پر دی گئی چیز (Leased Assets) کے کرائے کی اقساط کی وصولی کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب وہ چیز عملاً کلائنٹ کے قبضے میں آجاتی ہے، لیکن چونکہ اجارہ پر دی گئی چیز کی حوالگی (Delivery) میں کچھ دیر لگ جاتی ہے تو بعض کلائنٹس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان سے شروع سے ہی ماہانہ اُجرت کے حساب سے کچھ رقم لینا شروع کردی جائے تاکہ انہیں مطلوبہ رقم کی ادائیگی میں سہولت رہے۔

ایسی صورت میں اسلامی بینک بکنگ کراتے ہی کلائنٹس سے علی الحساب رقم لے سکتا ہے لیکن اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ چونکہ یہ رقم اجارہ پر دی گئی چیز کا کرایہ (Rental) نہیں لہٰذا یہ بینک کی آمدنی (Income) کا حصہ نہیں بن سکتی، لہٰذا اگر بینک مطلوبہ چیز کلائنٹ کے حوالے کرنے سے عاجز آجائے تو وہ رقم کلائنٹ کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اور جب بینک چند ماہ بعد گاڑی کلائنٹ کے حوالے کردیتا ہے تو جس وقت گاڑی ملتی ہے، اس وقت کلائنٹ کی طرف سے دی گئی گزشتہ رقم کو بھی کرایہ میں شامل کرلیا جاتا ہے۔

بیع العربون (بیعانہ)

لغوی تعریف

لفظ "عربون" کو چھ طریقوں سے پڑھایا گیا ہے:-

عُربان، عُربون، أربان، أُربان، عَربون، أَربون.(۱)

عربون کے لغوی معنی ہیں بیعانہ دینا۔ لسان العرب میں ہے:-

العربان الّذی تسمیه العامّة الأربون، تقول منه عربنتة إذا أعطیته ذلک.(۲)

القاموس المحیط میں ہے:

الأرُبان والأربون لضمها العربون وأربنته أی أعطیه ربونًا.(۳)

علامہ باجی مالکیؒ نے ابنِ حبیب کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ عربون کسی چیز کے ابتدائی حصے کو بھی کہتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

قال ابن حبیب: العربان أوّل الشئ وعنفوانه.(۴)

ان کے علاوہ علامہ زرقانی نے ذخیرہ کے حوالے سے بھی یہ معنی ذکر کئے ہیں۔(۵) اس معنی کی بیع کے عربون کے ساتھ مناسبت واضح ہے کیونکہ عربون بھی عقد کے شروع میں دیا جاتا ہے۔

---

(۱) المرقاۃ مع المشکوۃ، القاری (علامۃ علی بن سلطان القاری) کوئٹہ، المکتبۃ الحبیبۃ (۸۶/۶).

(۲) لسان العرب، ابن منظور (العلامۃ ابن منظور ۶۳۰ھ-۷۱۱ھ) بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الأولی ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م (۱۱۹/۹).

(۳) القاموس المحیط، الفیروز آبادی (مجدالدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی ۷۲۹-۸۱۷ھ) بیروت دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الأولی ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۱م (۳۲۲/۴).

(۴) المنتقی للباجی (۲۴۳/۳).

(۵) شرح الزرقانی، الزرقانی (سید محمد الزرقانی) مصر، عبدالحمید احمد حنفی (۲۵۰/۳).

اس کے علاوہ "رمی العربون" قضاءِ حاجت کرنے کے معنی میں آتا ہے، جب کوئی شخص قضاءِ حاجت کرتا ہے تو اس وقت یہ محاورہ بولا جاتا ہے "رمی فلان بالعربون"۔[1]

وجہ تسمیہ

عربون کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابنِ منظور فرماتے ہیں:-

قیل سمی بذلک: لأن فیہ إعرابًا لعقد البیع أی إصلاحًا وإزالة فساد لئلا یملکه غیره باشترائه.[2]

ترجمہ:- کہا گیا ہے کہ اسے عربون اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عقد بیع کا اعراب (یعنی اس کی دُرستگی) اور اس سے فساد کا زائل ہونا پایا جاتا ہے کہ کوئی اور اس چیز کو خرید کر اس کا مالک نہ بن جائے۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں عربون کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ خریدار کا بائع کو کچھ رقم ابتداءً اس شرط پر دینا کہ اگر وہ بائع سے مطلوبہ چیز خریدے تو یہ رقم قیمت کا حصہ بن جائے گی لیکن اگر بعد میں خریدار مطلوبہ چیز نہ لے تو وہ رقم بائع کی ہوگی۔ ملا علی القاریؒ نہایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

ھو أن یشتری السلعة ویدفع إلی صاحبھا شیئًا علی أنه إن مضی البیع حسب وإن لم یمض البیع کان لصاحب السلعة ولم یرجعه المشتری.[3]

ترجمہ:- بیع العربون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے سامان خریدے اور اس کو کچھ رقم اس شرط پر دے کہ اگر بیع ہوگئی تو وہ رقم قیمت میں شمار ہوگی اور اگر بیع نہ ہوسکی تو یہ رقم بائع کی ہوگی اور خریدار واپس نہیں لے سکے گا۔

---

(۱) لسان العرب (۹/۱۱۸).

(۲) بحواله بالا۔

(۳) المرقاة مع المشکوة (۶/۸۶).

البتہ بیعانہ کے طور پر دی گئی پیشگی رقم کا تعلق صرف بیع کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عقدِ اجارہ میں دی گئی پیشگی رقم پر بھی عربون کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ سعید البنانیؒ فرماتے ہیں:-

هو أن يشتري الرجل شيئًا أو يستأجره ويعطي بعض الثمن أو الأجرة ثم يقول: إن تمّ العقد احتسبناه وإلّا فهو لک ولا آخذ منک.[1]

ترجمہ:- عربون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی چیز خریدے یا کرائے پر لے اور اسے قیمت یا اُجرت کا کچھ حصہ دے دے پھر اسے کہے کہ اگر یہ عقد مکمل ہوگیا تو ہم اسے قیمت میں شمار کریں گے ورنہ یہ رقم تمہاری ہوگی اور میں تم سے واپس نہیں لوں گا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:-

وذلک فيما نرى والله أعلم أن يشتري الرجل العبد أو الوليد أو يتكارى الدابة ثم يقول للذي اشترى منه أو تكارى منه: أعطيتک دينارًا أو درهمًا أو اقلّ من ذٰلک أو أكثر على أنّي إن أخذت السلعة أو ركبت ما تكاريت منک فالذي أعطيتک هو من ثمن السلعة أو من كراءِ الدابة فما أعطيتک لک بغير شيءٍ.[2]

ترجمہ:- ہمارے خیال میں عربون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی غلام یا باندی خریدے یا کوئی جانور کرائے پر لے اور پھر اس شخص کہے کہ میں تجھے ایک دینار یا ایک درہم یا اس سے کم وبیش (متعین رقم) اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر میں نے سامان خرید لیا یا جس سواری کو

---

(۱) الأقرب الموارد في فصيح العربية الشوارد، اللبناني (سعيد الحوزي الشرتوتي اللبناني) ایران، دار الأسوة للطباعة والنشر، الطبعة الأولى ۱۳۷۳ھ (۵۰۵/۳).

(۲) كتاب المؤطا للإمام مالک بن أنس ص: ۵۲۸.

کرائے پر لینا ہے اُسے لے کر سواری کر لی تو یہ رقم سامان کی قیمت یا جانور کے کرائے میں شمار ہوگی، اور اگر میں نے سامان نہ خریدا یا جانور پر سواری نہ کی تو یہ رقم کسی چیز کا معاوضہ بنے بغیر آپ کی ہوگی۔

لیکن جب بیع العربون یا العربون فی البیع کہا جاتا ہے تو اس وقت صرف وہی تعریف مراد ہوتی ہے جو ملا علی قاریؒ نے نہایۃ کے حوالے سے ذکر فرمائی اور اسی کو ابنِ قدامہؒ نے یوں ذکر فرمایا:-

والعربون في البيع، هو أن يشتري السلعة فيدفع إلى البائع درهمًا أو غيره على أنه إن أخذ السلعة، احتسب من الثمن، وإن لم يأخذها فذٰلك للبائع.[1]

ترجمہ:- بیع العربون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے سامان خریدے اور اس کو ایک درہم یا کچھ رقم اس شرط پر دے کہ اگر اس نے سامان لے لیا تو وہ رقم قیمت میں شمار ہوگی اور اگر بیع نہ ہو سکی تو یہ رقم بائع کی ہوگی۔

بیع العربون میں صرف خریدار کے لئے خیار ہوتا ہے

بیع العربون کی حقیقت اور مذکورہ تعریفات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس میں خریدار کو سامان لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوتا ہے۔ اگر وہ سامان لے لے تو اس کی طرف سے دیا ہوا بیعانہ قیمت کا حصہ بن جاتا ہے ورنہ کسی عوض کے بغیر بائع کے پاس چلا جاتا ہے لیکن بائع کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر حال میں مبیع خریدار کے حوالے کرے، وہ کسی حال میں مبیع حوالے کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ گویا اس کے اعتبار سے عقد لازم ہوتا ہے۔[2]

---

(۱) المغني لابن قدامة (۶/ ۳۳۱).

(۲) الغرر وأثره في العقود ص: ۱۲۳

بیع العربون سے متعلق روایات

بیع العربون سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو روایات مروی ہیں، جن میں ایک روایت کے اندر بیع العربون کی ممانعت کا ذکر ہے جبکہ دُوسری میں روایت میں جواز کا۔

پہلی روایت

مالک عن الثقة عنده، عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه أن رسول صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان.[1]

ترجمہ:- امام مالک ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں جو ان کے نزدیک ثقہ ہے اور وہ عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدّہ کے واسطے سے نقل کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع العربون سے منع فرمایا۔

اس روایت کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔[2] اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ امام مالکؒ جس راوی سے یہ حدیث لے رہے ہیں، وہ نامعلوم ہے۔ لیکن علامہ ابنِ عبدالبر اور ابن عدیؒ کا کہنا ہے کہ یہ نامعلوم راوی "ابن لهيعة" ہے، چنانچہ انہوں نے ایک طریق ایسا ذکر کیا ہے جس میں "ابن لهيعة" کا واسطہ موجود ہے۔[3]

---

(۱) الموطأ للإمام مالك بن أنس ص: ۵۶۸، سنن ابن ماجة (۱۵۸/۲)، مسند أحمد بن حنبل (۱۸۳/۲)، سنن البيهقي الكبرى، باب النهي عن بيع العربان (۳۴۲/۵)، سنن أبي داؤد (۱۳۸/۲)، البتہ سنن أبي داؤد میں سند اس طرح ہے: مالك ابن أنس أنه بلغه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه.

(۲) المغني لابن قدامة (۳۳۱/۶).

المجموع شرح المهذب (۳۳۴/۹).

(۳) الاستذكار، ابن عبدالبر (الحافظ أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر النمري الأندلسي ۳۶۸ هـ - ۴۶۳ هـ) القاهرة، دار الوعي، الطبعة الأولى محرّم ۱۴۱۴ هـ (۹/۱۹).

پھر ابن لهيعة کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام ہوا ہے۔ ابنِ وہب نے انہیں مطلقاً ثقہ قرار دیا ہے جبکہ جمہور محدثین جن میں یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن معین، ابوزرعہ، امام نسائی شامل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ یہ ضعیف راوی ہے۔ ان کے ضعیف ہونے کے سبب میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کی کتابیں جل گئی تھیں اور پھر انہوں نے اپنے حافظے سے احادیث نقل کیں جس میں ان سے غلطی ہوگئی، اور بعض نے کہا کہ یہ مدلس راوی ہیں وغیرہ۔ اس سے یہ اختلاف بھی پیدا ہوا ہے کہ یہ راوی مطلقاً ضعیف ہیں یا کچھ عرصے تک ثقہ تھے اور بعد میں ضعیف ہوئے۔[۱]

دوسری بات یہ ہے کہ اس سند میں "عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده" کا واسطہ ہے اور اس سند کے صحیح یا حسن ہونے میں کلام ہے۔

اس کے بارے میں علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ یہ سند اکثر محدثین کے ہاں مقبول ہے۔[۲] تاہم اس کے متکلم فیہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔[۳]

دُوسری روایت

عن زيد بن أسلم أنه سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن

---

(۱) تهذيب الكمال في اسماء الرجال، المزي (جمال الدين أبو الحجاج يوسف المزى ۶۵۴-۷۴۲هـ) بيروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ۱۴۰۸هـ-۱۹۸۸م (۱۵/۴۸۷).

......تاريخ ابن معين، (يحيى بن معين) مكة المكرمة، مركز البحث العلمي وإحياء التراث العلمي، الطبعة الأولى ۱۳۹۹هـ-۱۹۷۹م (۳۸۱۴).

.. تقريب التهذيب، العسقلاني (أحمد بن علي بن حجر العسقلاني ۷۷۳-۸۵۲هـ) المدينة المنورة، المكتبة العلمية (۱/۴۴۴).

...سير أعلام النبلاء، الذهبي (الإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي المتوفى ۷۴۸هـ) بيروت، المؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ۱۴۰۲هـ-۱۹۸۲م (۸/۱۱).

(۲) تدريب الراوي، السيوطي (العلامة جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي المتوفى ۹۱۱هـ) مصر، مطبعة الخيرية ۱۳۰۷هـ ص: ۲۲۱.

(۳) تهذيب الكمال (۲۲/۲۴).

.. تقريب التهذيب (۲/۷۲)

العربان في البيع فأحله.[1]

ترجمہ:- زید بن اسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع کے لئے بیعانہ دینے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اسے جائز قرار دیا۔

اس روایت پر بھی کلام ہے کہ یہ مرسل روایت ہے اور اس کی سند میں ابراہیم بن یحیٰ ضعیف راوی ہیں۔[2] البتہ امام شافعی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ان سے روایات بھی نقل کی ہیں۔[3]

حضرت نافع بن عبدالحارث کا واقعہ

مذکورہ مرفوع روایات کے علاوہ حضرت نافع بن عبدالحارث کے واقعہ سے بھی بیع العربون کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے:

عن عبدالرحمن بن فروخ عن نافع بن عبدالحارث. عامل عمر على مكة. أنه اشترى من صفوان بن أمية دارًا لعمر بن الخطاب بأربعة آلاف درهم، واشترط عليه نافع إن رضي عمر فالبيع له وإن لم يرض فلصفوان أربع مائة درهم.[4]

ترجمہ:- عبدالرحمٰن بن فروخ نقل کرتے ہیں کہ نافع بن عبدالحارث جو کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ کے عامل تھے، انہوں

---

(۱) مسند الطيالسي، الطيالسي (سليمان بن داؤد ابو داؤد الفارسي البصري الطيالسي، المتوفى ۲۰۴ھ) بيروت، دار المعرفة (۱/۵۱) حديث: ۳۹۰، نيل الأوطار للشوكاني (۵/۱۳۰).

(۲) نيل الاؤطار (۵/۱۳۰).

..... شرح الزرقاني (۳/۲۵۰).

..... الاستذكار (۱۹/۱۰).

(۳) أوجز المسالك الكاندهلوى، (الشيخ محمد زكريا الكاندهلوى) (۱۱/۴۵).

(۴) الاستذكار، ابن عبدالبر (الحافظ أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر النمرى الأندلسي ۳۶۸ھ-۴۶۳ھ) القاهرة، دار الوعي. الطبعة الأولى محرم ۱۴۱۴ھ (۱۹/۹).

نے حضرت عمرؓ کے لئے صفوان بن اُمیہ سے ایک گھر چار ہزار درہم کے بدلے اس شرط پر خریدا کہ اگر وہ حضرت عمرؓ کو پسند آ گیا تو ان کے لئے بیع پکی ہوجائے گی اور اگر پسند نہ آیا تو صفوان کو چار سو درہم دیئے جائیں گے۔

ان کے علاوہ یہ واقعہ مصنف عبدالرزاق[1] اور السنن الکبریٰ للبیہقی[2] میں بھی مذکور ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس واقعہ کو تعلیقاً ذکر فرمایا ہے۔[3]

بیع العربون کا حکم اور اس میں غرر کا جائزہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمہ اللہ، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں سے ابوالخطاب کے نزدیک بیع العربون ناجائز ہے۔[4] ان کے علاوہ امام اوزاعی، لیث بن سعد، عبدالعزیز بن ابی سلمہ اور سفیان ثوری سے بھی بیع العربون کا عدمِ جواز منقول ہے۔

علامہ ابنِ عبدالبر لکھتے ہیں:-

---

(۱) المصنف، الصنعانی (أبوبکر عبدالرزاق بن همام الصنعانی ۱۲۶ هـ - ۲۱۱ هـ) مع تحقیق الشیخ حبیب الرحمن الأعظمی، جنوبی افریقا جوهانسبرگ ص. ب ۱، المجلس العلمی، الطبعة الأولیٰ ۱۳۹۲هـ-۱۹۷۲م (۱۴۸/۵) باب الكراء فی الحرم.

(۲) السنن الكبریٰ، البیهقی (أبو بكر بن الحسین بن علی البیهقی المتوفی ۴۵۸هـ) بیروت، دار الكتب العلمیة، الطبعة الأولیٰ ۱۴۲۰هـ-۱۹۹۹م، باب ما جاء فی بیع دور مكة.

(۳) صحیح البخاری، البخاری (الإمام أبو عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری) بیروت، دار ابن كثیر، الطبعة الخامسة ۱۴۱۴هـ-۱۹۹۳م، كتاب الإستقراض، باب الربط والحبس فی الحرم.

(۴) حاشیة الدسوقی علی الشرح الكبیر، الدسوقی (شمس الدین الشیخ محمد عرفة الدسوقی) بیروت، دار الفكر (۶۳/۳).

... شرح الزرقانی علی مختصر خلیل، الزرقانی (العلامة السید عبد الباقی الزرقانی) بیروت، دار الفكر (۸۳/۳).

... المجموع شرح المهذب (۳۶۸/۹).

... الاستذكار (۱۱/۱۹).

أمّا قول مالک فعليه جماعة فقهاء الأمصار من الحجازيين والعراقيين، منهم: الشافعي والثوري وأبوحنيفة والأوزاعي والليث بن سعد وعبدالعزيز بن أبي سلمة لأنّه من بيع الغرر والمخاطرة وأكل المال بغير عوض ولاهبة وذلک باطل.[1]

ترجمہ:- امام مالک کے قول پر حجاز اور عراق کے فقہاء کی ایک جماعت ہے ان میں سے امام شافعی، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی، لیث بن سعد اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ شامل ہیں۔ اس لئے کہ یہ غرر اور خطر والی بیع ہے اور اس میں کسی عوض کے بغیر مال کھانا لازم آتا ہے جو کہ ہبہ بھی نہیں لہٰذا یہ باطل ہے۔

جبکہ حضرت عمر، ابنِ عمرؓ اور تابعین میں سے مجاہد، ابنِ سیرین، نافع بن عبدالحارث اور زید بن اسلم سے اس کا جواز منقول ہے۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔

علامہ ابنِ عبدالبر لکھتے ہیں:-

وقد روی عن قوم من التابعين منهم: مجاهد وابن سيرين ونافع بن عبدالحارث وزيد بن أسلم أنهم أجازوا بيع العربان علىٰ ما وصفنا.[2]

ترجمہ:- تابعین کی جماعت جن میں مجاہد، ابنِ سیرین، نافع بن عبدالحارث و زید بن اسلم شامل ہیں، نے اس طرح بیع العربون کرنے کو جائز قرار دیا ہے جو ہم پیچھے ذکر کرچکے ہیں۔

ابنِ قدامہؒ فرماتے ہیں:-

قال أحمد: لا بأس به، وفعله عمرؓ وابن عمرؓ أنّه أجازه.[3]

(۱و۲) الاستذکار (۹:۱۰۱)۔

(۳) المغنی لابن قدامة (۶:۳۳۱)۔

ترجمہ:- امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیع العربون میں کوئی حرج نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود کی ہے اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے۔

جانبین کے دلائل

مانعین کے دلائل

جن فقہاے کرام نے بیع العربون کو ناجائز کہا ہے، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:-

پہلی دلیل

وہ مرفوع روایت جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدّہ کے واسطے سے بیان ہوئی۔

علامہ شوکانی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:-

حدیث عمرو بن شعیب قد ورد من طرق یقوی بعضها بعضاً.[1]

ترجمہ:- عمرو بن شعیب والی حدیث متعدّد طرق سے مروی ہے اور یہ طریق ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

دوسری دلیل

اس بیع میں غرر پایا جاتا ہے اور احادیث میں غرر کو ناجائز کہا گیا ہے۔

علامہ ابنِ رشد الجد فرماتے ہیں:

والغرر الکثیر المانع صحة العقد یکون فی ثلاثة أشیاء (أحدها) العقد (والثانی) أحد العوضین الثمن أو المثمون أو کلیهما (والثالث) الأجل فیهما أو فی أحدهما. فأمّا الغرر فی العقد فهو مثل نهی النبی صلی اللہ علیه وسلم عن بیعتین

---

(۱) نیل الأوطار (۵: ۱۳۰).

في بيعة وعن بيع العربان.[1]

ترجمہ:- وہ غررِ فاحش جو عقد کے صحیح ہونے سے مانع ہے تین چیزوں میں پایا جاتا ہے، ایک عقد میں، دُوسرے کسی ایک عوض میں جیسے ثمن یا مبیع میں یا دونوں میں، تیسرے، دونوں یا کسی ایک کی مدّت میں۔ عقد میں غرر کی مثال جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "**بیعتان فی بیعة**" اور "**بیع العربون**" سے منع کیا۔

تیسری دلیل

اس میں "قمار" اور دُوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے کی خرابی لازم آتی ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:-

لأنه من باب بيع القمار والغرر والمخاطرة وأكل المال بالباطل.[2]

ترجمہ:- کیونکہ اس میں قمار، غرر، مخاطرہ اور باطل طریقے سے مال کھانے کی خرابی پائی جاتی ہے۔

علامہ ابن العربی فرماتے ہیں:-

من جملة أكل المال بالباطل بيع العربان.[3]

ترجمہ:- ناحق مال کھانے میں بیع العربان بھی شامل ہے۔

---

(۱) المقدمات الممهدات، ابن رشد (أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد الجد القرطبي المتوفى ۵۲۰هـ) بيروت، دار الغرب الإسلامي، الطبعة الأولى ۱۴۰۸هـ-۱۹۸۸م (۲/ ۷۳).

(۲) الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي، القرطبي (أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي) القاهرة، مطبعة دار الكتب المصرية، ۱۳۵۶هـ-۱۹۳۷م (۵/ ۱۵۰).

(۳) أحكام القرآن لابن العربي (۱/ ۴۰۸).

چوتھی دلیل

اس میں دو شرائط ایسی ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہیں:-

۱- ہبہ کی شرط یعنی اگر معاملہ نہ ہوا تو بیعانہ کی رقم بائع کے لئے ہبہ ہوگی۔

۲- مبیع رَدّ کرنے کی شرط یعنی اگر خریدار راضی نہ ہوا تو مبیع بائع کی طرف واپس چلی جائے گی۔

علامہ رملیؒ فرماتے ہیں:-

ولـمـا فيه من شرطين مفسدين شرط الهبة وشرط ردّ المبيع بتقدير أن لا يرضى. (۱)

ترجمہ:- اور (بیع العربون کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ) اس میں دو شرطیں ایسی ہیں جن سے عقد فاسد ہوجاتا ہے، یعنی خریدار کے راضی نہ ہونے کی صورت میں ہبہ اور مبیع واپس کرنے کی شرط۔

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ بیع العربون کے عدمِ جواز کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

لما فيه من الغرر وشرط الردّ والهبة إن لم يرض السلعة. (۲)

ترجمہ:- کیونکہ اس میں غرر ہے اور خریدار کے سامان پر راضی نہ ہونے کی صورت میں مبیع واپس کرنے اور ہبہ کی شرط پائی جاتی ہے۔

پانچویں دلیل

اس میں غیر معلوم مدّت تک خیار پایا جاتا ہے۔

---

(۱) نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، الرملي (محمد بن أبو العباس أحمد بن حمزة بن شهاب الدين الرملي المصري الأنصاري الشهير بالشافعي الصغير المتوفى ۱۰۰۴ھ) بيروت، دار احياء التراث العربي (۳/۴۵۹).

(۲) كشف المغطا عن وجه المؤطا على هامش مؤطا الإمام مالک، کاندھلوی (محمد اشفاق الرحمن کاندھلوی) کراتشی. نور محمد أصح المطابع کارخانۂ تجارت کتب، ص:۵۲۸.

علامہ ابنِ قدامہؒ فرماتے ہیں:-

ولأنّه بمنزلة الخيار المجهول، فإنّه اشترط أنّ له ردّ المبيع من غير ذكر مدة، فلم يصح. (۱)

ترجمہ:- کیونکہ یہ خیار مجہول کی طرح ہے، اس لئے کہ اس میں خریدار نے یہ شرط لگا دی کہ اسے (ناپسندیدگی کی صورت میں) مبیع واپس کرنے کا حق ہے جبکہ اس نے کوئی مدّت ذکر نہیں کی (گویا ایک مجہول اور غیر معلوم مدّت تک اسے یہ خیار حاصل ہوا) لہٰذا یہ بیع صحیح نہیں۔

چھٹی دلیل

ضابطہ یہ ہے کہ جب ایک مسئلے کے متعلق جواز اور عدمِ جواز دونوں قسم کی روایات جمع ہو جائیں تو پھر عدمِ جواز والی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ علامہ شوکانیؒ ممانعت والی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:-

لأنّه يتضمن الحظر وهو أرجح من الإباحة كما تقرّر في الأصول. (۲)

ترجمہ:- یہ روایت حظر (ممانعت) کو شامل ہے اور (تعارض کے وقت) حظر کو اباحت پر ترجیح دی جاتی ہے، جیسا کہ اُصولِ فقہ میں یہ بات ثابت ہے۔

ساتویں دلیل:

نافع بن حارث کی حدیث میں یہ تأویل کی جاسکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے جو مکان خریدا گیا، وہ ایک نئے عقد کے ذریعے تھا۔ اور اس صورت میں یہ معاملہ چونکہ شرطِ فاسد سے پاک تھا اس لئے جائز تھا۔

---

(۱) المغني لابن قدامة (۶/ ۳۳۱).

(۲) نيل الأوطار (۵: ۱۳۰).

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

فأمّا دفع إليه قبل البيع درهمًا وقال لا تبع هذه السلعة لغيرى، وإن لم اشترها منک فهٰذا الدرهم لک. ثم اشتراها منه بعد ذٰلک بعقدٍ مبتدئ وحسب الدرهم من الثمن صحّ لأنّ البيع خلا عن الشرط المفسد ويحتمل أنّ الشراء الذى اُشترى لعمر كان على هٰذا الوجه.[1]

ترجمہ:۔ اگر خریدار نے بیع سے پہلے بائع کو ایک درہم دیا اور کہا کہ یہ سامان میرے علاوہ کسی اور کو نہ بیچنا اور اگر میں یہ سامان تجھ سے نہ خریدوں تو یہ درہم تمہارا ہوگا۔ پھر اس کے بعد الگ اور نئے عقد کے ذریعے اس سامان کو خرید لیا اور یہ درہم اس ثمن میں شمار کرلیا تو یہ صحیح ہے کیونکہ اب بیع کے اندر شرطِ فاسد نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر کے لئے خریدا گیا مکان اسی طرح ہو۔

مجوّزین کے دلائل

امام احمد بن حنبل اور جو حضرات اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے ستدلات درج ذیل ہیں:۔

پہلی دلیل

حضرت زید بن اسلم کی ذکر کردہ روایت۔

دُوسری دلیل

نافع بن عبدالحارث کا ذکر کردہ واقعہ کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے بیع العربون کے ساتھ مکان خریدا۔

امامؒ اَثرمؒ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے کہا کہ آپ بیع العربون کو جائز

---

(۱) المغنی (۶/ ۳۳۲)۔

کہہ رہے ہیں؟ وہ بولے میں کیا کہوں؟ یہ حضرت عمرؓ کا واقعہ تمہارے سامنے ہے۔[1]

تیسری دلیل

وہ قیاس جو سعید بن مسیب اور ابنِ سیرین سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر خریدار بائع کے سامان کو پسند نہیں کرتا اور اسے واپس کردیتا ہے تو اسے ساتھ کچھ دے دے۔ المغنی میں ہے:-

قال سعيد بن المسيب وابن سيرين: لا بأس إذا كره السلعة أن يردها ويرد معها شيئاً.[2]

معاصر علماء کی آراء

معاصر علمائے کرام میں سے ڈاکٹر صدیق محمد امین الضریر کی رائے یہ ہے کہ بیع العربون کا ناجائز ہونا راجح ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

وإنّي أرجح المنع لقوة دليله، فإنّ حديث النهي أكثر رجال الحديث يصححونه وحديث الجواز أكثرهم يردّه، والغرر في بيع العربون متحقق وما اعتمد عليه المجوزون من أقوال بعض الصحابة والتابعين لا يقوى على معارضة أدلة المانعين.[3]

ترجمہ:- میں بیع العربون کے عدمِ جواز کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ اس کے دلائل زیادہ مضبوط ہیں اور ممانعت والی روایت کو اکثر نے صحیح کہا ہے جبکہ جواز والی روایت کو اکثر نے رَدّ کیا، نیز بیع العربون میں غرر یقینی طور پر پایا جاتا ہے اور بیع العربون کو جائز کہنے والوں نے صحابہ اور تابعین میں جن کے قول سے استدلال کیا ہے، وہ ممانعت والے

---

(۱) المغنی بحواله بالا: قال الأثرم: قلت لأحمد: تذهب إليه؟ قال: أيّ شيء أقول؟ هذا عمر رضي الله عنه.

(۲) المغني بحواله بالا.

(۳) الغرر وأثره في العقود ص: ۱۲۵.

دلائل کا معارضہ نہیں کر سکتے۔

اس کے برعکس ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، مصطفیٰ احمد الزرقاء، یوسف القرضاوی، عبداللہ بن سلیمان المنیع اور ڈاکٹر رفیق یونس مصری بیع العربون کے جواز کو راجح قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی نے اپنی رائے کو بڑے مفصل اور مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی بیان کردہ وجوہ ترجیح بمع ترجمہ ذکر کرتے ہیں۔

۱- والذی أراه هو ترجیح رأی الحنابلة بیعًا وإجارة بعد العقد، عملاً بالوقائع الکثیرة التی دلت علی جوازه فی عصر الصحابة والتابعین، فهو قول صحابی وافقه علیه آخرون واتجاه کبار التابعین من فقهاءِ المدینة.

ترجمہ:- میرا خیال یہ ہے کہ بیع اور اجارہ کے اندر بیع العربون کے سلسلے میں حنابلہ کا مذہب راجح ہے کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں اس کے بہت سے واقعات پیش آئے جس سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، نیز یہ ایک صحابی کا قول بھی ہے جس کی موافقت دُوسرے صحابہ کرامؓ نے فرمائی۔ نیز فقہائے مدینہ میں کبارِ تابعین کی بھی یہ رائے ہے۔

۲- ولأنّ الأحادیث الواردة فی شأن بیع العربون لم تصح عند الفریقین.

ترجمہ:- بیع العربون کے متعلق وارِد ہونے والی مرفوع روایات فریقین میں سے کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں (اس لئے محض حدیثِ مرفوع کی بنیاد پر فیصلہ نہیں ہوسکتا)۔

۳- ولأن عرف الناس فی تعاملهم علٰی جوازه والالتزام به.

ترجمہ:- لوگوں کا عرف بھی یہی ہے کہ وہ اس معاملے کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کا التزام کرتے ہیں۔

۴- ولحاجة الناس إليه ليكون العقد ملزمًا ووثيقة ارتباط عمليه بالإضافة إلى الأوامر الشرعية بالوفاء بالعقود في قوله تعالىٰ "يٰٓأيها الّذين اٰمنوا أوفوا بالعقود"[1] وبخاصة حيث كثر التحلل من الالتزامات من غير سبب ولا تراض بين الطرفين لفسخ العقد بالإقالة ودفعًا للغرر عن البائع الّذى قد تفوته فرصة أخرى بيع سلعته.

ترجمہ:- اور بیع العربون کرنے کی لوگوں کو ضرورت بھی ہے تاکہ عقد لازم ہو، نیز یہ شرعی اَحکام جو وعدوں کو پورا کرنے سے متعلق ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو" کو پورا کرنے کی ایک عملی تدبیر ہے، خصوصاً آج کل جبکہ کسی سبب اور طرفین کی رضامندی کے بغیر عقد کو فسخ کرنے کا رواج عام ہے، نیز اس سے بائع کو ضرر سے بچانا بھی مقصود ہے، جس نے اس عرصے میں یہ سامان کسی دُوسرے کو نہ بیچنے کی صورت میں اُٹھایا ہے۔

۵- ولأنّ المشترى اشترط علىٰ نفسه بدفع العربون واقراره، وتعارف الناس علىٰ استحقاق البيع مادفعه له إن نكل عن البيع ....وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "المسلون علىٰ شروطهم". وفي روايةٍ أخرى "المسلمون عند شروطهم ماوافق الحق من ذٰلك".

ترجمہ:- بیعانہ دینے کی وجہ سے خود خریدار نے اپنے لئے سامان خریدنے کو مشروط کیا اور اس کے لینے کا اقرار کیا ہے اور یہ بات لوگوں میں متعارف ہے کہ اگر وہ سامان خریدنے سے انکار کرے تو بیعانہ بائع کا ہوگا ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

(۱) القرآن (۵:۱)

''مسلمانوں کے لئے ان کی شرائط کی پابندی ضروری ہے'' دوسری روایت میں ہے کہ ''جب تک شرائط حق کے موافق ہوں تو مسلمانوں کے لئے اس کی پابندی ضروری ہے''۔

۶- ولأنّ واقعة شراء دار صفوان سمع بها الصحابة واطلعوا عليها ولم ينكروها وهي واضحة في استحقاق البائع مبلغ العربون ومثله الإجارة، سواء دفع العربون سلفًا أو لم يدفع، لأنّ المشتري أوِالمستأجر الناكل إنّما التزم بدفع العوض ويصبح دينًا في ذمته فيستحقه البائع أو المؤجر استحقاقًا شرعيًا سليمًا.

ترجمہ:- (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے) دار صفوان کے خریدنے کا واقعہ صحابہ کرام کے علم میں آیا لیکن انہوں نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بائع بیعانہ کی رقم کا مستحق ہوگا، اور یہی مثال اجارہ کی ہے، عام ہے کہ خریدار نے بیعانہ پہلے دے رکھا ہو یا نہ دیا ہو، اس لئے کہ انکار کرنے والے خریدار یا مستأجر نے اپنے اُوپر عوض دینے کا التزام کیا ہے تو گویا اس کے ذمہ ''دَین'' ہے، پس بائع یا مؤجر شرعی لحاظ سے یہ بیعانہ لینے کے مستحق ہیں۔

۷- ولأنّ الناكل يعلم سلفًا بأنهٗ يخسر المبلغ الّذي يقدمه مع السلعة المردودة عند نكوله كما ذكر سعد بن المسيب وابن سيرين وغيرهما وإذا المبلغ هو العربون الّذي يخسره المشتري أو المستأجر الناكل مقابل نكوله.

ترجمہ:- نیز انکار کرنے والے کو پہلے سے معلوم ہے کہ انکار کرنے کی صورت میں اسے پیشگی دی گئی رقم کا نقصان اُٹھانا پڑے گا جیسا کہ سعید بن المسیّب اور ابنِ سیرین وغیرہما نے بھی فرمایا ہے اور یہ رقم بیعانہ

کی رقم ہے جس کا خسارہ خریدار یا مستأجر کو انکار کے وقت ہوتا ہے۔

٨- ليس العربون أكلا لأموال الناس بالباطل، وانّما هو في مقابل هذا التعطل والانتظار وتفويت الفرصة في صفقة أخرى، بل هو مشروط سلفا.

ترجمہ:- بیعانہ میں دُوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے کی خرابی نہیں پائی جاتی بلکہ یہ رقم تعطل، انتظار اور دُوسرے خریدار کو بیچنے کے لئے ملنے والی فرصت کا عوض ہے اور یہ ایسی چیز ہے جو پہلے سے مشروط ہے۔

٩- وليس في بيع العربون غرر، لأن المبيع معلوم والثمن معلوم والقدرة على التسليم متوفرة. أمّا الغرر الناشئ عن احتمال نكول المشترى عن الشراء فلا يضرّ، لأن البائع يحسب حساب هذا الاحتمال، ولأنّ هذا الأمر موجود في الخيارات كخيار الشرط وخيار الرؤية ونحوهما. ثم إنّ الحنابلة الّذين أجازوا العربون اشترطوا تقييد الانتظار بزمن وإلّا فإلىٰ متىٰ ينتظر.

ترجمہ:- بیع العربون میں غرر بھی نہیں پایا جاتا کیونکہ اس میں مبیع اور ثمن معلوم ہیں اور "قدرة على التسليم" موجود ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خریدار کے انکار کے احتمال کی وجہ سے غرر پیدا ہوتا ہے تو یہ غرر مضر نہیں اس لئے کہ بائع اس احتمال کا حساب لگاتا ہے (اور اس کا عوض لیتا ہے) نیز یہ احتمال تو دُوسرے خیارات جیسے خیارِ شرط، خیارِ رُؤیت وغیرہ میں بھی موجود ہے اور پھر حنابلہ جنھوں نے بیع العربون کو جائز کہا ہے انہوں نے ایک مدّت کے لئے اسے مقید کیا ہے ورنہ بائع کب تک انتظار کرے گا!

۱۰- والخلاصة: أنّ العربون إمّا متبرع به للبائع أو المؤجر أو مودى بشرط التزمه المشترى أو المستأجر الناكل أو جزء من الثمن أو الأجرة إن تم العقد۔[۱]

ترجمہ:- خلاصہ یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم بائع یا مؤجر کے لئے یا تو تبرع ہے یا اس شرط کی وجہ سے دی گئی ہے جسے خریدار یا مستأجر نے اپنے اُوپر لازم کرلیا تھا اور اگر عقد مکمل ہوجائے تو قیمت یا اُجرت کا حصہ ہے۔

عبداللہ بن سلیمان المنیع، بیع العربون پر مفصل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

وقد اتضح من المناقشة السابقة ما يجعل العربون أمرًا مشروعًا في دلالته ومعناه۔[۲]

ترجمہ:- گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ بیعانہ کا معاملہ دلالت اور معنی کے اعتبار سے مشروع اور جائز معاملہ ہے۔

ڈاکٹر رفیق یونس المصری فرماتے ہیں:-

إنىّ أميل في العربون إلىٰ اختيار مذهب الحنابلة المجزين بشرط أن تكون مدة الخيار معلومة۔[۳]

ترجمہ:- بیع العربون کے اندر میرا میلان حنابلہ کے مذہب کی طرف ہے جنھوں نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ خریدار کے لئے خیار کسی متعین مدّت کے لئے ہو۔

---

(۱) العربون، الزحیلی (الدکتور وهبة مصطفى الزحيلي) بحث في مجلة مجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جدة، الدورة الثامنة ۱-۷ محرّم ۱۴۱۴ھ/ ۲۱-۲۷ جون ۱۹۹۳ م ص: ۲۰۵۔

(۲) بيع العربون، المنيع (عبدالله سليمان المنيع) بحث في مجلة مجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جدّه، الدورة الثامنة ۱-۷ محرّم ۱۴۱۴ ھ/ ۲۱-۲۷ جون ۱۹۹۳ م ص: ۱۱۔

(۳) بيع العربون، المصرى (الدكتور رفيق يونس المصرى) بحث في مجلة مجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جدّه الدورة الثامنة الدورة الثامنة ۱-۷ محرّم ۱۴۱۴ ھ/ ۲۱-۲۷ جون ۱۹۹۳ م ص: ۲۲۔

مجمّع الفقہ الاسلامی (العالمی) کی قرارداد

مجمع الفقہ الاسلامی (العالمی) میں شامل علمائے کرام نے انتظار کی مدت متعین ہونے کی قید کے ساتھ اس بیع کی اجازت دی ہے۔ طے شدہ قرارداد یہ ہے:-

يجوز بيع العربون إذا قيدت فترة الانتظار بزمن محدود ويحتسب العربون جزءً من الثمن إذا تم الشراء ويكون من حق البائع إذا عدل المشتري عن الشراء.[1]

ترجمہ:- اگر انتظار کی مدت متعین ہو تو بیع العربون جائز ہے، لہٰذا اگر خریداری کا عمل مکمل ہو تو بیعانہ قیمت کا حصہ شمار ہوگا اور اگر خریدار نے سامان لینے سے انکار کیا تو یہ بائع کا حق ہوگا۔

المجلس الشرعی کا فیصلہ:

هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية (AAOFI) کی ذیلی تنظیم "المجلس الشرعی" نے اسلامی بینکوں کو مرابحہ میں بیعانہ لینے کی اجازت دی ہے، البتہ اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ عقد نہ ہونے پر بینک کو دوسری جگہ سامان بیچنے کی صورت میں جو حقیقی نقصان ہوا ہے، اس سے زائد رقم پہلے خریدار کو واپس کردے۔ "المتطلبات" میں ہے:-

يجوز للمؤسسة أخذ العربون بعد عقد بيع المرابحة للآمر بالشراء مع العميل، ولا يجوز ذلك في مرحلة الوعد والأولى أن تتنازل المؤسسة عمّا زاد من العربون عن مقدار الضرر الفعلي وهو الفرق بين تكلفه السلعة والثمن الّذى

---

(۱) القرارات والتوصيات الصادرة عن مجلس مجمع الفقه الاسلامي، في دورة مؤتمرة الثامن، المنعقد ببندر سرى بجاون (بروناي دارالسلام) ۱-۷ محرّم ۱۴۱۴ھ/ ۲۱-۲۷ جون ۱۹۹۳ء ص: ۸۔

يتم بيعها به الى الغير.[1]

ترجمہ:- اسلامی بینک کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ "مرابحة للآمر بالشراء" میں عقد ہونے کے بعد عمیل سے بیعانہ لے، البتہ وعدے کے مرحلے میں بیعانہ لینا جائز نہیں اور بہتر یہ ہے کہ بینک حقیقی ضرر سے زائد رقم سے دستبردار ہوجائے، حقیقی ضرر سے مراد قیمت کا وہ فرق ہے جو سامان کسی دوسرے کو بیچنے کی صورت میں سامنے آیا۔

ترجیح

بیع العربون کے جواز اور عدمِ جواز سے متعلق بحث کرنے کے بعد راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی معاملے میں بیع العربون کی واقعی ضرورت ہو کہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں بائع کو ضرر کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو ایسی صورت میں اسے اختیار کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے، البتہ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیع نہ صورت میں بائع کو ہونے والے حقیقی نقصان سے زائد رقم کو واپس دینا لازم قرار دیا جائے۔

بیع العربون کی ضرورت کہاں پیش آتی ہے؟

عام طور پر بیع العربون درج ذیل مقاصد کے لئے کی جاتی ہے:-

۱- بعض مرتبہ کسی شخص کو کوئی سامان پسند آجاتا ہے، وہ اسے خریدنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اس کی پوری قیمت نہیں ہوتی تو وہ بائع سے کہتا ہے کہ آپ اتنی رقم بیعانہ کے طور پر اپنے پاس رکھ لیں بعد میں پوری رقم دے کر میں یہ چیز لے لوں گا اور بائع اس پر راضی نہیں ہوتا کہ اگر خریدار بعد میں یہ سامان نہ خریدے تو وہ پیشگی وصول کی ہوئی رقم واپس کردے کیونکہ اس کا آرڈر آنے کے بعد بائع یہ سامان کہیں اور بھی نہیں بیچتا اور اگر بعد میں یہ خریدار بھی نہ لے تو بائع کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے خریدار اسے کہتا ہے کہ اگر میں نے یہ سامان نہ خریدا تو دی گئی بیعانہ کی رقم آپ کی ہوگی۔

---

(۱) المعايير الشرعية، المعيار الشرعي رقم: ۸، (المرابحة للآمر بالشراء).

۲۔ بعض مرتبہ کوئی شخص کسی دُکاندار یا بیچنے والے کے پاس کوئی چیز دیکھتا ہے۔ وہ اسے پسند آتی ہے لیکن اس کے خریدنے میں اسے تردّد ہوجاتا ہے کہ کہیں اس کی قیمت زیادہ تو نہیں یا یہ کہ یہ چیز عمدہ سامان سے تیار شدہ ہے یا نہیں یا اگر بیوی بچوں وغیرہ کے لئے خریدنی ہوتو تردّد ہوتا ہے کہ نجانے ان کو پسند آئے گی یا نہیں؟ ایسی صورت میں اگر وہ یہ چیز فوراً نہ خریدے تو اس بات کا امکان ہے کہ دوبارہ آنے تک یہ چیز کسی اور کے ہاتھ بک جائے اور اگر خرید لے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ بعد میں یہ پسند نہ آئے اور ندامت سی ہو۔

ایسے وقت میں یہ شخص بیعانہ دے کر بائع کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ یہ سامان کسی اور کو فروخت نہ کرے تاکہ اگر بعد میں وہ اسے خریدنا چاہے تو خرید سکے لیکن بائع عام طور پر مفت میں یہ اختیار دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا اس لئے بیعانہ دینے کی نوبت آتی ہے۔

۳۔ بعض مرتبہ خریدار کسی دُکاندار یا کمپنی کو سامان خریدنے کا آرڈر دیتا ہے لیکن اس کے پاس وہ سامان تیار شکل میں موجود نہیں ہوتا۔ وہ خریدار کے آرڈر اور اس کی بیان کردہ شرائط واوصاف کے مطابق مال تیار کرتا ہے لیکن اسے اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ مال تیار ہونے کے بعد خریدار اسے لینے سے انکار نہ کردے، ایسی صورت میں وہ اپنے تحفظ اور اپنے آپ کو ضرر سے بچانے کے لئے بیعانہ کا مطالبہ کرتا ہے۔[1]

۴۔ اس کے علاوہ آج کل عام طور پر جتنے بھی بڑی رقم کے سودے ہوتے ہیں، جیسے پلاٹ یا گاڑی کی خرید وفروخت، اس میں بیعانہ دیا جاتا ہے اور پیشِ نظر یہ ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک فریق انکار کردے، جس کی وجہ سے دُوسرے فریق کو نقصان کا سامنا ہو۔

---

(۱) بیع العربون المصری (الدکتور رفیق یونس المصری) بحث المجلة مجمع الفقه الاسلامی (العالمی) جدة الدورة الثامنة ص: ۳۲.

بیع العربون سے ملتی جلتی صورتیں

اب ہم چند ایسی صورتیں اور ان کا حکم بیان کرتے ہیں جو ظاہری اعتبار سے بیع العربون سے ملتی جلتی ہیں البتہ کسی باریک فرق کی وجہ سے اس سے قدرے مختلف ہیں۔

الف- بیع الخیارات (Option Sale)

خیارات، خیار کی جمع ہے اور یہاں پر خیار سے مراد ''کسی کا خاص چیز کو خاص قیمت پر خاص مدّت تک خریدنے یا بیچنے کا حق ہے۔''

ڈاکٹر محمد القری بن عبد ''خیار'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

الخیار فی عرف التعامل المالي: هو حق شراء أو بيع سلعةٍ ما في تاريخ محدد بسعرٍ متفق عليه سلفًا.[1]

ترجمہ:- مالیات کے لین دین کے عرف میں خیار سے مراد کسی مقرّرہ تاریخ تک مقرّرہ قیمت پر کسی چیز کو خریدنے اور بیچنے کا حق ہے۔

خیارات کی بہت سی اقسام ہیں، لیکن ان میں درج ذیل تین اقسام زیادہ معروف ہیں:-

۱- خیارالطلب (Call Option)

خیار الطلب سے مراد کسی چیز کو خریدنے کا حق ہے، مثلاً زید کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بکر سے تین ماہ تک جب چاہے رُوئی کی ہزار گانٹھیں خریدے، اس عرصے میں زید جب بھی بکر سے طلب (Call) کرے گا، بکر مطلوبہ گانٹھیں دینے کا پابند ہوگا، لیکن زید کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اس مدّت میں یہ گانٹھیں خریدے بلکہ اسے اختیار ہے کہ چاہے تو خریدے ورنہ نہ خریدے۔

۲- خیارالدفع (Put Option)

خیار الدفع سے مراد کسی چیز کو بیچنے کا حق ہے، یہ پہلے خیار کی ضد ہے۔ اس میں

---

(۱) الأسواق المالية، بحث في مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد السادس، الجزء الثاني ۱۴۱۰ھ-۱۹۹۰م ص: ۱۶۰۵.

بیچنے والے شخص کو تو خیار حاصل ہوتا ہے لیکن خریدار کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے۔ مثلاً زید نے ساٹھ روپے کا ایک ڈالر خریدا۔ وہ اس کشمکش میں ہے کہ اگر یہ اپنے پاس رکھوں تو اس کی قیمت گرنے کا احتمال ہے اور اگر ابھی فروخت کردوں تو ہوسکتا ہے کہ آئندہ قیمت بڑھ جائے اور میں نفع سے محروم رہوں۔ بکر اسے اطمیناں دلاتا ہے کہ یہ ڈالر تم اپنے پاس رکھو، میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ تین ماہ تک تم سے یہ ڈالر ساٹھ روپے میں خرید لوں گا۔ اس صورت میں زید کو یہ ڈالر فروخت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے، لیکن اگر وہ بیچے تو بکر کے لئے اس کا خریدنا ضروری ہے۔

۳- خیار المرکب (Stradle Option)

خیار المرکب سے مراد خریدنے اور بیچنے (دونوں) کا اختیار ہے، بعض مرتبہ لوگ دونوں اختیار لے لیتے ہیں، مثلاً زید نے بکر سے معاملہ کر کے بیچنے کا خیار لے لیا اور خالد سے معاملہ کر کے خریدنے کا خیار لے لیا۔

اب وہ بازار کے بھاؤ دیکھتا ہے، اگر چیز کی قیمت بڑھ رہی ہو تو بیچنے کا خیار استعمال کرتا ہے جس سے خوب نفع حاصل کرتا ہے اور اگر قیمت گر رہی ہو تو خریدنے کا خیار استعمال کر کے کم قیمت پر مطلوبہ چیز استعمال کر لیتا ہے۔[1]

خیار فراہم کرنے کی فیس

خیارات کے اندر جب کوئی فرد یا کمپنی کسی شخص کو خیار فراہم کرتی ہے تو وہ اس پر کچھ فیس لیتی ہے، بعض مرتبہ خیار حاصل کرنے والا شخص اس خیار کو آگے فروخت کر دیتا ہے اور اس سے فیس وصول کرتا ہے۔

بیع العربون سے مشابہت

بیع الخیارات اس اعتبار سے بیع العربون کے مشابہ ہے کہ اس میں ایک فریق کو

---

(۱) الأسواق المالية، بحث في مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد السادس، الجزء الثاني ۱۴۱۰ھ-۱۹۹۰ء ص: ۲۰۵.

عقد مکمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار رہتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ بیع العربون میں عقد ہونے کی صورت میں دیا گیا بیعانہ قیمت کا حصہ شمار ہوتا ہے جبکہ بیع الخیارات میں دی گئی فیس محض خیار کا عوض ہوتی ہے، عقد ہونے پر ادائیگی الگ سے کرنی پڑتی ہے۔

بیع الخیارات کا حکم

بیع الخیارات دراصل ایک حق کی بیع ہے جو ایک فریق دُوسرے کو مہیا کرتا ہے اور ''حق'' حاصل کرنے والا شخص دراصل یہ ''حق'' اس لئے خریدتا ہے تاکہ اسے آئندہ کسی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ گویا یہ حق ''دفعِ ضرر'' کے لئے خریدا گیا ہے ورنہ اصالۃً کسی شخص کو ایسا کوئی حق حاصل نہیں جس کی وجہ سے دُوسرا کوئی آدمی اسے کوئی چیز بیچنے یا خریدنے کا پابند کرسکے۔ اور ایسے حقوق جو اصالۃً مشروع نہیں ہوتے بلکہ دفعِ ضرر کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں اُن کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ علامہ خالد الاتاسی لکھتے ہیں:-

إن عدم جواز الاعتياض عن حقوق المجردة ليس علىٰ إطلاقه بل فيه التفصيل، وهو أن ذٰلك الحق المجرد إن كان الشرع جعله لصاحبه لدفع الضرر عنه كحق الشفعة وحق القسم للزوجة وحق الخيار للمخيرة فالاعتياض عنه بمال لا يجوز .... لأن صاحب الحق لما رضي علم أنه لا يتضرر بذٰلك، فلا يستحق شيئاً.[1]

ترجمہ:- حقوقِ مجرّدہ کی خرید وفروخت کے عدمِ جواز کا حکم علی الاطلاق نہیں بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ حقوق جو اصالۃً مشروع نہیں، بلکہ دفعِ ضرر کے لئے ان کی اجازت دی گئی ہے، جیسے حقِ شفعہ، عورت کے لئے باری کا حق اور اپنے اُوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رکھنے والی عورت کا اختیار، ان حقوق کی خرید وفروخت جائز نہیں .....

---

(۱) شرح المجلة، الأتاسي (محمد خالد الأتاسي) كوئته، مكتبة اسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۳ھ (۱۲۱/۲).

کیونکہ ان صورتوں میں جب صاحب حق اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہوگیا تو معلوم ہوا کہ اس حق کے نہ ملنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے لہٰذا وہ کسی اُجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

ب- بیع نہ ہونے پر بیعانہ کی واپسی

دُوسری صورت یہ ہے کہ بیع کے وقت خریدار بائع کو اس شرط پر بیعانہ دے کہ اگر بعد میں عقد ہوجائے تو یہ بیعانہ قیمت کا حصہ بن جائے گا، لیکن اگر بیع نہ ہوسکی تو بائع یہ رقم واپس کردے گا۔

اس بیع کے اندر بھی اگرچہ غرر ہے کہ قیمت کا حصہ پہلے دینے کی وجہ سے خریدار کو سامان خریدنے یا نہ خریدنے کا اختیار مل رہا ہے لیکن یہ غرر قلیل ہے اس لئے یہ معاملہ جائز ہے۔

علامہ باجیؒ فرماتے ہیں:-

أمّا العربان الذی لم ینه عنه فهو أن یبتاع منه ثوبًا أو غیره بالخیار فیدفع إلیه الثمن مختومًا علیه إن کان مما لا یعرف بعینه علیٰ إن رضی البیع کان من الثمن وإن کره رجع إلیه لک لأنه لیس فیه خطر یمنع صحته وإنما فیه تعیین للثمن أو بعضه.[1]

ترجمہ:- بیع العربون کی وہ صورت جس سے منع نہیں کیا گیا، یہ ہے کہ کوئی شخص دُوسرے سے کچھ رقم خواہ وہ متعین طور پر معلوم نہ ہو، دے کر اس اختیار کے ساتھ خریدے کہ اگر وہ بیع پر راضی ہوا تو یہ رقم قیمت کا حصہ بن جائے گی اور اگر اس نے معاملہ کرنا پسند نہ کیا تو یہ رقم واپس لے لے گا، (یہ بیع اس لئے جائز ہے کہ) اس میں کوئی ایسا

(۱) المنتقی مع المؤطأ للامام مالک بن أنس (۴:۱۵۷، ۱۵۸).

خطر نہیں پایا جاتا جو بیع صحیح ہونے کے لئے مانع ہو، اس میں صرف قیمت یا اس کا کچھ حصہ متعین کیا جاتا ہے۔

علامہ ابنِ عبدالبر کی رائے یہ ہے کہ حضرت زید بن اسلمؒ کی روایت، جس میں بیع العربون کی اجازت وارِد ہے اس سے یہی بیع مراد ہوسکتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

ویحتمل أن یکون بیع العربان الذی أجازه رسول صلی الله علیه وسلم، لو صحّ عنه أن یجعل العربان عن ثمن سلعته إن تم البیع وإلا ردّه وهذا وجه جائز عند الجمیع۔

ترجمہ:- جس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع العربون کی اجازت منقول ہے، اگر وہ روایت صحیح ہوتو ہوسکتا ہے اس سے مراد وہ بیع ہو کہ جس میں بائع کو بیعانہ اس شرط میں دیا جائے کہ اگر بیع ہوگئی تو یہ قیمت کا حصہ بن جائے گی ورنہ خریدار بیعانہ کی رقم واپس لے لے گا، اور یہ صورت تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

اس کے بعد وہ اس بیع کے جواز میں اِمام مالک کا قول یوں نقل کرتے ہیں:-

قال مالک فی الرجل یبتاع ثوبًا من رجل فیعطیه عربانًا علٰی أن یشتریه فإن رضیه أخذه وإن سخطه ردّه وأخذ عربانه، أنّه لا بأس۔

آخر میں اس بیع کے جواز کے بارے میں عدم اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

لاأعلم فیه خلافًا۔

ترجمہ:- اس بیع کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف میرے علم میں نہیں۔(۱)

ج- بیع دوبارہ ہونے پر کچھ رقم دینا

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے سامان خریدے اور بیع مکمل ہونے کے

(۱) الاستذکار شرح المؤطأ (۱۱/۱۹)۔

بعد وہ اس سامان کو واپس کرنا چاہے تو بائع اس شرط کے ساتھ سامان واپس لے کہ خریدار اسے کچھ رقم بھی دے۔ اگر پہلی بیع مکمل ہوچکی ہو اور خریدار نے قیمت کی ادائیگی بھی کر دی ہو تو چونکہ یہ نئی بیع ہے لہٰذا حنفیہ کے ہاں جائز ہے اور حنفیہ کے اُصول کے مطابق "شراء ما باع باقل ممّا باع قبل نقد الثمن" (قیمت کی ادائیگی سے پہلے بیچی گئی چیز کو قیمتِ فروخت سے کم پر خریدنے) کی خرابی لازم نہیں آرہی، اس لئے یہ بیع جائز ہے۔

ابنِ قدامہؒ لکھتے ہیں:-

وقال سعید بن المسیب وابن سیرین: لا بأس إذا کرہ السلعة أن یردّ معها شیئاً.(۱)

ترجمہ:- سعید بن المسیّب اور ابنِ سیرین فرماتے ہیں کہ اگر خریدار سامان کو ناپسند کر کے واپس کردے اور اس کے ساتھ کچھ رقم بھی دے دے تو یہ جائز ہے۔

اِمام احمد بن حنبلؒ نے بیع العربون کو اس لئے بھی جائز قرار دیا ہے کہ ان کے نزدیک بیع العربون اور یہ صورت ایک جیسی ہے، چنانچہ سعید بن المسیّب اور ابنِ سیرین کا قول نقل کرنے کے بعد ابنِ قدامہؒ فرماتے ہیں:-

قال أحمد: هذا معناه.(۲)

احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ بیع العربون بھی اُسی کی طرح ہے۔

(۱و۲) المغنی لابن قدامة (۳۳۱/۶).

بیع الحصاۃ
(کنکر پھینکنے سے بیع ہو جانا)

اسے "بیع بالقاءِ الحجر" بھی کہا جاتا ہے۔ اس بات پر ائمہ اَربعہ کا اتفاق ہے کہ بیع الحصاۃ ناجائز ہے۔ احادیث میں بھی اس کی صریح ممانعت موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:-

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة والغرر.(۱)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصاۃ اور بیع الغرر سے منع فرمایا۔

البتہ اس کی تفسیر میں مذاہبِ اربعہ کے فقہاء کے درمیان قدرے اختلاف موجود ہے، ذیل میں اسے قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

بیع الحصاۃ کی تفسیر مذاہبِ اَربعہ میں

حنفیہ

فقہائے حنفیہ کے ہاں عام طور پر اس کے لئے "بیع بالقاءِ الحجر" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں اس کی دو تعریفیں زیادہ معروف ہیں۔ صاحب الہدایہ علامہ مرغینانی، علامہ ابنِ نجیم اور علامہ شیخی زادہ وغیرہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:-

---

(۱) صحيح مسلم، البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذى فيه غرر، حديث: (۳۶۹۱)

...... صحيح ابن حبان، حديث: (۴۹۷۷).

...... ابوداؤد، البيوع، حديث (۳۳۷۲).

......جامع الترمذي، البيوع، حديث: (۱۲۳۳).

...... سنن ابن ماجة، التجارات، حديث: (۲۱۹۴).

...... مسند أحمد بن حنبل في مسند أبي هريرة ج:۲ ص: ۳۷۶، ۴۳۶، ۴۳۹، ۴۹۶.

هو أن يتراوضا على سلعة فإذا وضع المشتري عليها حصاة لزم البيع.

ترجمہ:- متعاقدین آپس میں کسی ایک چیز کا بھاؤ لگا رہے ہوں کہ اچانک خریدار اس پر ایک پتھر رکھ دے، جس کے نتیجے میں یہ بیع لازم ہو جائے۔ (۱)

جبکہ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے درج ذیل تعریف کی ہے:-

أن يلقى حصاة وثمه الأثواب فأى ثوب وقع عليه كان المبيع بلا تأمل.

ترجمہ:- (متعاقدین کے بھاؤ لگانے کے دوران) بہت سے کپڑے (یعنی بیچی جانے والی چیزیں) موجود ہوں، اور اس شرط کے ساتھ پتھر پھینکا جائے کہ ان میں سے جس کپڑے پر بھی پتھر گر جائے، تو اس کپڑے کی بیع لازم ہو جائے گی۔ (۲)

ذکر کردہ دونوں تعریفوں میں حقیقت کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں مبیع پر پتھر رکھنے سے بیع لازم ہو جاتی ہے البتہ صورتِ مسئلہ میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ پہلی صورت میں صرف ایک ہی چیز سامنے تھی اور اس کا بھاؤ لگایا جا رہا تھا، لیکن مشتری نے جب اس پر پتھر رکھ دیا تو وہ بیع لازم ہو گئی جبکہ دوسری صورت میں بیچی جانے والی اشیاء بہت سی ہیں اور ان میں سے جس پر پتھر رکھا گیا، اس کی بیع لازم ہو گئی۔

---

(۱) الهداية مع فتح القدير (٥٥/٦).

.. وأيضًا في البحر الرائق، ابن نجيم (زين الدين ابن نجيم الحنفي) بيروت، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ-١٩٩٧م (١٢٩/٦).

.. مجمع الأنهر، شيخي زاده (عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليولي المعروف بشيخي زاده المتوفي ١٠٧٨هـ) بيروت، لبنان، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ-١٩٩٨م (٨٢/٣).

(٢) فتح القدير لابن الهمام (٥٥/٦).

مالکیہ

علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ نے بیع الحصاۃ کی دو تعریفیں کی ہیں۔

پہلی تعریف یہ ہے:-

أن يستام الرجل السلعة وبيد أحدهما حصاة، فيقول لصاحبه: إذا سقطت الحصاة من يدي، فقد وجب البيع بيني وبينك.

ترجمہ:- دو شخص آپس میں کسی چیز کا بھاؤ لگا رہے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے پاس کنکر ہو، وہ اپنے ساتھی سے کہے کہ اگر میرے ہاتھ سے کنکر گر گیا تو میرے اور آپ کے درمیان بیع لازم ہو جائے گی۔

دوسری تعریف یہ ہے:-

أن تكون السلعة منثورة، فيرى المبتاع الحصاة، فإذا وقعت عليه، وجبت له بما سميا من الثمن.[1]

ترجمہ:- بیچا جانے والا سامان سامنے پھیلا ہوا ہو، خریدار اس پر ایک کنکر پھینکے، جونہی یہ کنکر اس سامان پر گرے تو مقرر کردہ قیمت کے مطابق یہ بیع مکمل ہو جائے۔

علامہ باجی مالکیؒ نے ذکر کردہ تعریفات میں سے پہلی تعریف کو اختیار فرمایا ہے، البتہ اس بات کی صراحت کی ہے کہ اس میں کنکر بائع کے ہاتھ میں ہو۔[2] جبکہ علامہ ابنِ رشد کی بیان کردہ تعریف میں کنکر والا شخص عام ہے خواہ بائع ہو یا مشتری۔

---

(۱) المقدمات الممهدات، ابن رشد (أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي المتوفى ۵۲۰هـ) بتحقيق الدكتور محمد حجي بيروت، دار الغرب الإسلامي، الطبعة الأولى ۱۴۰۸هـ ۱۹۸۸م (۶۲/۲)

(۲) المنتقى شرح الموطأ، الباجي (أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجي ۴۰۳هـ-۴۹۴هـ) مصر، مطبعة السعادة، الطبعة الأولى ۱۳۳۱هـ (۴۲:۵)

مالکیہ کی بیان کردہ تعریفات اگرچہ ظاہری تشریح کے اعتبار سے قدرے مختلف ہیں، لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں اتفاق ہے، وہ یہ کہ کنکر گرنے سے بیع لازم ہو جائے گی۔

شافعیہ

علامہ رملی شافعیؒ نے بیع الحصاۃ کی تین تعریفات ذکر کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:-

بأن يقول بعتک من هذه الأثواب ما تقع هذه الحصاة عليه أو يجعلا الرمي لها بيعًا أو بعتک ولک أو لنا الخيار إلى رميها.(۱)

ترجمہ:- پہلی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے یہ کہے کہ ان کپڑوں میں جس کپڑے پر آپ کا کنکر گر جائے، میں وہ آپ کو فروخت کرتا ہوں۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ وہ کنکر گرنے کو ہی بیع قرار دیں یعنی بائع خریدار سے یوں کہے کہ جب تمہارا کنکر اس کپڑے پر لگ جائے تو یہ چیز تمہاری ہو جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بائع خریدار سے یوں کہے کہ میں نے تجھے فلاں چیز بیچ دی لیکن جب تک کنکر اس پر نہ گرے تو اس وقت تک مجھے یا تجھے یا ہم میں سے ہر ایک کو بیع لازم کرنے کا اختیار ہے (گویا یہ بھی تین صورتیں بن گئیں کہ اختیار یا تو صرف بائع کو ہو یا صرف مشتری کو ہو یا دونوں کو ہو، تینوں صورتوں میں یہ بیع الحصاۃ کہلائے گی)۔

شوافع کی بیان کردہ تعریفات بھی حقیقت کے اعتبار سے حنفیہ اور مالکیہ کی مذکورہ تعریفات سے ملتی ہیں البتہ تیسری تعریف میں یہ بات زائد ہے کہ کنکر پھینکنے سے حاصل

---

(۱) نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، الرملي (شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة بن شهاب الدين الرملي المتوفى ۱۰۰۴ھ) بيروت، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الأولى ۱۳۵۸ھ-۱۹۳۹م (۳/۴۴۳).

شدہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم اس قسم کی زیادتی سے اس حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا اس لئے کہ اس اضافے کا حاصل یہ ہے کہ بیع پہلے ہو جاتی ہے لیکن وہ لازم نہیں ہوتی جب کنکر پھینکا جاتا ہے تو یہ بیع لازم ہو جاتی ہے، جبکہ دوسری تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ پہلے بیع ہوتی ہی نہیں لیکن کنکر پھینکنے سے سے بیع لازم ہو جاتی ہے۔

حنابلہ

علامہ ابنِ قدامہؒ نے المغنی کے اندر بیع الحصاۃ کی تین تعریفات فرمائی ہیں:-

پہلی تعریف

أن یقول: بعتک من ھذہ الأرض مقدار ما تبلغ ھذہ الحصاۃ، إذا ر میتھا کذا.

ترجمہ:- ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ اس زمین پر کنکر پھینکتے وقت جہاں تک میرا کنکر پہنچے، وہاں تک کی زمین میں نے اتنی قیمت میں تجھے بیچ دی۔

دوسری تعریف

أن یقول: بعتک ھذا بکذا علی أنی متی رمیت ھذہ الحصاۃ، وجب البیع.

ترجمہ:- (بائع خریدار سے) کہے کہ میں نے تجھے یہ چیز اتنی قیمت پر اس شرط پر فروخت کی کہ جب میں یہ کنکر پھینکوں تو بیع لازم ہو جائے گی۔

تیسری تعریف

أن یقول: ارم ھذا الحصاۃ، فعلی أیِّ ثوب وقعت فھو بک بدرھم.[1]

---

(۱) المغنی، ابن قدامۃ (موفق الدین أبو محمد عبداللہ بن أحمد بن محمد بن قدامۃ) ریاض، دار عالم الکتب، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۱۷ھ–۱۹۹۷م (۲۹۸/۶).

ترجمہ:- (بائع خریدار سے) کہے کہ یہ کنکر پھینکو، پس جس کپڑے پر یہ کنکر گر گیا وہ ایک درہم کے بدلے میں تیرا ہے۔

علامہ ابن قدامہ کی بیان کردہ تعریفات بھی حقیقت کے اعتبار سے ذکر کردہ دیگر تعریفات سے الگ نہیں۔ البتہ ابنِ قدامہؒ کی بیان کردہ پہلی تعریف میں تشریح کے اعتبار سے ایک نمایاں فرق ہے، وہ یہ کہ اس میں کنکر پھینکنے والے سے لے کر کنکر پہنچنے کی مقدار تک کو مبیع (بیچی جانے والی چیز) کی مقدار قرار دیا گیا ہے، جبکہ دیگر تعریفات میں یہ بات موجود نہیں۔

بیع الملامسۃ
(چھونے سے بیع ہوجانا)

اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ "بیع الملامسۃ" ناجائز ہے۔ علامہ ابنِ قدامہؒ بیع الملامسۃ اور بیع المنابذۃ کے عدمِ جواز کے بارے میں عدمِ اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ولا نعلم بين أهل العلم خلافًا في فساد هذين البيعين.[1]

ترجمہ:- ان دونوں معاملات کے ناجائز ہونے میں اہلِ علم کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں۔

احادیث کے اندر بھی اس بیع کی ممانعت وارد ہوئی ہے، چنانچہ چند روایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- عن أبي هريرة أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الملامسة.[2]

---

(۱) المغني لابن قدامة (۲۹۷/۶).

(۲) مسلم، البيوع، باب ابطال بيع الملامسة والمنابزة حديث: (۳۷۷۴، ۳۷۷۵، ۳۷۷۶، ۳۷۷۷).

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الملامسہ سے منع فرمایا۔

۲- عن أبي هريرة رضي الله عنه أنّه قال: نهي عن بيعتين الملامسة و المنابذة.[1]

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے دو معاملات یعنی بیع الملامسہ اور بیع المنابذہ سے منع فرمایا۔

۳- عن أبي سعيدن الخدري قال: نهانا رسول صلى الله عليه وسلم عن بيعتين ولبستين، نهى عن الملامسة و المنابذة في البيع.[2]

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیع کے دو قسم کے معاملات اور دو قسم کے لباس سے منع فرمایا، بیع کے اندر ملامسۃ اور منابذۃ سے منع فرمایا۔

بیع الملامسۃ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ اور ائمہ اربعہ کے درمیان بھی اس کی حقیقت کے بیان میں قدرے اختلاف واقع ہوا ہے۔ ذیل میں صحابہ کرامؓ اور فقہائے کرام سے مروی چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام سے مروی اقوال

۱- صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ:-

الملامسة لمس الثوب لا ينظر اليه.[3]

(۱) صیح مسلم: البیوع، حدیث: (۳۷۷۸)، صحیح البخاری: البیوع، باب بیع المنابذۃ، حدیث: (۲۱۴۵ . ۲۱۴۶)، جامع الترمذی البیوع، حدیث (۱۳۱۰)

(۱) الصحیح لمسلم، البیوع، حدیث: (۳۷۷۹، ۳۷۸۰)، صحیح البخاری البیوع، حدیث: (۲۱۴۷)

(۳) صحیح البخاری، البیوع، باب بیع الملامسۃ، حدیث (۲۱۴۴).

ترجمہ:- بیع الملامسہ وہ بیع ہے جس میں کپڑے کو چھونے سے بیع ہوجاتی ہے، اس کی طرف دیکھا نہیں جاتا (یعنی ایجاب وقبول بھی نہیں ہوتا اور مبیع کو بھی نہیں دیکھا جاتا، محض چھونے سے بیع لازم ہوجاتی ہے)۔

۲- صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے اسی سے ملتی جلتی ایک اور تفسیر بھی مروی ہے وہ یہ ہے:-

الملامسة لمس الرجل ثوب الآخر بيده بالليل أو بالنهار ولا يقلبه اِلّا بذلك۔[۱]

ترجمہ:- بیع ملامسہ وہ بیع ہے کہ جس میں ایک آدمی کے چھونے سے بیع لازم ہوجاتی ہے خواہ رات کو چھوئے یا دن کو اور چھونے کے علاوہ اسے کچھ اُلٹاتا پلٹاتا نہیں۔

ان دونوں تعریفوں کا حاصل یہی ہے کہ مبیع کو دیکھے بغیر محض چھونے سے بیع ہوجاتی ہے۔

۳- حضرت ابوہریرہؓ سے یہ تفسیر مروی ہے:-

الملامسة أن يلمس كل واحد منهما ثوبه، بغير تأمل۔[۲]

ترجمہ:- بیع ملامسہ وہ ہے جس میں عاقدین میں سے ہر ایک دُوسرے کے کپڑے کو بلا تأمل چھوتا ہے اور اسی چھونے سے بیع ہوجاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ تفسیر اس بات میں تو پہلی دونوں تفسیروں کے ساتھ مشترک ہے کہ اس میں بھی محض چھونے سے بیع مکمل ہورہی ہے اور ان میں بھی محض چھونے سے بیع مکمل ہونے کا ذکر ہے، البتہ ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اس تفسیر میں عاقدین (بیچنے والا اور خریدار) دونوں کے چھونے کے بعد بیع مکمل ہوتی ہے جبکہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی تفاسیر میں صرف ایک عاقد کے چھونے سے بیع مکمل ہوجاتی ہے۔

(۱و۲) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث: (۳۷۷۹)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفسیر راجح ہے کیونکہ اس میں "ملامسۃ" کے لفظ کو بنیاد بنا کر تفسیر کی گئی ہے۔ ملامسہ باب مفاعلہ سے ہے جس کی ایک صفت تشارک ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ فعل دونوں جانب سے پایا جائے اور یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں پائی جارہی ہے۔[1]

فقہائے کرام سے مروی اقوال

حنفیہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع الملامسۃ کی تعریف یہ ہے:-

أن يقول أبيعک هذا المتاع بكذا فإذا لمستک وجب البيع أو يقول المشتري كذلک۔[2]

ترجمہ:- بائع خریدار سے یوں کہے میں تجھے یہ سامان اتنے میں بیچتا ہوں، پس جب میں تجھے چھوؤں گا تو بیع لازم ہو جائے گی، یا اسی طرح مشتری کہے (کہ میں تجھ سے یہ سامان اتنے میں خریدتا ہوں، پس جب میں تجھے چھوؤں گا تو بیع لازم ہو جائے گی)۔

صاحب ہدایہ علامہ ابوبکر مرغینانی رحمہ اللہ نے یہ تعریف کی ہے:-

هو أن يتراوض الرجلان على سلعة أي يتساومان فإذا لمسها المشتري لزم البيع.[3]

ترجمہ:- بیع الملامسۃ یہ ہے کہ دو آدمی کسی سامان پر بھاؤ تاؤ لگا رہے ہوں پس جب خریدار اس سامان کو چھوئے تو بیع لازم ہو جائے۔

---

(۱) فتح الباري، العسقلاني (احمد بن علي ابن حجر العسقلاني) لاهور، دار نشر الكتب الاسلامية، لاهور، الطبعة الأولى ۱۴۰۱هـ-۱۹۸۱م (۴: ۳۵۹)، وهذا التفسير أقعد بلفظ الملامسة لأنها مفاعلة فتستدعي وجود الفعل من الجانبين.

(۲) عمدة القاري، العيني (الإمام بدر الدين العيني) بيروت، دار الفكر، (۱۱: ۲۶۴)

(۳) الهداية شرح بداية المبتدي، المرغيناني (برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۷هـ (۵: ۱۰۴).

مالکیہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیع الملامسۃ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

والملامسة أن يلمس الرجل الثوب ولا ينشره ولا يتبين ما فيه أو يبتاعه ليلا ولا يعلم ما فيه.[1]

ترجمہ:- بیع ملامسۃ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کپڑے کو چھوئے، (اور اس سے بیع لازم ہو جائے) نہ اسے پھیلائے اور نہ یہ تحقیق کرے کہ اس میں کیا عیب ہے، یا رات کو خریدے اور یہ نہ جانے کہ اس میں کیا عیب ہے (صرف اس کے چھونے سے ہی بیع ہو جائے)۔

شافعیہ

امام شافعیؒ سے بیع ملامسۃ کی درج ذیل تعریف مروی ہے:-

أن يأتي بثوب مطوی أو في ظلمة فيلمسه المستام فيقول له صاحب الثوب بعتكه بكذا بشرط أن يقوم لمسك مقام نظرك ولا خيار لك اذا رأيته.[2]

ترجمہ:- بیچنے والا شخص ایک لپٹا ہوا کپڑا لے آئے یا اندھیرے میں کپڑا لے آئے، بولی لگانے والا اس پر بولی لگائے، تو بیچنے والا شخص اس سے کہے کہ میں نے یہ کپڑا اتنے میں اس شرط پر بیچ دیا کہ تمہارا چھونا ہی دیکھنے کے قائم مقام ہوگا، لہذا جب تو اسے دیکھے گا تو تجھے کوئی خیار رؤیت حاصل نہیں ہوگا۔

اس کے علاوہ شوافع سے دو اور تعریفات بھی مروی ہے جنھیں علامہ نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے۔[3]

---

(۱) كتاب المؤطا، مالك (الامام مالك بن انس) كراچي، نور محمد كارخانه تجارت، الطبعة الأولى ص: ۶۰۰۔

(۲) فتح الباری لابن حجر (۳۰۹:۴)۔

(۳) شرح النووی مع صحیح مسلم (۱۰:۵۵)۔

امام شافعیؒ کی بیان کردہ تعریف اور گزشتہ تعریفوں کی اصل حقیقت میں کوئی فرق نہیں البتہ ظاہری تعبیر میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ وہاں مبیع کو چھونے سے بیع لازم ہوجاتی ہے جبکہ اس تعریف کے مطابق مبیع کو چھونا اس کے دیکھنے کے مترادف ہے لہٰذا بعد میں دیکھنے کے وقت خریدار کو خیار رؤیت حاصل نہیں ہوتا۔

حنابلہ

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے بیع الملامسہ کی تعریف یوں کی ہے:-

والملامسة، أن يبيعه شيئًا و لا يشاهده، علىٰ أنه متى لمسه وقع البيع.

ترجمہ:- کوئی شخص کسی چیز کا مطالبہ کئے بغیر اس شرط پر بیچے کہ جب اسے چھوئے گا تو بیع لازم ہوجائے گی۔

علامہ ابن قدامہؒ یہ تعریف ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

هٰذا ظاهر كلام أحمد، ونحوه قال مالك والأوزاعي.(۱)

ترجمہ:- امام احمد بن حنبل کا ظاہرِ کلام بھی یہی ہے اور امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ نے بھی اس جیسی تعریفات کی ہیں۔

علامہ ابن قدامہؒ کی بیان کردہ تعریف بھی حقیقت کے اعتبار سے گزشتہ تعریفات سے مختلف نہیں۔

بیع المنابذۃ
(مبیع پھینک کر بیع کرنا)

بیع الملامسة کی طرح بیع المنابذة کے عدم جواز پر بھی ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، کتب حدیث اور فقہی کتابوں میں عام طور پر بیع الملامسہ اور بیع المنابذۃ کا ذکر ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ بیع المنابذۃ سے متعلق وارد ہونے والی روایات تقریباً وہی ہیں جو بیع الملامسۃ

---

(۱) المغني. لابن قدامة : ۲ / ۲۹۸

کے ذیل میں بیان ہوئیں۔ بیع المنابذۃ کی تفاسیر بھی صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کے مذاہب میں منقول ہیں جنھیں ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ سے مروی اقوال

۱- حضرت ابو سعید خدریؓ سے بیع المنابذۃ کی تین تعریفیں مروی ہیں، پہلی تعریف یوں ہے:-

المنابذة هي: طرح الرجل ثوبه بالبيع إلى الرجل قبل أن يقلبه أو ينظر إليه.[1]

ترجمہ:- بیع المنابذۃ یہ ہے کہ کوئی آدمی کپڑے کو اُلٹائے یا دیکھے بغیر دُوسرے کی طرف بیچنے کیلئے پھینک دے۔

دُوسری تعریف یوں ہے:-

أن ينبذ الرجل إلى الرجل بثوبه، ينبذ الآخر إليه ثوبه، ويكون ذلك بيعهما من غير نظر ولا تراض.[2]

ترجمہ:- ایک آدمی دُوسرے آدمی کی طرف کپڑا پھینکے اور دُوسرا شخص اس کی طرف اپنا کپڑا پھینکے اور کپڑے کو دیکھے اور رضامندی ظاہر کئے بغیر محض یہ دیکھنا ہی ان کے درمیان بیع قرار پائے۔

تیسری تعریف یہ ہے:-

أن يقول إذا نبذت إليك الشيء، فقد وجب البيع بيني وبينك.[3]

ترجمہ:- بائع خریدار سے یوں کہے کہ جب میں تمہاری طرف فلاں چیز پھینک دوں تو میرے اور تمہارے درمیان بیع لازم ہوجائے گی۔

۲- حضرت ابو ہریرۃؓ سے بھی بیع المنابذۃ کی تین تعریفات مروی ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، البيوع، حديث: (۱۵۵۲)، سنن النسائي، البيوع، حديث: (۴۴۳۰).

(۲) صحيح مسلم، البيوع، حديث: (۳۷۷۸).

(۳) سنن النسائي، بحواله بالا

پہلی تعریف یہ ہے:-

المنابذة أن يقول: أنبذ ما معي وتنبذ ما معك. يشتري أحدهما من الآخر، ولا يدري كل واحدٍ منهما كم مع الآخر.[۱]

ترجمہ:- ایک شخص دُوسرے سے یہ کہے کہ جو میرے پاس ہے، وہ میں پھینکتا ہوں اور جو تیرے پاس ہے، وہ تو پھینک تا کہ ہر ایک اس چیز کو خریدے جو دُوسرے کے پاس ہے حالانکہ ان میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں کہ دُوسرے کے پاس کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی دُوسری تعریف یہ ہے:-

المنابذة أن ينبذ كل واحد من المتبايعين ثوبه إلى الآخر، ولم ينظر واحد منها إلى ثوب صاحبه.[۲]

ترجمہ:- بیع منابذۃ یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک دُوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینکے جبکہ ان میں سے کسی نے بھی دُوسرے کا کپڑا نہیں دیکھا۔

یہی تعریف الفاظ کے فرق کے ساتھ سنن نسائی میں اس طرح مذکور ہے:-

المنابذة أن ينبذ الرجل إلى الرجل الثوب فينبذ الآخر إليه الثوب، فيتبايعا على ذلك.[۳]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بیع منابذۃ کی تیسری تعریف وہی ہے کہ جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[۴]

---

(۱) صحيح مسلم، بحواله بالا.

(۲،۳) سنن النسائي، بحواله بالا.

(۴) جامع الترمذي، البيوع، حديث: (۱۲۳۵).

فقہائے کرام سے مروی اقوال

حنفیہ

علامہ ابنِ عابدین شامیؒ بیع المنابذہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

والمنابذة أن ينبذ كل واحد منها ثوبه إلى الآخر ولا ينظر كل واحد منهما إلى ثوب صاحبه على جعل النبذ بيعًا.[1]

ترجمہ:- بیع المنابذہ یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینکے اور کوئی ایک دوسرے کے کپڑے کی طرف نہ دیکھے صرف کپڑا پھینکنے سے ہی بیع ہو جائے۔

علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:-

هو أن يتراوض الرجلان على سلعة أى يتساومان فإذا نبذها إليه البائع لزم البيع.[2]

ترجمہ:- بیع منابذہ یہ ہے کہ دو آدمی کسی سامان پر بولی لگا رہے ہوں کہ اچانک بائع خریدار کی طرف وہ چیز پھینک دے تو اس سے بیع لازم ہو جائے۔

مذکورہ دونوں تعریفات حقیقت کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں کہ دونوں میں مبیع کے پھینکنے سے بیع لازم ہو رہی ہے، البتہ دونوں میں اتنا فرق ہے کہ علامہ شامیؒ کی بیان کردہ تعریف میں عاقدین میں سے ہر ایک اپنی مبیع کو پھینکتا ہے، جبکہ علامہ مرغینانی کی بیان کردہ تعریف کے مطابق صرف بائع اپنی مبیع کو پھینکتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامیؒ کی بیان کردہ تعریف زیادہ راجح ہے کیونکہ اسم میں لفظ ''منابذة'' کی رعایت زیادہ ہے اس کی وجہ وہی ہے جو بیع الملامسۃ کی تشریح کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

---

(۱) ردالمحتار، الشامی (العلامة محمد أمين الشهير بابن عابدين الشامي) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولى ۱۴۰۲ھ (۵/ ۶۵).

(۲) الهداية مع فتح القدير (۶/ ۵۵).

مالکیہ

امام مالک رحمہ اللہ بیع المنابذہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:۔

المنابذة أن ينبذ الرجل إلى الرجل ثوبه وينبذ الآخر إليه ثوبه على غير تأمل منهما ويقول كل واحد منهما لصاحبه: هذا بهذا.[1]

ترجمہ:۔ بیع المنابذۃ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف اور دوسرا پہلے کی طرف بغیر سوچے سمجھے اپنا کپڑا پھینکے اور پھر ایک دوسرے سے یہ کہے کہ میرا یہ کپڑا تیرے اس کپڑے کے بدلے میں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے مروی یہ تعریف اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی تعریفات میں سے دوسری تعریف ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں۔

شافعیہ

علامہ نووی رحمہ اللہ نے فقہائے شوافع کے حوالے سے بیع المنابذۃ کی تین تعریفیں ذکر کی ہیں۔

پہلی تعریف جو امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے، یہ ہے:۔

أن يجعل المتبايعان نفس النبذ بيعًا اكتفاءً عن الصيغة بأن يقول البائع للمشترى: إذا نبذته إليك أو نبذته إليَّ فقد بعتك بكذا.

ترجمہ:۔ بیع المنابذۃ وہ بیع ہے جس میں عاقدین محض مبیع کے پھینکنے کو ہی بیع قرار دیں اور زبان سے ایجاب وقبول کے بجائے اسی عمل پر اکتفا کریں، مثلاً بائع مشتری سے یہ کہے کہ جب میں یہ چیز تیری طرف پھینکوں یا تو میری طرف پھینکے تو میں نے وہ چیز اتنی قیمت کے بدلے تجھے بیچ دی۔

دوسری تعریف یہ ہے:۔

---

(۱) كتاب المؤطأ للامام مالك بن أنس ص: ۲۰۰.

أن يقول بعتك فإذا نبذته إليك انقطع الخيار.[1]

ترجمہ:- بائع خریدار سے یوں کہے کہ میں نے یہ چیز تجھے بیچی بس جب میں یہ چیز تیری طرف پھینک دوں تو اس کے بعد (تجھے یہ چیز واپس کرنے کا) کوئی اختیار نہیں رہے گا۔

تیسری تعریف یہ ہے کہ بیع الحصاۃ ہی بیع المنابذۃ ہے۔[2] بیع الحصاۃ کی تعریف اسی فصل کے شروع میں گزر چکی ہے۔

حنابلہ

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی نے المغنی میں المنابذۃ کی تعریف یوں کی ہے:-

المنابذة أن يقول: أى ثوب نبذ ته إلىّ فقد اشتريته بكذا.[3]

ترجمہ:- بیع المنابذہ یہ ہے کہ خریدار بیچنے والے سے یوں کہے کہ جو کپڑا بھی آپ میری طرف پھینکیں گے، وہ میں اتنے میں خریدلوں گا۔

اس کے بعد فرمایا:-

هذا ظاهر كلامِ أحمد.

ترجمہ:- امام احمد کے ظاہری کلام کا تقاضا بھی یہی ہے۔

بیع الحصاۃ، بیع الملامسۃ اور بیع المنابذۃ ان تینوں معاملات کے ناجائز ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر پایا جاتا ہے۔ اور یہ پیچھے گزرا کہ عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خود عقد اس طرح انجام دیا جائے کہ اسی کی ذات میں جہالت اور غرر کی خرابی موجود ہو۔ چنانچہ ان تینوں صورتوں میں جس وقت عقد انجام دیا جارہا ہوتا ہے اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ بعد میں کس چیز کی یا کس ثمن پر بیع واقع ہوگی، لہٰذا یہ عقود شرعاً ناجائز ہیں۔[4]

---

(۱) شرح النووی صحیح مسلم (۱/۱۵۵)۔ (۲) بحوالہ بالا۔

(۳) المغنی لابن قدامة (۶/۲۹۸)۔

(۴) اگرچہ ان عقود کی مختلف تعریفات کے اعتبار سے عدمِ جواز کی بعض دیگر وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں لیکن چونکہ ان وجوہ کا ہمارے موضوع سے براہِ راست تعلق نہیں اس لئے صرف اسی وجہ کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

العقد المعلق و العقد المضاف

عقد کے اعتبار سے غرر پر مبنی معاملات میں سے دو اہم عقد، عقدِ معلق اور عقدِ مضاف ہیں۔ ذیل میں ان پر قدرے تفصیل سے بحث کی جاتی ہے۔

العقد المعلق

لغوی تعریف

معلق عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مصدر ''تعلیق'' ہے۔ لغت میں ''تعلیق'' کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک معنیٰ ہیں ''کسی چیز کا لٹکنا''۔[1] چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

فَلا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ.[2]

ترجمہ:۔ ایسا نہ کرنا کہ ایک (بیوی) کی طرف ڈھلک جاؤ اور دُوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا وہ لٹک رہی ہے۔

معاملات کے اندر تعلیق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی امر کا وجود کسی دُوسرے معاملے کے ساتھ اس طرح مربوط ہو کہ ایک معاملہ پایا گیا تو دُوسرا بھی پایا جائے گا اور اگر پہلا موجود نہ ہوا تو دُوسرا بھی نہ ہوگا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ احمد الزرقاء معاملات کے اندر پائی جانے والی تعلیق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

هو ربط حصول أمر بحصول أمر آخر.[3]

---

(۱) كتاب المغرب في ترتيب المعرب، المطرزي (ابو الفتح عبدالرشيد بن علي المطرزي ۵۳۸ھ-۶۱۲ھ) بیروت، لبنان، دار الكتاب العربي ص: ۳۲۵.

(۲) القرآن (۴:۱۲۹).

(۳) المدخل الفقهي العام، الزرقاء (الشيخ مصطفىٰ أحمد الزرقاء) دمشق، مطابع الف با الأديب، الطبعة التاسعة ۱۹۶۷م (۱/ ۵۰۳).

ترجمہ:- تعلیق کسی ایک معاملے کے حصول پر دُوسرے معاملے کے مربوط ہونے کا نام ہے۔

تعلیق کی اس تعریف کے اندر مذکورہ لغوی معنیٰ کی حقیقت پوری طرح موجود ہے کہ اس میں بھی کسی معاملے کا وجود کسی دُوسرے فعل یا واقعہ کے پائے جانے کے ساتھ لٹکا ہوا ہوتا ہے کہ اگر دُوسرا معاملہ پایا جائے تو یہ وجود میں آتا ہے ورنہ نہیں آتا۔

اصطلاحی تعریف

شرعی اصطلاح میں عقدِ معلق سے مراد ایسا معاملہ ہے جس کا وجود کسی ایسے فعل یا واقعہ کے ساتھ معلق ہو، جو اس وقت موجود نہ ہو اور بعد میں اس کا پایا جانا ممکن تو ہو لیکن یقینی نہ ہو۔ جیسے کوئی شخص دُوسرے سے یہ کہے اگر زید یہاں آیا تو میں نے یہ مکان ایک لاکھ روپے میں تجھے فروخت کیا۔ اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زید زندگی بھر وہاں نہ آئے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زید دُوسرے ہی دن وہاں آجائے۔ گویا اس کا آنا ممکن تو ہے لیکن یقینی نہیں، یہ اور اس جیسے واقعات وافعال سے کسی عقد کو معلق کرنے سے وہ عقد "معلق" بن جاتا ہے۔[1]

مذکورہ تعریف سے معلوم ہوا کہ کسی معاملے کے عقدِ معلق بننے کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱- جس فعل یا واقعہ کے ساتھ اسے معلق کیا گیا ہو، وہ اس وقت موجود نہ ہو۔

۲- اس کا پایا جانا ممکن ہو، یقینی نہ ہو۔

لہٰذا اگر وہ فعل عقد کے وقت موجود ہو یا اس کا پایا جانا محال ہو تو اسے عقدِ معلق نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء لکھتے ہیں:-

لکی یکون الکلام تعلیقًا بالمعنی الحقیقی فی اصطلاح الفقهاء یجب أن یکون الأمر المعلق علیه وهو الشرط معدوما علی خطر الوجود، فلو کان متحقق الوجود حین

(۱) أحکام المعاملات الشرعیة، الخفیف (الأستاذ علی الخفیف) طبع علی نفقة بنک البرکة الاسلامی للإستثمار، البحرین ص:۲۶۵.

التعليق كان في الكلام تنجيزاً في صورة التعليق كقول القائل: إن كنت حيا فقد بعتك هذا الشئ ولو كان مستحيل الوجود كان التعليق إبطالا. [1]

ترجمہ:- فقہاء کی اصطلاح کے مطابق تعلیق حقیقی پائے جانے کے لئے ضروری ہے کہ معلق علیہ یعنی شرط اس وقت موجود نہ ہو اور اس کا پایا جانا ممکن ہو۔ لہٰذا اگر وہ کلام کے وقت موجود ہوگی تو یہ کلام ''منجز'' سمجھا جائے گا، اگرچہ دیکھنے میں تعلیق ہوگی جیسے کوئی شخص (کسی زندہ شخص سے) یوں کہے کہ اگر تو زندہ ہے تو میں نے تجھے یہ چیز بیچی اور اگر اس کا پایا جانا ہی محال ہو تو یہ تعلیق باطل ہوگی۔

تعلیقِ صوری اور اس کی اقسام

لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاملات کو ایسے فعل یا واقعہ کے ساتھ معلق کر دیا جاتا ہے جو پہلے سے موجود ہو یا اس کا ہونا محال ہو۔ ایسی تعلیق کو فقہائے کرام ''تعلیقِ صوری'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ تعلیقِ صوری کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ عقد کو کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا جائے جو پہلے سے موجود ہو جیسے کوئی شخص دوسرے سے یوں کہے کہ اگر زید کا آپکے ذمہ ایک ہزار روپے قرض ہے تو میں اسکی ادائیگی کا ضامن ہوں اور دوسرا شخص اسے قبول کر لے۔ حالانکہ اسے یہ معلوم تھا کہ واقعۃً زید کا اس شخص کے ذمہ ایک ہزار روپے قرض ہے تو اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ گویا یہ کفالت منجز (فوری) تھی، معلق نہیں تھی۔

---

(۱) المدخل الفقهي العام، الزرقاء (الشيخ مصطفى أحمد الزرقاء) دمشق، مطبع ألف با الأديب، الطبعة الاولى ۱۹۶۷م ص: ۵۰۵.

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ عقد کو کسی ایسے فعل یا واقعہ کے ساتھ معلق کیا جائے جس کا پایا جانا محال ہو جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ اگر آسمان گر گیا تو پھر میں نے تجھے یہ مکان ایک لاکھ روپے میں دے دیا۔ ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے آسمان کا نیچے گرنا محال ہے۔ چونکہ ایسی تعلیق کا پورا ہونا محال ہوتا ہے لہٰذا اس تعلیق کی بنیاد پر عقد ہونا بھی محال ہے اور عام طور پر ایسی تعلیق عقد کے محال ہونے کو ذکر کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ ایسا عقد سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔

الاستاذ علی الخفیف تعلیقِ صوری کی ان دونوں قسموں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فإن كان ذلك الأمر المعلق عليه موجودًا وقت التعليق كان التعليق صوريًا وكان العقد منجزًا ..... وإن كان ذلك الأمر غير موجود ولكنه مستحيل الوجود فإن العقد لا ينعقد أصلا ويكون الغرض من التعليق هو إيذان المخاطب باستحالة إنشاء هذا العقد.[1]

ترجمہ:۔ اگر معلق علیہ معاملہ تعلیق کے وقت موجود ہو تو وہ تعلیق صوری ہوگی اور عقد منجز ہوگا ...... اسی طرح اگر معلق علیہ معاملہ اگر چہ اس وقت تک موجود نہ ہو لیکن اس کا ہونا بھی محال ہو تو ایسی صورت میں عقد بالکل منعقد ہی نہ ہوگا، ایسی تعلیق سے اصل مقصود مخاطب کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ ایسا عقد ہونا محال ہے۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد کو کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا جائے کہ اس کے

---

(۱) أحكام المعاملات الشرعية، ص: ۲۶۶

...... الغرر وأثره في العقود ص: ۱۵۷

..... المدخل في الفقه الإسلامي، الشلبي (الدكتور محمد مصطفى الشلبي، عضو مجمع البحوث الاسلامية بالأزهر) بيروت، الدار الجامعة، الطبعة العاشرة ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۹۵م. ص: ۵۷۳.

ساتھ تعلیق میں کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ تعلیق اور عدمِ تعلیق دونوں برابر ہوں جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ اگر تم چاہو تو میں تجھے یہ سامان اتنے روپے میں فروخت کرتا ہوں۔

یہ تعلیق صوری کی پہلی قسم کی طرح "عقد منجز" کے حکم میں ہے اسلئے کہ یہ بات واضح ہے کہ عقد اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ ایجاب کے بعد دوسری جانب سے قبول نہ پایا جائے، کیونکہ ایجاب دراصل اپنی خواہش کے اظہار کا نام ہے۔ لہٰذا وہ اس عقد کی تکمیل دوسرے کی رضا اور مشیت پر موقوف کرے یا نہ کرے اور اس کا تذکرہ کرے یا نہ کرے، اس عقد کے تکمیل کے لئے دوسرے کی مشیت اور رضامندی ہمیشہ ضروری ہے، لہٰذا اس کا ذکر کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔[1]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تعلیق صوری کی تین صورتوں میں سے پہلی اور تیسری صورت "عقد منجز" کے حکم میں ہے اور دوسری صورت میں عقد بالکل منعقد ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ عقد کے محال ہونے کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا فقہائے کرام جب عقدِ معلق کے احکام کی تفصیل بیان کرتے ہیں تو اس سے وہ عقدِ معلق مراد ہوتا ہے جس میں "تعلیق حقیقی" پائی جائے (جس کی تعریف پیچھے گزر چکی)۔

تعلیق قبول کرنے کے اعتبار سے عقود کی اقسام

تعلیق کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے عقود کی کل تین قسمیں ہیں۔

۱- وہ عقود جن کے اندر تعلیق مطلقاً ناجائز ہے ان میں عقود التملیک اور عقود التقیید شامل ہیں۔

۲- وہ عقود جن کے اندر تعلیق مطلقاً جائز ہے، اس میں اسقاطات اور التزامات کے عقود داخل ہیں۔

۳- وہ عقود جن میں شرط ملائم کے ساتھ تعلیق جائز ہے، شرط غیر ملائم کے ساتھ جائز نہیں۔ اس میں اطلاقات، ولایات اور تحریضات شامل ہیں۔[2]

---

(۱) الغرر وأثره في العقود ص: ۱۵۷ ...... أحكام المعاملات الشرعية ص: ۲۶۵ .

(۲) الدر المختار للحصكفي (۲۴۱/۵).

تشریح

۱-وہ عقود جنھیں کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں کیا جاسکتا

پہلی قسم کے عقود جنہیں کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں کیا جاسکتا، وہ ہیں جن کے اندر ملکیت کا انتقال پایا جائے خواہ کسی چیز کے عین کی ملکیت منتقل ہو جیسے بیع یا اسکے منافع منتقل ہوں جیسے اجارہ۔ انہیں عقود التملیک کہا جاتا ہے ان میں بیع وشراء، اجارہ، مزارعت، مساقاۃ، صلح علیٰ مال (مال کے بدلے صلح کرنا) اور ابراء عن الدین (کسی کو قرض معاف کرنا) شامل ہیں۔ اور عقود التقیید یعنی وہ معاملات بھی شامل ہیں جن میں کوئی قید پائی جائے جیسے وکیل کو معزول کرنا یا وہ غلام جسے تجارت کرنے کی اجازت تھی اس پر پابندی لگانا اور طلاق سے رجوع کرنا وغیرہ۔ انہیں عقود التقیید اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں دُوسرے کے اختیارات کو ختم (یعنی اسے مقید) کیا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وذٰلک أن فی الوکالة والإذن للعبد إطلاقًا عما کانا ممنوعین عنه من التصرف فی مال الموکل والمولیٰ وفی العزل والحجر تقیید لذٰلک الإطلاق، وکذا فی الرجعة تقیید للمرأة عما أطلق لها بالطلاق من حقوق الزوجیة.(۱)

ترجمہ:- یہ عقود التقیید اس لئے ہیں کہ وکالت اور غلام کے لئے تجارت کی اجازت میں مؤکل اور مولیٰ کے مال کے اندر تصرف کرنے کی اجازت تھی لیکن معزول کرنے اور محجور کرنے سے اس اطلاق پر قید لگ گئی، اسی طرح طلاق سے رجوع کرنے سے عورت کو شوہر کے حقوق کی ادائیگی سے جو آزادی ملی تھی، وہ مقید ہوگئی۔

ضروری وضاحت

یہاں پر درج ذیل دو باتیں ذہن نشین کرنا ضروری ہیں۔

---

(۱) رد المحتار (۵/۲۴۱)۔

۱- یہاں پر ذکر کردہ حکم ان عقود التملیک سے متعلق ہے جن کے اندر کسی مالی معاوضے کے بدلے ملکیت منتقل ہو۔ لہٰذا ہبہ اس حکم سے خارج ہے۔

۲- بیع معلق کو اگر چہ کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں لیکن فقہاء کرام نے کسی تیسرے شخص کی رضامندی پر عقد کو معلق کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ علامہ شامی اس صورت کا استثناء کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

إلا في صورة واحدة وهي أن يقول بعت منك هذا إن رضي فلان فإنه يجوز إن وقته بثلاثة أيام لأنه اشترط الخيار إلى أجنبي وهو جائز.[1]

ترجمہ:- (بیع المعلق کے حکم سے) ایک صورت مستثنیٰ ہے، وہ یہ کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اگر فلاں شخص راضی ہوا تو میں نے تجھے یہ چیز فروخت کردی۔ یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ خیار تین دن کا ہو اس لئے کہ اس میں اس نے ایک اجنبی شخص کے لئے خیار رکھا ہے جو کہ جائز ہے۔

تعلیق کے ناجائز ہونے کی وجوہ

مذکورہ عقود میں تعلیق کے ناجائز ہونے کی درج ذیل وجوہ ہیں:-

۱- غرر

ان سب کے اندر تعلیق کے ناجائز ہونے کی ایک بنیادی وجہ تو غرر (Uncertainty) ہے، اس لئے کہ مذکورہ شرائط کے پائے جانے سے عقد کے اندر غیر یقینی کیفیت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس شرط کے ساتھ عقد کو معلق کیا گیا ہے، وہ شرط پائی جائے گی یا نہیں۔ چنانچہ شیخ علی الخفیف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:-

وذلك لما في التعليق من غرر يتنافى مقتضى هذه العقود.

ترجمہ:- یہ اس لئے ناجائز ہیں کہ ان کے اندر تعلیق کی وجہ سے ایسا

---

(۱) رد المحتار (۵: ۲۴۲).

غرر (Uncertainty) پیدا ہوتا ہے جو ان عقود کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔

آگے اس غرر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وذٰلک لأننا إذا صححنا البیع مثلاً مع تعلیقه فماذا یکون الحال قبل تحقق الشرط المعلق علیه أیمنع البائع من أن یتصرف فی المبیع وهو ملکه وذٰلک ما یتنافی مع الملک، وإذا منع فإلی أی أمد وقد لا یتحقق الشرط، وذٰلک هو عین الغرر.(۱)

ترجمہ:- اور اس میں غرر اس لئے ہے کہ اگر ہم بیع کو تعلیق کے ساتھ درست قرار دیں تو تحقق شرط سے پہلے اس عقد کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیا بائع کو مبیع (Subject Matter) کے اندر تصرف کرنے سے روکا جائے گا حالانکہ یہ اس کی ملکیت میں ہے اور یہ عمل ملکیت کے منافی ہے اور اگر ہم اسے روکیں تو کب تک روکتے رہیں نیز کبھی تو شرط بھی نہیں پائی جاتی اور یہ بعینہٖ غرر ہے۔

ڈاکٹر صدیق الضریر کا کہنا ہے کہ تعلیق کی وجہ سے عقود التملیک کے اندر کئی اعتبار سے غیر یقینی کیفیات پیدا ہوجاتی ہیں۔ مثلاً معلق علیہ پایا جائے گا یا نہیں، اگر پایا جائے گا تو کس وقت ہوگا اور اگر ہوگا تو کیا اس وقت تک متعاقدین اس عقد کو کرنے پر راضی رہیں گے یا نہیں؟ وغیرہ۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

فإنّ کلا المتبایعین لا یدری هل یحصل الأمر المعلق علیه فیتم البیع أم لا یحصل فلا یتم کما لا یدری متیٰ یحصل فی حالة حصوله وقد یحصل فی وقت تکون رغبة المشتری أو

---

(۱) أحکام المعاملات الشرعیة ص: ۲۷۲.

البائع قد تغيرت، ففي البيع المعلق غرر من حيث حصوله وعدمه وفيه غرر أيضًا من حيث وقت حصوله وفيه غرر كذلك من حيث تحقق الرضاء وعدمه عند حصول المعلق عليه.[1]

ترجمہ:- متعاقدین میں کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ معلق علیہ حاصل ہوجائے گا تاکہ بیع مکمل ہو یا نہیں ہوگا تاکہ بیع تام نہ ہو، اسی طرح انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اگر حاصل بھی ہوجائے تو کب ہوگا نیز کبھی ایسے وقت پر حاصل ہوتا ہے کہ متعاقدین میں سے ایک فریق تو راضی ہوتا ہے لیکن دُوسرے فریق کی رائے بدل چکی ہوتی ہے۔ لہٰذا بیع معلق میں تین اعتبار سے غرر ہے، (ایک) معلق علیہ کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے، (دُوسرے) حاصل ہونے کی صورت میں اس کے وقتِ حصول کے اعتبار سے، (تیسرے) حاصل ہونے کی صورت میں متعاقدین کی رضامندی کے پائے جانے کے اعتبار سے۔

ب- قمار

حنفیہ کے ہاں عقود التملیک میں تعلیق کی صورت میں غرر کے علاوہ قمار کی خرابی بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولما كانت هذه تمليكات للحال لم يصح تعليقها بالخطر لوجود معنى القمار.[2]

ترجمہ:- چونکہ یہ معاملات فوری تملیک کے مقتضی ہوتے ہیں اس لئے انہیں خطر پر مبنی کسی معاملے کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں قمار کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔

---

(۱) الغرر في العقود وآثاره في التطبيقات المعاصرة، الضرير (الدكتور الصديق محمد الأمين الضرير) جدة، المعهد الاسلامي للبحوث والتدريب، الطبعة الاولى ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م ص:۱۷۔

(۲) رد المحتار (۲۵۷/۵)۔

ج- عدمِ تحقق رضا

تیسری خرابی یہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں متعاقدین کی رضامندی کا پایا جانا یقینی نہیں ہوتا۔ علامہ قرافی فرماتے ہیں:-

إن انتقال الأملاک یعتمد الرضی والرضی إنما یکون مع الجزم ولا جزم مع التعلیق. فإن شأن المعلق علیه أن یکون یعترضه عدم الحصول.[1]

ترجمہ:- بلاشبہ ملکیت کا منتقل ہونا رضامندی پر موقوف ہے اور رضامندی جزم ویقین کی حالت میں پائی جاتی ہے جبکہ تعلیق کی صورت میں جزم نہیں ہوتا کیونکہ معلق علیہ کے بارے میں یہ امکان ہوتا ہے کہ وہ حاصل نہ ہو۔

۲- وہ عقود جن کے اندر تعلیق جائز ہے

دُوسری قسم کے عقود وہ ہیں جن کے اندر تعلیق جائز ہے۔ اس میں تین طرح کے معاملات شامل ہوتے ہیں:-

۱- الإسقاطات المحضة

یعنی وہ معاملات جن میں اپنا حق ساقط کیا جاتا ہے جیسے طلاق، خلع، عتاق اور ثبوتِ شفعہ کے بعد اس سے دستبردار ہونا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ اگر تم زید کے گھر گئی تو تجھے طلاق یا مولیٰ اپنے غلام سے کہتا ہے کہ اگر تو نے فلاں نیک کام کیا تو تو آزاد، یا ایک پڑوسی جسے حق شفعہ مل چکا تھا، اپنے پڑوسی (جس نے زمین فروخت کی) سے کہتا ہے کہ اگر یہ زمین زید نے خریدی ہے تو میں اپنے حق شفعہ سے دستبردار ہوتا ہوں، تو ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح ہوگا اور جب متعلقہ شرائط پائی جائیں گی تو جزاء منعقد ہوجائیگی لہٰذا پہلی مثال میں زید کے گھر جانے سے بیوی پر طلاق واقع ہوجائیگی دوسری مثال میں مطلوبہ نیک عمل کرنے سے غلام آزاد ہوجائیگا اور تیسری مثال میں اگر یہ ثابت ہوگیا کہ اس زمین کا خریدار زید ہے تو شفیع کا حق شفعہ ختم ہوجائیگا۔

---

(۱) الفروق للقرافی (۱/۲۲۹).

ب- التزامات

یعنی وہ عقود جس میں کوئی چیز اپنے اوپر لازم کی جاتی ہے جیسے عقد وکالۃ، حوالہ، نذر، وصی بنانا، کاروبار میں شریک بنانا، کسی کو اپنا مضارب بنانا، قضاء اور امارۃ وغیرہ۔ لہٰذا اگر کسی نے ان عقود کو کسی شرط کے ساتھ معلق کردیا مثلاً ایک شخص نے وکالۃ کے عقد کو معلق کرتے ہوئے کسی سے کہا کہ اگر تم بازار میں فلاں چیز دیکھو تو میری طرف سے اسے خریدنے کے وکیل ہو یا نذر کے عقد کو معلق کرتے ہوئے کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ایک دن روزہ رکھوں گا اور وصی بنانے کے عقد کو معلق کرتے ہوئے کسی سے کہے کہ اگر میرا انتقال اس حال میں ہوا کہ میری اولاد زندہ ہوئی تو تم میری طرف سے ان کے وصی ہو وغیرہ تو یہ تعلیقات درست ہوں گی اور یہ عقود بھی جائز رہیں گے۔[1]

تعلیق کے ناجائز نہ ہونے کی وجہ

ان عقود کے اندر تعلیق کے ناجائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں بھی ان کے اندر غررِ ممنوع کی خرابی پیدا نہیں ہوتی کیونکہ اسقاطات اور التزامات ایسے عقود ہیں کہ ان میں کسی شخص کا اپنی طرف سے کسی حق کو ساقط کرنا یا کسی عمل کا التزام کرنا پایا جاتا ہے لہٰذا وہ اپنے فعل کا واقع ہونا جس حال میں پسند کرے گا، اسی حال میں وہ فعل منعقد ہوگا۔

ان عقود کا ایک حکم یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ان کے ساتھ کوئی شرط فاسد لگائی گئی تو اس کی وجہ سے بھی یہ عقود فاسد نہیں ہوں گے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ما جاز تعليقه لم يبطل بالشرط الفاسد.[2]

ترجمہ:- وہ معاملہ جس میں تعلیق جائز ہے، وہ شرطِ فاسد سے باطل نہیں ہوتا۔

اس اُصول کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں داخل شرکت اور مضاربت کے معاملات بھی

---

(۱) أحكام المعاملات الشرعية ص: ۴۷۱.

(۲) شرح الأشباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم الحنفي المتوفى ۹۷۰هـ) كراتشي، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية، الطبعة الاولىٰ ۱۴۱۸ هـ (۱۷۶/۳).

شرط فاسد سے فاسد نہ ہوں لیکن علامہ شامی کا کہنا ہے کہ شرکت اور مضاربت میں یہ قاعدہ علی الاطلاق جاری نہیں ہوتا بلکہ ان میں بعض شروط فاسدہ ایسی ہیں کہ وہ خود فاسد ہو جاتی ہیں لیکن عقد فاسد نہیں ہوتا جبکہ کچھ شرائط ایسی بھی ہیں کہ ان کی وجہ سے یہ عقود فاسد ہوجاتے ہیں چنانچہ آپ ان کی تفصیل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

في البزازية: الشركة تبطل ببعض الشروط الفاسدة دون بعض، حتى لو شرط التفاضل في الوضيعة لا تبطل وتبطل باشتراط عشرة لأحدهما. وفيها: لو شرط صاحب الألف العمل على صاحب الألفين والربح نصفين لم يجز الشرط والربح بينهما أثلاثًا. (وكذا المضاربة) كما لو شرط نفقة السفر على المضارب بطل الشرط وجازت. بزازية. وفيها: ولو شرط من الربح عشرة دراهم فسدت لا لأنه شرط بل لقطع الشركة. دفع إليه ألفًا على أن يدفع رب المال للمضارب أرضا يزرعها سنة أو دارًا للسكنى بطل الشرط وجازت ولوشرط ذلک على المضارب لرب المال فسدت لأنه جعل نصف الربح عوضًا عن عمله وأجرة الدار اهـ. وبه علم أنها تفسد ببعض الشروط كالشركة.[1]

ترجمہ:- فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ شرکت بعض شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوجاتی ہے اور بعض سے نہیں ہوتی لہٰذا اگر نقصان ہونے کی صورت میں براہِ راست نقصان کے اندر (رأس المال کے بقدر نقصان برداشت کرنے کے بجائے) کمی بیشی کی شرط لگادی تو عقد فاسد نہ ہوگا لیکن اگر ایک فریق نے یہ شرط لگائی کہ میں تو ہر دس درہم کے بدلے ایک درہم لوں گا خواہ نفع ہو یا نقصان تو اس سے عقد فاسد جائے گا۔

(۱) رد المحتار (۵/۲۵۰)۔ انظر أيضا الفتاوى الهندية (۲/۳۰۱)۔

اور اگر ایک ہزار درہم والے نے دو ہزار درہم والے کے بارے میں یہ شرط لگائی کہ وہ بھی کام کرے گا اور نفع آدھا ہوگا تو یہ شرط ناجائز ہوگی (لیکن عقد فاسد نہ ہوگا لہٰذا) نفع دونوں کے درمیان اثلاثا تقسیم ہوگا (یعنی دو ہزار والے کو دو تہائی اور ایک ہزار والے کو ایک تہائی ملے گا) اسی طرح مضاربت کے اندر اگر ربّ المال نے یہ شرط لگائی کہ سفر کا خرچہ مضارب برداشت کرے گا تو یہ شرط فاسد ہوجائے گی لیکن عقد جائز ہوگا۔ لیکن اگر ربّ المال نے یہ شرط لگائی کہ (خواہ نفع ہو یا نقصان) میں دس درہم لوں گا تو اس سے عقد فاسد ہو جائے گا، یہ فساد اس لئے نہیں آئے گا کہ یہ شرط ہے بلکہ اس سے شرکت کا قطع ہونا لازم آتا ہے۔ اگر مضارب نے ایک ہزار اس شرط پر دیا کہ ربّ المال اسے ایک سال کے لئے زمین دے گا تا کہ وہ اس پر کچھ کاشت کرے یا گھر دیا تا کہ وہ اس پر رہائش اختیار کرے تو شرط باطل ہوجائے گی اور عقد جائز رہے گا اور اگر یہ شرط مضارب پر ربّ المال کے لئے لگائی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں اس نے اپنے آدھے نفع کو اس عمل اور گھر کی اُجرت کا عوض بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مضاربت بھی شرکت کی طرح بعض شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوجاتی ہے۔

تیسری قسم کے عقود

تیسری قسم کے عقود وہ ہیں جن میں شرطِ ملائم کے ساتھ تعلیق جائز ہے، شرطِ غیر ملائم کے ساتھ جائز نہیں۔ اس میں ہبہ، حوالہ، کفالۃ اور ابراء عن الکفالہ داخل ہیں۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وتصح تعليق هبة وحوالة وكفالة وإبراء عنها بملائم.[1]

---

(۱) الدر المختار (۲۵۵/۵).

ترجمہ:- ہبہ، حوالہ، کفالۃ اور ابراء عن الکفالہ کی تعلیق شرطِ ملائم کے ساتھ جائز ہے۔

شرطِ ملائم

شرطِ ملائم سے مراد ایسی شرط ہے جس سے موجبِ عقد میں اور تاکید پیدا ہو یا وہ معاملہ عرفاً یا شرعاً اس شرط کا تقاضا کرتا ہو، جیسے کوئی حاکم کسی شخص سے یوں کہے کہ اگر تو فلاں شہر پہنچ گیا تو میں نے تجھے اس کا قاضی مقرر کیا، یا سپہ سالار کسی مجاہد سے کہے کہ اگر تو نے فلاں شخص کو قتل کیا تو اس کا ساز و سامان تیرا ہوگا۔ اور تقاضا کرنے کی مثال جیسے کفالۃ کے اندر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر فلاں شخص نے تمہارا قرضہ ادا نہ کیا تو میں اس کا ضامن ہوں یا حوالہ کے اندر جیسے مقروض قرض خواہ سے کہے کہ اگر میں نے کل تمہارا قرض ادا نہ کیا تو پھر اس کا حوالہ فلاں شخص کی طرف منتقل ہوگا یعنی میرے علاوہ اس سے بھی مطالبہ کرنے کا حق ہوگا۔[1]

صرف شرطِ ملائم کے جائز ہونے کی وجہ

ان عقود کے اندر صرف شرطِ ملائم کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں غیر ملائم شرط کے ساتھ مقید کرنے سے ان کے اندر لہو اور ہزل کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جو کہ ان عقود کے منافی ہے۔ الشیخ علی الخفیف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

إذا علقت بشرط غير ملائم فلا تصح كأن يقول شخص لآخر: أن نجح ابنك في الامتحان فأنا ضامن لدينك من قبل فلان أو إن نجح إبني في الامتحان فقد أحلتك على فلان، أو إن أمطرت السماء اليوم فقد أذنت لك بالتجارة. سواء تحققت هذه الشروط فيما بعد أم لم يتحقق لأن

---

(۱) رد المحتار (۲۴۱/۵).

.....احکام المعاملات الشرعیۃ ص: ۲۷۱.

..... کفالۃ میں شرط ملائم کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: المبسوط ج: ۱۹ ص: ۱۷۵، ۱۷۶.

تعليقها بشرط غير ملائم ما لا يظهر فيه غرض صحيح فيكون ضرباً من اللهو والهزل وإلا تصح العقود مع الهزل.[۱]

ترجمہ:- انہیں شرطِ غیر ملائم کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں جیسے ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ اگر تمہارا بیٹا امتحان میں کامیاب ہوگیا تو میں تمہارے اس قرضے کا ذمہ دار ہوں جو فلاں شخص کی جانب سے تم پر واجب ہے، یا اگر میرا بیٹا امتحان میں کامیاب ہوگیا تو میں تمہارے قرض کا حوالہ فلاں پر کردوں گا، یا اگر آج بارش ہوگئی تو میں نے تجھے تجارت کی اجازت دی۔ (یہ تعلیق اس لئے صحیح نہیں کہ) غیر ملائم شرط جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو ایک قسم کا لہو اور ہزل ہے اور ان عقود میں ہزل صحیح نہیں۔

العقد المضاف

لغوی اور اصطلاحی تعریف

"مضاف" عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے اضافت کیا گیا۔ یہاں پر اضافت سے مراد "زمانہ مستقبل" کی طرف اضافت ہے۔ لہٰذا "عقد مضاف" سے ایسا عقد مراد ہے کہ جس کے اندر کسی فعل کے متعلق حکم کی اضافت مستقبل کی طرف ہو کہ اس آنے والے زمانے تک اس کے حکم کی تاثیر مؤخر ہوجائے۔ اِمام شلبی علامہ اکمل کے حوالے سے "اضافت" کی تعریف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تاخير حكمه عن وقت التكلم إلى زمان يذكر بعده بغير ذكر كلمة شرط.[۲]

---

(۱) احكام المعاملات الشرعية ص: ۲۷۲.

(۲) حاشية تبيين الحقائق، الشلبي (الإمام الشيخ محمد الشلبي ۱۱۹۰هـ-۱۲۶۳هـ) بيروت لبنان، دار الكتب العلمية الطبعة الاولىٰ ۱۴۲۰هـ- ۲۰۰۰م (۳۵/۳).

ترجمہ:- بات کرنے کے وقت سے کسی آئندہ آنے والے زمانے تک حکم کا اس طرح مؤخر ہونا کہ اس کلام میں کسی کلمہ شرط کو ذکر نہ کیا جائے۔

الشیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء ''اضافت الی الاستقبال'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

هي تاخير حكم التصرف القولي المنشأ إلىٰ زمن مستقبل معين.(۱)

ترجمہ:- کسی پیدا شدہ تصرف قولی کے حکم کا کسی متعین زمانۂ مستقبل کی طرف مؤخر ہونے کا نام ''اضافت الی الاستقبال'' ہے۔

تعلیق اور اضافت میں فروق

ظاہر میں تعلیق اور اضافت کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا، اس لئے کہ دونوں صورتوں میں حکم کی تاثیر مؤخر ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے درمیان کچھ فروق موجود ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں۔

پہلا فرق

پہلا فرق یہ ہے کہ اضافت کے اندر سبب مؤخر نہیں ہوتا بلکہ صرف حکم کی تاثیر مؤخر ہوتی ہے جبکہ تعلیق کی صورت میں سبب بھی مؤخر ہوجاتا ہے۔ اسے بذریعہ مثال یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ "انت طالق" کا جملہ بیوی پر فی الحال طلاق واقع ہونے کا سبب ہے لیکن اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "أنت طالق إن دخلت الدار" (اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق) تو ایسی صورت میں یہ جملہ فی الحال طلاق واقع ہونے کا سبب نہ رہا بلکہ اس تعلیق نے وجودِ شرط تک اس سبب کو مؤخر کر دیا لہٰذا جب یہ سبب پایا جائے گا (یعنی بیوی اس گھر میں داخل ہوگی) تو یہ سبب مفضی الی الحکم ہوگا اور طلاق واقع ہوجائے گی۔

اس کے برعکس اگر ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ "انت طالق غدا" (تجھے

---

(۱) المدخل الفقهي العام (۱/۵۰۷).

آئندہ کل طلاق) اس صورت میں "أنت طالق" وقوعِ طلاق کا فوری سبب تو بن رہا ہے۔ لیکن اس کا حکم فوری ظاہر نہیں ہو رہا بلکہ آئندہ کل ظاہر ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اضافت سببیت کو ختم نہیں کرتی بلکہ حکم کو مؤخر کر دیتی ہے، جبکہ تعلیق کے اندر سببیت ہی مؤخر ہو جاتی ہے۔ علامہ شامی اس فرق کو ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:-

ثم الفرق بين التعليق والإضافة: هو أن التعليق يمنع المعلق عن السببية للحكم فإن نحو أنت طالق سبب للطلاق في الحال، فإذا قال أنت طالق إن دخلت الدار منع انعقاده سببًا للحال وجعله متأخرًا إلىٰ وجود الشرط، فعند وجوده ينعقد سببًا مفضيًا إلىٰ حكمه وهو الطلاق. وأما الإيجاب المضاف مثل أنت طالق غدًا فإنه ينعقد سببا للحال لانتفاء التعليق المانع من انعقادالسببية، لكن يتأخر حكمها إلى الوقت المضاف إليه فالإضافة لا تخرجه عن السببية بل تؤخر حكمه بخلاف التعليق.[1]

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی اس فرق کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

ويختلف المعلق علىٰ شرط عن المضاف للمستقبل في أن العقد المعلق لا ينعقد إلا حين وجود الشرط المعلق عليه أما المضاف للمستقبل فهو المنعقد في الحال، ولكن آثاره لا يسري إلى مفعولها إلا في المستقبل المضاف إليه.[2]

ترجمہ:- شرط سے معلق معاملہ مضاف الی المستقبل معاملے سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ عقد معلق اس وقت تک منعقد نہیں ہوتا جب

---

(۱) رد المحتار (۲۵۵/۵).

(۲) الفقه الإسلامي وأدلته، الزحيلي (الدكتور وهبة الزحيلي) بيروت، دار الفكر، الطبعة الأولى ۱۴۰۳هـ-۱۹۸۳م (۲۳۸/۴).

تک کہ معلق علیہ شرط نہ پائی جائے جبکہ عقد مضاف الی المستقبل فی الحال منعقد ہوجاتا ہے لیکن اپنے مفعول کے اندر اسکے آثار اس زمانہ استقبال میں ظاہر ہوتے ہیں جسکی طرف اسکی اضافت ہوتی ہے۔

سببیت کے لئے اضافت کے مانع نہ ہونے کو علامہ حموی رحمہ اللہ نے قدرے وضاحت سے نقل کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:-

إن الإضافة ليست بشرط حقيقة لعدم كلمة الشرط، لكنه في معنى الشرط من جهة أن الحكم يتوقف عليه، فمن حيث أنه ليس بشرط لا يتأخر عنه، ولا يمنع السبب ومن حيث أنه في معنى الشرط لا ينزل في الحال. فقلنا إنه ينعقد سببًا في الحال ويقع مقارنًا ويتأخر الحكم عملًا بالشبهين.(۱)

ترجمہ:- اضافت حقیقت میں شرط نہیں ہے کیونکہ اس میں شرط کے کلمات نہیں ہوتے البتہ اس اعتبار سے شرط کے معنی میں ہے کہ حکم اس پر موقوف ہوتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے کہ یہ شرط کے معنی میں نہیں، سبب مؤخر نہیں ہوتا اور نہ ہی سبب کے لئے مانع بنتا ہے اور اس اعتبار سے یہ شرط کے معنی میں ہے اس کا اثر فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتا، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ سبب تو فوراً بنتا ہے اور اسی وقت واقع ہوتا ہے، لیکن اس کا حکم مؤخر رہتا ہے۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ اس کے اندر (شرط ہونے اور نہ ہونے) دونوں کی مشابہتیں موجود ہیں۔

دُوسرا فرق

دُوسرا فرق یہ ہے کہ تعلیق کے اندر عام طور پر حروف شرط استعمال کئے جاتے ہیں جیسے إن ،إذا، متی اور کلما وغیرہ مثلاً "أنت طالق إن دخلت الدار" جبکہ اضافت کے اندر

---

(۱) غمز عيون البصائر مع شرح الأشباه والنظائر، الحموی (الشيخ السيد أحمد بن محمد الحموی (۲۲/۲) . أيضاً في تبيين الحقائق (۱۰۲/۳).

زمانہ استقبال کو بطور ظرف استعمال کیا جاتا ہے جیسے "أنت طالق غدا"۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مستقبل کے زمانہ کو بطور ظرف ذکر کرنے کے بجائے تعلیقاً ذکر کیا جائے تو اس پر تعلیق کے احکام جاری ہوں گے نہ کہ اضافت کے جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ "إن قدم زيد في يوم كذا فقد آجرتك داري سنة بكذا" (اگر زید فلاں دن آیا تو میں نے اتنے کرائے کے بدلے تجھے اپنا گھر ایک سال کے لئے کرائے پر دیا)۔

الشیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء لکھتے ہیں:-

ويصاغ التعليق عادةً بإحدى الأدوات الشرطية التي تربط بين فعلين نحو إن وإذا ومتى وكلما لأن الأمر المعلق عليه هو أفعال أو أحداث وقوعية، وهذه الشرطية هي التي تدخل على الجملة الفعلية فتجعل وقوع الحدث المتضمنه شرطًا لوقوع الأمر المعلق المشروط، فلا بد في التعليق من جملتين يربط بينهما بأداة شرطية ..... وتصاغ الإضافة عادة بذكر الزمن على سبيل الظرفية للمتصرف الانشائي المضاف فإذا صيغت الإضافة بطريق التعليق على مجيء الزمن، واستعملت فيها أدوات التعليق الشرطية السالفة البيان اعتبرت تعليقًا لا إضافة.[1]

تیسرا فرق

علامہ صدر الشہید نے ایک فرق یہ ذکر کیا ہے کہ اگر کسی فعل کے بعد دو شرائط ذکر کر کے ان دونوں کے ساتھ اسے معلق کیا جائے تو آخری (یعنی دوسری) شرط کے پائے جانے پر حکم واقع ہوگا۔لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اس فعل کو معلق کیا جائے تو پہلی شرط کے ساتھ ہی حکم لگ جائیگا جبکہ اضافت کے اندر معاملہ اسکے برعکس ہوتا ہے۔یعنی اگر فعل کے بعد دو واقعات ذکر کرنے کے بعد دونوں کی طرف مضاف کیا جائے تو پہلے

(۱) المدخل الفقهي العام (۱/ ۵۰۸)۔

وقت کے آنے پر حکم لگ جاتا ہے اور اگر کسی ایک کی طرف مضاف کیا جائے دوسرے وقت کے آنے پر حکم جاری ہوتا ہے۔

اس فرق کو بذریعہ مثال یوں سمجھا جا سکتا ہے۔ تعلیق کی مثال: جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ "أنت طالق إن كلمت زيدًا وعمرًا" (اگر تو نے زید اور عمرو سے بات کی تو تجھے طلاق) اس صورت میں وقوعِ طلاق کے حکم کو دو باتوں کے ساتھ معلق کیا گیا:-

۱- زید سے بات کرنے کے ساتھ۔

۲- عمرو سے بات کرنے کے ساتھ۔

لہٰذا صرف ایک سے بات کرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی، جب تک کہ دوسرے سے بات نہ کرلے۔ اس کے برعکس اگر اس نے یوں کہا کہ "أنت طالق إن كلمت زيدًا أو عمروًا" (تجھے طلاق ہے اگر تو نے زید یا عمرو سے بات کی) اس صورت میں اس نے وقوعِ طلاق کو زید اور عمرو میں کسی ایک سے کلام کرنے کے ساتھ معلق کیا لہٰذا اگر ان میں سے کسی ایک سے بھی بات کرنے سے طلاق پڑ جائے گی۔

اضافت کی مثال جیسے کوئی شخص بیوی سے کہے "أنت طالق غدًا وبعد غدٍ" (تجھے طلاق ہے آئندہ کل اور پرسوں) تو ایسی صورت میں آئندہ کل آنے پر طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ "أنت طالق غدًا أو بعد غدٍ" (تجھے طلاق ہے کل یا پرسوں) تو ایسی صورت آئندہ پرسوں طلاق واقع ہوگی۔[1]

چوتھا فرق

چوتھا فرق وہ ہے جو علامہ شلبی رحمہ اللہ نے قاضی ظہیر الدین رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ یہ ایک لطیف فرق ہے جسے بذریعہ مثال سمجھایا گیا ہے۔ وہ مثال یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص عید کی رات اپنے غلام سے کہتا ہے کہ "أنت حر غدًا" (آئندہ کل تو آزاد ہے) تو اس صورت میں اسی دن کا آخری لمحہ جب اگلے دن سے ملے گا تو غلام آزاد

(۱) البحر الرائق (۳/۲۷۱) في الجامع للصدر الشهيد ...... شرطين ينزل عند آخرهما وبأحدهما عند الأول والمضاف بالعكس.

ہو جائے گا اور مالک پر اس کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ اپنے غلام سے یہ کہتا ہے "إذا جاء غد فأنت حر" (جب آئندہ کل آئے گی تو تو آزاد ہے)۔ تو اس صورت میں اگلے دن کا پہلا لمحہ شروع ہونے کے بعد وہ غلام آزاد ہوگا اور مالک پر اس کا صدقۃ الفطر بھی واجب ہوگا۔ ان میں سے پہلی اضافت کی مثال ہے جبکہ دوسری تعلیق کی صورت ہے۔

اس فرق سے متعلق عربی عبارت یہ ہے:-

الفرق بين الإضافة والتعليق، نقل عن القاضي الإمام ظهير الدين أنه من قال لعبده ليلة العيد: أنت حر غدًا يعتق مقارنًا للغد حتىٰ لا تجب عليه صدقة الفطر. وأما إذا قال إذا جاء غد فأنت حر، ثبت العتق بعد تحقق مجيء أول جزءٍ من أجزاء الغد لكون مجيء الغد شرطًا لثبوت العتق حتى تجب صدقة الفطر لأن الغد جاء وهو عبده.[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت اور تعلیق میں ایک فرق یہ ہے کہ اضافت اور تعلیق کسی وقت کی طرف منسوب ہوں تو اضافت کا حکم اس وقت کے شروع ہونے سے ایک لمحہ قبل آجاتا ہے جبکہ تعلیق کا حکم اس وقت کے آغاز ہونے کے ایک لمحہ بعد آتا ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم

پانچواں فرق

بعض فقہاء نے ایک اور فرق بھی ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ تعلیق کے اندر اضافت ایک ایسے فعل کی طرف ہوتی ہے جو یقینی نہیں ہوتا بلکہ ممکن الوجود اور مبنی علی الخطر ہوتا ہے۔ جبکہ اضافت میں زمانہ بطور ظرف ہوتا ہے اور اس کا آئندہ وقوع یقینی ہوتا ہے جیسے "أنت طالق إن دخلت الدار" میں دخول فعل کا پایا جانا یقینی نہیں جبکہ "أنت طالق غداً" میں آئندہ کل کا آنا یقینی ہے۔

لیکن علامہ ابن نجیمؒ نے اس فرق کی تردید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض مرتبہ

---

(۱) حاشية تبيين الحقائق (۵۳/۳)۔

اضافت میں بھی ایسے فعل کا ذکر ہوتا ہے جس کا پایا جانا یقینی نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص یوں کہے "أنت طالق يوم يقدم زيد" (تجھے طلاق ہے جس دن زید آئے) اور دوسرا شخص یوں کہے: "أنت طالق ان قدم زيد في يوم كذا" (اگر زید فلاں دن آیا تو تجھے طلاق) ان میں پہلی مثال اضافت کی ہے اور دوسری تعلیق کی لیکن غیر یقینی اور مبنی بر خطر ہونے میں دونوں برابر ہیں۔[1]

چھٹا فرق:

ڈاکٹر صدیق الضریر کا کہنا ہے کہ عقدِ معلق اور عقدِ مضاف میں صرف صوری فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ عقدِ معلق میں "حروف شرط" استعمال ہوتے ہیں جبکہ "عقدِ مضاف" میں حروف شرط استعمال نہیں ہوتے لیکن غیر یقینی کیفیت پر دونوں معاملات مبنی ہیں، ہاں البتہ اتنا فرق ہے کہ عقدِ مضاف میں مضاف الیہ (جس کی طرف اضافت کی جائے) کے پائے جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور واقع نہ ہونے کا امکان کم جبکہ عقدِ معلق میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی پائے جانے کا امکان کم ہوتا ہے اور واقع نہ ہونے کا امکان زیادہ۔ آپ لکھتے ہیں:-

فإنني أرىٰ أن المضاف إليه يكون محقق الحصول، وهو الغالب وقد يكون محتمل الحصول كما أن المعلق عليه يكون محتمل الحصول وهو الغالب وقد يكون محقق الحصول. وعلىٰ هذا يكون الفارق بين التعليق والإضافة من حيث الصورة، و هو وجود أداة التعليق وعدمها.[2]

اضافت کے اعتبار سے عقود کی اقسام

اضافت قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے عقود کی تین قسمیں ہیں۔

---

(۱) شرح الاشباه والنظائر (۲/۲۲)۔

(۲) الغرر وأثره في العقود ص:۱٦۷

۱- وہ عقود جو ہمیشہ مضاف الی المستقبل ہوتے ہیں جیسے وصیت اور ایصاء۔

۲- وہ عقود جو اضافت کو مطلقاً قبول نہیں کرتے اس میں بیع، اس کی اجازت دینا، اسے فسخ کرنا اور شرکت وغیرہ شامل ہیں۔

۳- وہ عقود جو تنجیزاً بھی واقع ہوتے ہیں اور ان کی مستقبل کی طرف اضافت بھی جائز ہوتی ہے۔ اس میں چار قسم کے عقود شامل ہیں:-

ا- وہ عقود جن کا اثر فوری ظاہر نہیں ہوسکتا جیسے اجارہ، عاریۃ، مزارعت، مساقاۃ اور مضاربت وغیرہ۔

ب- التزامات جیسے کفالۃ اور حوالہ وغیرہ۔

ج- اسقاطات جیسے طلاق، خلع، عتاق اور وقف وغیرہ۔

د- اطلاقات جیسے وکالۃ اور قضاء وغیرہ۔(۱)

تشریح

۱- وہ معاملات جو اضافت کے بغیر منعقد نہیں ہوتے

پہلی قسم کے معاملات وہ ہیں جو اپنی طبیعت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ اضافت کے بغیر منعقد ہی نہیں ہوتے جیسے کسی چیز کی وصیت کرنا یا کسی کو اپنے ورثاء کے لئے وصی بنانا۔ یہ معاملات ایسے ہیں کہ ان پر فی الفور عمل ہی نہیں سکتا بلکہ میّت کے انتقال کے بعد ان پر عمل ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد کا ایک تہائی حصہ فلاں مسجد کو دے دیا جائے تو ذکر کردہ حصہ اس کی وفات کے بعد ہی مسجد کو دیا جائے گا نہ کہ اس کی زندگی میں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے کہتا ہے کہ میں تجھے اپنی نابالغ اولاد کے لئے وصی مقرر کرتا ہوں تو وصی ہونے کے اعتبار سے اس کا عمل موصی کے انتقال کے بعد ہی ہوگا۔

---

(۱) ردالمحتار (۲۵۵/۵).

.... الفقه الإسلامي وأدلته (۲۴۷/۴).

..... أحكام المعاملات الشرعية ص ۲۷۲.

۲- وہ عقود جو اضافت کو قبول نہیں کرتے

دوسری قسم کے عقود وہ ہیں جو اضافت کو قبول نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ منجز ہی واقع ہوتے ہیں۔ ان کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اس میں وہ عقود شامل ہیں جو فوری تملیک کا فائدہ دیتے ہیں جیسے بیع، نکاح اور ھبہ وغیرہ۔

عدمِ جواز کی وجہ

۱- ان کی مستقبل کی طرف اضافت ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان عقود کے حکم کا اثر اور نتیجہ فوری ظاہر ہوتا ہے۔ اگر مستقبل کی طرف ان کی اضافت کی جائے تو ان عقود کا اظہر ظاہر ہونے میں تاخیر ہوجاتی ہے جو ان عقود کے مقتضا کے خلاف ہے اس لئے ان کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا جائز نہیں۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وما لا تصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته وفسخه، والقسمة والشركة والهبة والنكاح والصلح عن مال والإبراء عن الدين لأنها تمليكات للحال، فلا تضاف كما لا تعلق بالشرط. (۱)

ترجمہ:- وہ معاملات جن کی مستقبل کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی، دس ہیں: بیع، اس کی اجازت دینا، اسے فسخ کرنا، قسمت (اشیاء کی تقسیم) شرکت، ھبہ، نکاح، رُجوع عن الطّلاق، مال کے بدلے صلح کرنا اور قرض سے بری کرنا۔ (ان میں اضافت کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے) یہ ایسے معاملات ہیں جن سے فوری ملکیت کا انتقال وجود میں آتا ہے لہٰذا ان کی مستقبل کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی جیسے انہیں کسی شرط کیساتھ معلق نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

---

(۱) الدر المختار (۲۵۶/۵)

هـذه الأشـيـاء لا تـجـوز إضـافتها إلى الزمان المسـتقبل لأنها تمليك وقد أمكن تنجيزها للحال فلا حاجة إلى الإضافة.(۱)

ترجمہ:- ان معاملات کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ ملکیت منتقل کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور ملکیت کا فوری انتقال ممکن ہے لہٰذا اسے مستقبل کی طرف مضاف کرنے کی ضرورت نہیں۔

علامہ بابرتی فرماتے ہیں:-

إن التمليك لا يحتمل التوقيت والتعليق.(۲)

ترجمہ:- ملکیت کا انتقال توقیت (مستقبل کی طرف اضافت) اور تعلیق کو برداشت نہیں کرتا۔

۲- اس کے علاوہ عدمِ جواز کی ایک اور وجہ ذکر کی گئی ہے، وہ یہ کہ مستقبل کی طرف مضاف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت تک وہ چیز عاقد (Contracter) کی ملکیت میں رہے۔ اور ایسا ہونا غیر یقینی (Uncertain) ہے تاہم اگر اس وقت وہ چیز عاقد کی ملکیت میں رہے تو پھر دو صورتیں ہوں گی۔ اس وقت عاقد کو اپنی چیز کے اندر تصرف کا مکمل اختیار ہوگا یا نہیں۔ اگر اختیار حاصل رہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اس وقت یہ عقد فسخ کرنے کا بھی مکمل اختیار ہو اور ایسی صورت میں عقد لازم نہ رہے گا لہٰذا اضافت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اگر اسے اپنی چیز کے اندر تصرف کا اختیار نہ ہو تو یہ بات ملکیت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ کسی چیز کے مالک ہونے کے بعد انسان کو مملوکہ چیز میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔

البتہ یہ تو جیہ ہبہ اور شرکت کے اندر جاری نہیں ہوتی کیونکہ یہ عقود لازمہ نہیں بلکہ وقت آنے پر عاقد ھبہ کرنے یا کسی شراکتی کاروبار وغیرہ میں شریک بننے سے انکار بھی کرسکتا ہے۔

---

(۱) تبيين الحقائق (۱۶۶/۶).

(۲) العناية على هامش الهداية مع فتح القدير. البابرتي (أكمل الدين محمد بن محمود البابرتي المتوفى ۷۸۶هـ) كوئٹه، مكتبه رشيديه، الطبعة القديمة (۳/۴۳۴)

الشیخ علی الخفیف نے اس وجہ کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا:-

ولإنها إذا صحت مع الإضافة فلا بد أن يبقى الملك على ملكه إلى الوقت الذى أضيف إليه، لإرجاء أثرها إلىٰ ذٰلك الوقت، وعندئذ إما أن يصح تصرفه، فيما يملكه من الأعيان التى جعلهامحلاً لهذه العقود . وذٰلك يقتضى استبداده بفسخ العقد المضاف وهذا مناف للزومه، وإما الا تصح تصرفه فيه، وذٰلك ما يتنافى مع ثبوت ملكه، فكل هذا لا تصح مع الإضافة. ولا شك أن التوجيه الأخير لا يتحقق فى الهبة لأنها عقد غير لازم بالنسبة للواهب، فليس ما يمنع من أن يتصرف فى محلها فيفسخ العقد بذٰلك، وكذا لا يتحقق فى الشركة لنفس السبب۔[1]

لہٰذا معلوم ہوا کہ ان عقود میں "اضافت الی المستقبل" کے ناجائز ہونے کی بنیادی طور پر دو وجوہات ہیں۔

۱- اضافت کا ان عقود کے مقتضا کے خلاف ہونا۔

۲- غرر۔

البتہ ڈاکٹر صدیق الضریر کا کہنا ہے کہ عقدِ معلق کے اندر عقد مضاف کے مقابلہ میں "غرر" زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

أما الغرر فإنه أظهر فى التعليق منه فى الإضافة وذٰلك لأن العقد المعلق فى أكثر صوره لا يدرى هل يحصل أم لا يحصل، واذا حصل لا يدرى وقت حصوله فهو عقد مستور العاقبة، أما العقد المضاف فإنه فى أكثر صوره محقق الحصول و معروف وقت حصوله فمن أين يأتيه الغرر .....

---

(۱) احکام المعاملات الشرعیۃ ص ۲۷۳

نستطيع أن نقول: أن الغرر يدخل العقد المضاف من جهة كون المتعاقدين لا يدريان في الوقت الذي أبرما فيه العقد، كيف يكون المبيع في ذلك الوقت.[1]

ترجمہ:- عقدِ مضاف کے مقابلے میں عقدِ معلق کے اندر غرر زیادہ ظاہر ہے کیونکہ عقد معلق کی اکثر صورتوں میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مبیع حاصل ہوگی یا نہیں، اگر ہوگی تو کب ہوگی اس لئے یہ ایسا عقد ہے جسکا انجام پوشیدہ ہے جبکہ عقد مضاف کے اندر اکثر صورتوں میں چیز کا ملنا تقریباً یقینی ہوتا ہے۔ اور اس کے ملنے کا وقت بھی معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس میں غرر کہاں سے آ گیا؟..... ہاں البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عقدِ مضاف میں غرر اس اعتبار سے داخل ہوتا ہے کہ متعاقدین کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس وقت کیطرف عقد کو مضاف کیا گیا ہے۔ وہ وقت آنے پر ان کی رضا اور عقد کے اعتبار سے انکی مصلحت کیا ہوگی جیسا کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت مبیع کی کیفیت کیا ہوگی۔

۳- وہ معاملات جن کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا صحیح ہے

تیسری قسم کے معاملات وہ ہیں جن کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا صحیح ہے لہٰذا جس طرح یہ عقود ''منجز'' ہوتے ہیں، اسی طرح مستقبل کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں بھی واقع ہوجاتے ہیں۔ اس میں چار طرح کے عقود شامل ہیں:-

۱- وہ عقود جن کا اثر فوری طور پر ظاہر نہیں ہوسکتا جیسے اجارۃ، مزارعت، مساقاۃ اور مضاربت۔ یہ معاملات اعیان پر واقع ہونے کے بجائے منافع پر واقع ہوتے ہیں اور یہ واضح ہے کہ اشیاء کے منافع فوری ظاہر نہیں ہوتے بلکہ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں جیسے اگر کوئی شخص گاڑی اجارے پر لیتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والی منفعت اسی وقت ظاہر نہیں ہوگی بلکہ اسے استعمال کرنے کے دوران ہر نئے لمحے پر نئی منفعت ظاہر ہوگی۔ چونکہ

---

(۱) الغرر وأثره في العقود ص: ۱۲۹۔

یہ عقود اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ انکا اثر مستقبل میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا ہے، اس لیئے انکی مستقبل کیطرف اضافت کرنا جائز ہے۔

۲- التزامات جیسے کفالۃ اور حوالہ۔ ان عقود کا اثر بھی ہمیشہ فوری ظاہر نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ تاخیر سے بھی ظاہر ہوتا ہے جیسے کسی شخص نے دوسرے کو اپنے قرضہ کی ادائیگی کا ضامن بنایا تو یہ ضروری نہیں کہ وہ فوراً ہی مکفول عنہ کا قرض ادا کردے بلکہ بسا اوقات وہ آئندہ آنے والے زمانے میں ادا کرتا ہے اور یہی صورت عقدِ حوالہ میں بھی ہے۔ لہٰذا ان معاملات کی مستقبل کی طرف اضافت کرنے میں بھی شرعاً کوئی مانع نہیں۔

۳- اسقاطات جیسے طلاق، عتاق (غلام کو آزاد کرنا) اور وقف وغیرہ۔ ان کی اضافت الی المستقبل کے جواز کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ ان معاملات کے نتیجہ میں عاقد کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے۔ اور ''ملکیت'' ہمیشہ نہیں رہتی بلکہ اگر کوئی صورت پیش نہ آئے تو بالآخر موت کے وقت تو ختم ہو ہی جاتی ہے اور وقف کا عقد مستقبل میں ہوتا ہے۔ لہٰذا موت سے پہلے کسی بھی آنے والے وقت کی طرف اس کی اضافت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۴- اطلاقات جیسے وکالۃ اور قضاء۔ التزامات کی طرح ان کا اثر بھی ہمیشہ فوری ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کی بھی مستقبل کی طرف اضافت کی جاسکتی ہے۔[1]

---

(۱) أحكام المعاملات الشرعية ص: ۲۷۳.

......الدر المختار (۵/۲۵۳).

باب دوم
مبیع (Subject Matter) میں
جہالت کے اعتبار سے غرر

جہالت کے اعتبار سے معاملات میں پائے جانے والے غرر کی دوسری صورت یہ ہے کہ مبیع یعنی جس چیز کو بیچا جارہا ہے، وہ مجہول ہو۔ مبیع کے اندر پائے جانے والی یہ جہالت مختلف نوعیت کی ہوتی ہے ہر ایک کی تفصیل اور اس کے احکام ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

مجہول الذات مبیع کا حکم

مجہول الذات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ متعین طور پر یہ معلوم نہ ہو رہا ہو کہ کس چیز کو بیچا جارہا ہے اگرچہ بیع کی ہم جنس متعدد اشیاء سامنے موجود ہوں مثلاً مختلف طرح کے کپڑے سامنے رکھے ہوں اور بائع خریدار سے یہ کہے کہ میں ان کپڑوں میں سے ایک کپڑا اتنی قیمت کے عوض تمہیں فروخت کرتا ہوں یا بکریوں کا ریوڑ ہو اور مالک خریدار سے یہ کہے کہ میں ان بکریوں میں سے ایک بکری اتنی قیمت کے بدلے میں تمہیں فروخت کرتا ہوں وغیرہ تو ان صورتوں میں چونکہ معلوم نہیں کہ کون سے کپڑے کو یا ریوڑ کی بکریوں میں سے کون سی بکری کو بیچا گیا ہے تو یہ ''مجہول الذات'' چیز کی بیع ہوئی۔

عام طور پر اس طرح مجہول الذات چیز کو فروخت کرنا بائع اور خریدار کے درمیان جھگڑے اور نزاع کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً ذکر کردہ مثالوں میں بیع ہونے کے بعد جب کپڑا منتخب کرنے کا وقت آئے گا تو خریدار کی خواہش ہوگی کہ موجودہ تمام کپڑوں سے سب سے اعلیٰ اور عمدہ کپڑے کو حاصل کرے جبکہ بیچنے والا شخص یہ چاہے گا کہ خریدار سب سے گھٹیا اور کم درجے کا کپڑا اُٹھائے، اس پر دونوں کے درمیان جھگڑا ہوجائے گا۔ اسی طرح بکریوں

کی مثال میں خریدار یہ چاہے گا کہ وہ ریوڑ میں موجود بکریوں میں سے سب سے عمدہ بکری حاصل کرے جبکہ بائع کی خواہش اس کے برعکس ہوگی ، بالآخر یہ اختلاف باہمی نزاع اور جھگڑے کا باعث بنے گا اور وہ بیع جو باہمی نزاع کا باعث بنتی ہے، شرعاً جائز نہیں۔ البتہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جو نزاع کا سبب نہیں بنتیں ، لہٰذا " مجہول الذات مبیع " کی خرید و فروخت کا تفصیلی جائزہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے۔

حنفیہ

اس بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تین سے زائد اشیاء موجود ہوں اور پھر ان میں سے کسی ایک غیر متعین چیز کی بیع کی جائے تو یہ بیع مطلقاً ناجائز ہے خواہ خریدار کو مبیع (Subject Matter) کی تعیین کا حق حاصل ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر بیچی جانے والی اشیاء دو یا تین ہوں اور پھر ان میں سے کسی ایک کو غیر متعین طور پر بیچا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں، جن میں سے ایک جائز اور دوسری ناجائز ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار کو متعین قیمت کے بدلے مطلوبہ چیز متعین کرنے کا اختیار حاصل ہو مثلاً ایک دکاندار کسی خریدار کو تین کپڑوں میں سے کوئی ایک غیر متعین کپڑا بیچتا ہے اور پھر یہ بھی بتلاتا ہے کہ ہر کپڑے کی قیمت سو روپے ہے اور پھر خریدار کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اس میں جس کپڑے کو پسند کرے ، اسے سو روپے کے بدلے میں خرید لے، یہ صورت جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خریدار کو ان میں سے کسی ایک چیز کے متعین کرنے کا اختیار نہ ہو، یہ صورت ناجائز ہے۔

اگر چہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں خرید و فروخت ناجائز ہو، اس لئے کہ جس طرح تین سے زائد اشیاء میں سے کسی ایک غیر متعین چیز کو بیچنے کی صورت میں مبیع غیر متعین ہوتی ہے، اسی طرح تین کی صورت میں بھی مبیع غیر متعین ہوتی ہے لہٰذا جس طرح وہاں پر بیع کو ناجائز قرار دیا گیا تھا، یہاں بھی ناجائز کہا جانا چاہئے تھا لیکن یہاں پر پہلی صورت کو لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے۔

اس کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عام طور پر لوگ چیز کے پسند کرنے میں دوسرے سے مشورہ وغیرہ بھی کرتے ہیں خصوصاً اگر گھر والوں کیلئے کوئی چیز خریدنی ہو تو اس میں اہلِ خانہ کی رائے معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے اور بعض مرتبہ دکاندار بیع کیے بغیر اپنی اشیاء

کو اپنی دکان سے نکالنے نہیں دیتا، ایسی صورت میں لوگوں کو اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ دو تین اشیاء اسطرح خرید لیں کہ جو چیز بعد میں پسند آجائے گی، اسکی بیع کی جائیگی اور بقیہ اشیاء واپس کردی جائیں گی۔ اور یہ ضرورت تین اشیاء تک پوری ہوجاتی ہے، کیونکہ معیار (Quality) کے اعتبار سے چیزوں کے تین درجات ہوتے ہیں۔

۱- اعلیٰ۔ ۲- درمیانہ۔ ۳- ادنیٰ۔

اس لئے صرف تین کی حد تک اسے جائز قرار دیا گیا۔

دُوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب خریدار کو بائع نے کسی ایک چیز کے پسند کرنے کا اختیار دے دیا تو گویا نزاع کی اصل وجہ یہاں نہ رہی اسلئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غیر متعین چیز کے متعین کرنے میں جھگڑا ہوسکتا ہے کہ بائع سب سے گھٹیا چیز دینے کیلئے تیار ہو جبکہ خریدار سب سے اعلیٰ چیز لینے کا خواہش مند ہو، لیکن جب بائع نے خریدار کو بیع متعین کرنے کا اختیار دے دیا تو اس صورت میں خریدار جس مبیع کو بھی خریدے گا، بائع اس پر اعتراض نہیں کرے گا، لہٰذا باہمی نزاع بھی پیدا نہیں ہوگا اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔ جبکہ دُوسری صورت میں چونکہ خریدار کو مبیع متعین کرنے کا اختیار نہیں، اس لئے وہاں نزاع بدستور باقی رہے گا۔[1]

---

(۱) الهداية شرح بداية المبتدی، المرغيناني (برهان الدين أبو الحسن علي بن ابو بكر لمرغيناني) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ (۵/۴۷)، ومن شترى ثوبين على أن ياخذ أيهما شاء بعشرة، وهو بالخيار ثلاثة أيام فهو جائز، وكذلك الثلثة، ان كانت أربعة فالبيع فاسد والقياس أن يفسد البيع في الكل لجهالة المبيع.

وجه الإستحسان: أن شرع الخيار للحاجة إلىٰ دفع الغبن ليختار الأرفق والأوفق الحاجة إلى هذا النوع من البيع متحققة، لانّه يحتاج إلىٰ اختيار من يثق به أو اختيار من يشتريه أجله ولا يمكنه البائع من الحمل إليه إلّا بالبيع فكان في معنى ما ورد به الشرع، غير أن هذه حاجة تندفع بالثلاثة لوجود الجيد والوسط والردى فيها، والجهالة لا تفضى إلى المنازعة في ثلاث لتعيين من له الخيار، وكذا في الأربع إلّا أن الحاجة إليها غير متحققة، والرخصته ثبوتها لحاجة، وكون الجهالة غير مفضية إلى المنازعة، فلا يثبت أيضا بأحدهما.

... أنظر أيضا فتح القدير مع العناية، ابن الهمام (كمال الدين محمد بن عبدالواحد المعروف بن الهمام) كوئته مكتبة رشيدية (۵/۵۲۱).

....المبسوط للسرخسي (۱۳/۵۵).

. تبيين الحقائق، الزيلعي (الإمام فخر الدين عثمان بن على الزيلعي المتوفى ۷۴۳ھ) بتحقيق شيخ أحمد عزّو عناية، بيروت، لبنان دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ (۳/۲۱۵).

سوال

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خریدار کو مبیع متعین کرنے کا اختیار دینے کی وجہ سے جسطرح تین اشیاء کی بیع کی صورت میں نزاع ختم ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے زائد کی صورت میں بھی اگر خریدار کو بیع متعین کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو اس صورت میں یہ بیع جائز ہونے چاہئے، اس لئے کہ ایسی صورت میں بھی جب خریدار کی طرف سے مبیع متعین کرنے پر بائع کو کوئی اعتراض نہ ہوگا لہذا باہمی نزاع بھی پیدا نہیں ہوگا۔

جواب

علامہ سرخسی رحمہ اللہ کی طرف سے اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ چونکہ اس بیع کو خلاف قیاس بطور استحسان جائز قرار دیا گیا ہے اسلئے یہ جواز وہیں تک محدود رہیگا جہاں تک ضرورت ہے جیسے خیار شرط کو خلاف قیاس جائز قرار دیا گیا ہے تو اسکی مدت اتنی ہی مقرر کی گئی ہے جتنی احادیث میں وارد ہوئی ہے یعنی تین دن۔ لہذا اسے خیار شرط کے عدد ایام پر قیاس کر کے اتنی اشیاء میں اسے جائز قرار دیا جائیگا، اس سے زائد میں نہیں۔[1]

علامہ ابو بکر مرغینانیؒ نے اسی کے قریب جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اسکا جواز خلاف قیاس ضرورت کی وجہ سے ہے لہذا جب تین میں ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو اس سے زائد میں جائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ نیز جب تین درجے کی اشیاء یعنی اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ درجے کی اشیاء موجود ہوں گی تو مزید چوتھی اور اس سے زائد اشیاء میں خیار تعیین کے ساتھ بیع کو جائز قرار دینے میں اس کی ضرورت نہیں، اسلئے یہ بیع جائز نہیں ہونی چاہئے۔[2]

غور طلب

ان دونوں جوابات کے ذکر کرنے کے بعد یہ بات اہل علم کے لئے غور طلب ہے

---

(۱) المبسوط للسرخسي بحواله بالا۔ (۲) الهداية بحواله بالا۔

کہ کیا عصر حاضر میں اس طرح خیارِ تعیین کے ساتھ بیع کی جائے تو کیا صرف تین کی حد تک ہی اس کا جواز برقرار رکھنا ضروری ہے یا اس سے زائد کی صورت میں بھی گنجائش ہے۔

اس معاملے پر غور و خوض کے بعد احقر کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ فقہاء کرام کا یہ کہنا کہ ضرورت صرف تین کی حد تک پوری ہو جاتی ہے، اسکا تعلق اس زمانے سے تھا جب اشیاء کے اندر عام طور تین معیار ہوتے تھے، اعلیٰ، متوسط، ادنیٰ اور عام طور پر اشیاء کے رنگ اور ڈیزائن بھی بہت محدود ہوتے تھے، لیکن عصرِ حاضر میں جبکہ مختلف اشیاء خصوصاً کپڑوں کے اندر متعدد قسم کے رنگ اور ڈیزائن وجود میں آچکے ہیں تو ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک کپڑا اعلیٰ درجے کا ہو لیکن اسکے ڈیزائن وغیرہ کی وجہ سے خریدار کو اس معیار کے کئی کپڑے دیکھنے کی ضرورت محسوس ہو، لہٰذا آج کل کے اعتبار سے اس معاملہ کو صرف تین کی حد تک جواز پر محمول کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم (البتہ اگر پسندیدگی کے لئے چیز دی گئی ہو تو اس کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے)۔

عددیاتِ متقاربہ کا حکم

حنفیہ کے بیان کردہ اس حکم کا تعلق اس صورت میں ہے کہ جب متعدد اشیاء کے درمیان باہمی تفاوت ہو، بعض چیزیں اعلیٰ معیار کی ہوں اور کچھ درمیانے اور کم درجے کی ہوں، یا ہر ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ہو جیسے کپڑے کہ ان کے اندر مختلف معیار ہوتے ہیں اور بکریاں یا بھیڑیں وغیرہ کہ ہر جانور اپنی صفات اور قدر و قیمت کے اعتبار سے دوسرے سے ضرور مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اگر بیچی جانے والی اشیاء عددیاتِ متقاربہ میں سے ہوں یعنی ایک جیسی ہوں، ان کے درمیان کوئی خاص فرق نہ ہو تو ایسی صورت ان اشیاء میں سے کسی غیر متعین چیز کی بیع کرنا بھی جائز ہے جیسے انڈے، اخروٹ یا ایک قسم کے پھل جیسے سنگترے، کینو، کیلے وغیرہ وغیرہ۔ ان میں خریدار اگر پہلے ایک غیر متعین چیز مثلاً انڈا خرید لے اور بعد میں کوئی ایک لے لے تو یہ جائز ہے، اس لئے ان چیزوں میں باہمی کوئی ایسا تفاوت نہیں ہوتا جو نزاع اور جھگڑے کا باعث بنے۔[1]

(۱) المدخل فی الفقہ الاسلامی ص: ۱۲۱۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں بھی مجہول الذات یعنی غیر متعین چیز کی خرید و فروخت ناجائز ہے البتہ اگر خریدار کو مبیع متعین کرنے کا حق دے دیا جائے تو پھر انکے نزدیک یہ بیع مطلقاً جائز ہوجاتی ہے۔ گویا حنفیہ اور مالکیہ کے مذہب میں یہ فرق ہے کہ حنفیہ کے ہاں خریدار کو "خیار تعیین" ملنے کی صورت میں صرف تین اشیاء کی تک جواز محدود رہتا ہے جبکہ مالکیہ کے ہاں اس سے زیادہ اشیاء کی صورت میں بھی بیع جائز ہے۔[1]

شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ

شوافع، حنابلہ اور ظاہریہ کے ہاں غیر متعین چیز کی بیع مطلقاً ناجائز ہے، خواہ خریدار کو خیار تعیین حاصل ہو یا نہ ہو۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ مجہول الذات یعنی غیر متعین شئ کی بیع ہے جبکہ بیع کے جواز کیلئے مبیع کا متعین ہونا شرط ہے۔ علامہ شیرازی فرماتے ہیں:-

ولا يجوز بيع عين مجهولة كبيع عبد من عبيد أو ثوب من أثواب لأن ذلك غرر من غير حاجة.[2]

ترجمہ:- مجہول الذات چیز کی بیع جائز نہیں جیسے کئی غلاموں میں سے ایک غلام کی بیع کرنا یا کئی کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع کرنا کیونکہ اس میں ایسا غرر پایا جاتا ہے جسکی کوئی حاجت نہیں۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:-

لا يجوز بيع عبد من عبيد ولا من عبدين ولا ثوب من ثياب ولا ثوبين سواء شرط الخيار أم لا.[3]

ترجمہ:- کئی غلاموں یا دو غلاموں میں سے ایک غلام کی بیع کرنا اور کئی

---

(۱) مواهب الجليل للحطاب (۲۲۳/۴).

(۲) المهذب، الشيرازي (الأمام أبو اسحاق الشيرازي) مصر، عيسى البابي الحلبي وشركاؤه (۲۶۳/۱).

(۳) المجموع شرح المهذب (۲۸۶/۹).

کپڑوں یا دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع کرنا جائز نہیں خواہ اس میں خیارِ (تعیین) رکھا گیا ہو یا نہ رکھا گیا ہو۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:

ولا يحل بيع شئ غير معين من جملة مجتمعة لا بعدد ولا بوزن ولا بكيل.[1]

ترجمہ:- کسی مجموعہ میں سے کسی غیر معین چیز کی بیع کرنا جائز نہیں، نہ عدد کے اعتبار سے، نہ وزن کے اعتبار سے اور نہ کیل کے اعتبار سے۔

عدمِ جواز کی وجہ

ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس صورت میں مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے غرر کی خرابی پائی جاتی ہے[2] حتیٰ کہ امام ابنِ حزم نے اس کو سب سے بڑا غرر قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

ولا غرر أكثر منه ألا يدري البائع اى شيء هو الذي باعه ولا يدري المشتري أى شيء اشتري.[3]

ترجمہ:- اس سے بڑا غرر اور کوئی نہیں کہ بائع کو یہ معلوم نہیں کہ کیا بیچ رہا ہے اور نہ خریدار کو یہ معلوم ہے کہ وہ کیا خرید رہا ہے۔

علامہ شیرازی اور علامہ ابنِ قدامہ کا کہنا ہے کہ اس غرر کو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ عقد کے بعد خیار حاصل کیا جائے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقد سے پہلے کسی ایک کو متعین کرنے کے بعد بیع کی جائے۔[4]

---

(۱) المحلی، ابن حزم (أبو محمد علی ابن أحمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية، الطبعة الأولى ۱۳۵۰ھ (۸/۴۲۹).

(۲) المحلی (۸/۴۲۹).

(۳) المهذب (۹/۲۸۶).

(۴) المغنی لابن قدامة (۶/۳۷).

پسندیدگی کے لئے کپڑے وغیرہ بھیجنے کا حکم

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ گذشتہ مسئلہ میں فقہاء کرام کا ذکر کردہ حکم ایسی صورت میں ہے کہ جب خریدار متعدد اشیاء میں سے کسی کو خرید لے لیکن اگر خریدار کسی چیز کو نہ خریدے بلکہ بعض چیزیں پسند کرنے کے لئے دکاندار سے لے آئے اور پھر بعد میں کسی ایک یا زیادہ کو پسند کر کے بیع کر لے تو ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ اپنے اہلِ خانہ کیلئے کپڑے یا جوتے وغیرہ خریدتے ہیں اور وہ یا ان کے گھر والے اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ گھر کی عورتیں خود دکان پر جائیں اس لئے وہ مختلف ڈیزائن کے کپڑے وغیرہ گھر لے آتے ہیں۔ پھر ان میں جو کپڑا پسند آجاتا ہے، اسے بعد میں خرید لیا جاتا ہے، چونکہ یہاں خرید وفروخت کا معاملہ بعد میں ایک متعین چیز پر ہوا ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

مجهول الجنس مبیع کا حکم

مجهول الجنس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ میں تجھے ایک چیز دس روپے میں فروخت کرتا ہوں۔ ایک چیز کہنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ بیع کے اندر سب سے زیادہ جہالت اسی صورت میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں ذات، نوع اور صفت (یعنی تین اعتبار سے) جہالت پائی جاتی ہے۔ اس لئے جمہور فقہاء کرام کے ہاں یہ بیع ناجائز ہے۔ البتہ مختلف مذاہب میں شرائط کے اعتبار سے قدرے تفصیل ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

حنفیہ:

حنفیہ کے نزدیک اگر اس چیز کی طرف یا اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جائے جہاں وہ چیز رکھی ہوئی ہے تو یہ بیع جائز ہے۔

علامہ ابنِ عابدین فرماتے ہیں:-

وفي المبسوط الإشارة إليه أو إلىٰ مكانه شرط الجواز، فلو لم يشر إليه ولا إلىٰ مكانه لا يجوز بالإجماع آه لكن إطلاق الكتاب يقتضي جواز البيع سواء سمي جنس المبيع أولا، وسواء أشار إلىٰ مكانه أو إليه وهو حاضر مستور أو لا، مثل أن يقول بعت منك ما في كمي. بل عامة المشائخ قالوا: إطلاق الجواب يدلّ على الجواز عنده، وطائفة قالوا: لا يجوز لجهالة المبيع من كل وجه. والظاهر أنّ المراد بإطلاق ما ذكره شمس الأئمة وغيره كصاحب الأسرار والذخيرة لبعد القول بجواز ما لم يعلم جنسه أصلًا كان يقول بعتك شيئًا بعشرة آه كلام الفتح. وحاصله التوفيق بين ما قاله عامة المشائخ وما قاله بعضهم بحمل إطلاق الجواب علىٰ ما قاله شمس الأئمة وغيره من لزوم الإشارة إليه أو إلىٰ مكانه إذ لا يصح بيع ما لم يعلم جنسه أصلًا.[1]

ترجمہ:- مبسوط میں ہے کہ اس چیز کی طرف یا اس کی جگہ کی طرف اشارہ کرنا جواز کے لئے شرط ہے اگر اس کی طرف یا اسکی جگہ کی طرف اشارہ نہ کیا تو یہ بیع بالا جماع ناجائز ہے۔ لیکن کتاب (یعنی قدوری) کے اندر مطلق حکم ذکر کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہو خواہ جنس کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے اسکی اور اسکی جگہ کی طرف اشارہ کیا جائے یا نہ کیا جائے، وہ چیز حاضر اور چھپی ہوئی ہو یا نہ ہو جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ جو چیز میری آستین میں ہے، میں اسے تمہارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔ جمہور مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ جواب کے مطلق ہونے سے

---

(۱) رد المحتار، الشامي (العلامة محمد أمين الشهير بابن عابدين الشامي المتوفي ۱۲۵۲ھ) كراچي، ايچ ايم سعيد كمپنی، الطبعة الأولىٰ ۱۴۰۶ھ (۴/۲۹۲).

صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک یہ بیع جائز ہے جبکہ فقہاء کی ایک بڑی جماعت اس بیع کو ناجائز کہتی ہے کیونکہ اس میں بیع ہر اعتبار سے مجہول ہے اور شمس الائمہ وغیرہ کے علی الاطلاق جواب سے بھی مجہول الجنس بیع کا جواز معلوم ہونا مشکل ہے اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس چیز یا اس کی جگہ کی طرف اشارہ کو لازمی قرار دیا جائے تو بیع جائز ہے ورنہ مجہول الجنس کی بیع بالکل ناجائز ہے۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں اگر دیکھنے کے بعد خریدار کو وہ چیز واپس کرنے کا اختیار ہو تو بیع جائز ہے۔ چنانچہ علامہ باجی مالکی فرماتے ہیں:-

ومقتضي البيع المكايسة ولذا لا ينعقد في ماجهلت صفته أو جنسه، فإذا شرط المشترى الخيار لنفسه فقد فيصح العقد، لأنه لا غرر فيه، إذ البائع قد علم صفة ما باع فلا غرر عليه، والمبتاع بالخيار فلا غرر عليه أيضا.[1]

ترجمہ:- بیع کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں بخل ہو یہی وجہ ہے کہ مجہول الجنس اور مجہول الصفت چیز کی بیع واقع نہیں ہوتی، البتہ اگر خریدار نے اپنے لئے اسے دیکھنے کی شرط لگا لی تو یہ عقد صحیح ہو جائے گا کیونکہ اس میں غرر نہیں اس لئے کہ بائع کو اس چیز کی حالت معلوم ہے جسے وہ بیچ رہا ہے لہٰذا اسے کسی دھوکے (غرر) کا سامنا نہیں اور خریدار کو بھی اس

---

(۱) المنتقى شرح الموطأ، الباجي (القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب بن وارث الباجي ۴۰۳ هـ - ۴۹۴ هـ) مصر، مطبعة السعادة، الطبعة الأولى ۱۳۳۲ هـ (۴/۲۸۷).

.....انظر أيضًا مواهب الجليل، الحطاب (أبو عبدالله محمد بن محمد بن عبدالرحمن المغربي المعروف بالحطاب ۹۰۲ هـ - ۹۵۴ هـ) بيروت، دار الفكر، الطبعة الثانية ۱۳۹۸ هـ - ۱۹۷۸ م (۴/۴۳۹).

چیز کی حالت معلوم ہے جسے وہ خرید رہا ہے اس لئے اسے بھی کسی دھوکے (غرر) کا سامنا نہیں۔

شافعیہ، حنابلہ

شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اس بیع کے جواز کے لئے خریدار کا اس کو دیکھنا شرط ہے۔ لہٰذا اگر مبیع موجود نہ ہو بلکہ غائب ہو اور اس کی جنس بھی معلوم نہ ہو تو اس کی بیع جائز نہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع العين الغائبة إذا جهل جنسها أو نوعها لحديث أبي هريرة أنّ النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر وفي بيع ما لا يعرف جنسه أو نوعه غرر كبير.[1]

ترجمہ:- اگر غائب اشیاء کی جنس یا نوع معلوم نہ ہو تو ان کی بیع جائز نہیں جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا اور جس چیز کی جنس یا نوع معلوم نہ ہو تو اس میں بہت بڑا غرر ہے۔

مجہول الصفت مبیع کا حکم

مجہول الصفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ تو معلوم ہو کہ وہ کیا ہے لیکن اس کے اوصاف معلوم نہ ہوں مثلاً یہ معلوم نہ ہو کہ عمدہ ہے، درمیانے درجے کی ہے یا گھٹیا ہے، باریک ہے یا موٹی، اس پر بنے ہوئے ڈیزائن کس طرح کے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مجہول الصفت مبیع کی خرید و فروخت کے جواز اور عدم جواز میں درج ذیل تفصیل ہے۔

---

(۱) المجموع شرح المهذب، النووي (أبو زكريا محي الدين يحيى بن شرف النووي) بيروت، دار الفكر (۹/۲۸۸).

حنفیہ

مجہول الصفت کے حکم میں فقہاء حنفیہ کی مختلف آراء ہیں، جمہور فقہاء جن میں علامہ زاہدی، علامہ مرغینانی، علامہ طحطاوی، علامہ ابن عابدین اور دیگر حضرات شامل ہیں، کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس چیز کی طرف اشارہ کر دیا جائے تو پھر اسکی صفت بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی صورت میں بیچی جانے والی چیز کے اوصاف ذکر کئے بغیر بھی بیع کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الأعواض المشار إليها لا يحتاج إلىٰ معرفة مقدارها في جواز البيع، لأنّ بالإشارة كفاية في التعريف وجهالة الوصف فيه لا تفضي إلى المنازعة.[1]

ترجمہ:- وہ عوض جن کی طرف اشارہ کردیا جائے ان کی مقدار جاننے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس کے جاننے کے لئے اشارہ کافی ہے اور اب اس میں صفت کا معلوم نہ ہونا نزاع کا باعث نہیں۔

اسی طرح علامہ حصکفی کی رائے یہ ہے کہ اگر مبیع کے اوصاف بیان نہ کئے جائیں تو بھی بیع دُرست ہے، چنانچہ تنویر الابصار اور اس کی شرح الدرالمختار میں ہے:-

(وشرط لصحته معرفته قدر) مبيع وثمن ووصف ثمن.[2]

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ثمن کی مقدار اور اس کے وصف کا

---

(۱) الهداية شرح بداية المبتدى، المرغيناني (برهان الدين أبوالحسن على بن أبى بكر المرغيناني، كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية الطبعة الأولىٰ ١٤١٧هـ (٢٠/٥).

.....رد المحتار (٥٢٩/٤).

(۲) تنوير الأبصار، التمرتاشي (شمس الدين محمد بن عبدالله بن أحمد الخطيب التمرتاشي المتوفى ١٠٠٤هـ) كراجي، ايج ايم سعيد كمپني، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٦هـ (٥٢٩/٤).

.. الدر المختار، الحصكفي (محمد بن علي بن محمد الملقب بعلاء الدين الحنفي الدمشقي المعروف بالحصكفي المتوفى ١٠٨٨هـ) كراجي، ايج ايم سعيد كمپني، الطبعة الأولى ١٤٠٦هـ (٥٢٩/٤).

معلوم ہونا ضروری ہے (مبیع کا وصف معلوم ہونا ضروری نہیں)۔

اسی کے تحت حاشیہ ابن عابدین میں ہے:-

ظاهر كلامه كالكنز يعطي أنّ معرفة وصف المبيع غير شرط.[1]

ترجمہ:- کنز الدقائق کی طرح علامہ حصکفی کے ظاہری کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مبیع کا وصف بیان کرنا ضروری نہیں۔

علامہ شرنبلالی کی رائے یہ ہے کہ اگر مبیع کے اوصاف اور مقدار دونوں چیزیں معلوم نہ ہوں تو بھی بیع دُرست ہو جائے گی، صرف جنس کا معلوم ہونا کافی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

إنّ المبيع المسمى جنسه، لا حاجة إلى بيان قدره ولا وصفه ولو غير مشار إليه أو إلىٰ مكانه.[2]

ترجمہ:- جس مبیع کی جنس بیان کردی جائے اس کی مقدار اور صفت بیان کرنے کی ضرورت نہیں خواہ اس کی یا اس کی جگہ کی طرف اشارہ بھی نہ کیا جائے۔

علامہ شرنبلالی کے دلائل

۱- صفت اور مقدار کا معلوم نہ ہونا باہمی نزاع اور جھگڑے کا باعث نہیں بنتا اس لئے کہ ایسی صورت میں خریدار کو خیارِ رُویت حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا دیکھنے کے بعد خریدار کو حق حاصل ہوگا کہ اگر اسے وہ چیز پسند نہ آئے تو وہ یہ معاملہ فسخ کردے۔

۲- شریعت کے اندر ایسے معاملات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں بیچی جانے والی چیز کی صفت اور مقدار معلوم نہ ہونے کے باوجود بھی بیع کو صحیح قرار دیا گیا جیسے کسی شخص کا دوسرے سے یہ کہنا کہ میرے گھر یا میرے صندوق میں جو کچھ ہے، وہ آپ

---

(۱) رد المحتار (۵۲۹/۴)۔

(۲) بحوالہ بالا۔

اتنے میں لے لیں، یا غاصب کا مغصوب منہ سے یہ کہنا کہ میں نے آپ کی جو چیز غصب کی ہے، وہ مجھے اتنے میں بیچ دو، یا امین کا امانت رکھوانے والے سے یہ کہنا کہ آپ کی جو امانت میرے پاس ہے وہ اتنے میں مجھے بیچ دو وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام صورتوں میں بیچی جانے والی اشیاء کے اوصاف معلوم نہیں ہوتے لیکن فقہاء حنفیہ کے ہاں ان کی بیع جائز ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ بیع جائز ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بیچی جانے والی چیز کی صفت بیان کی جائے۔ علامہ شرنبلالی کے دلائل سے متعلقہ عربی عبارات درج ذیل ہیں:-

إن الجهالة المانعة من الصحة تنتفي بثبوت خيار الرؤية لأنه إذا لم يوافقه يرده فلم توجد الجهالة المفضية إلى المنازعة واستدل على ذلک بفروع صححوا فيها البيع بدون بيان قدر ولا وصف: منها ما قدمناه من صحة بيع جميع ما في البيت أو الصندوق وشراء ما في يده من غصب أو وديعة وبيع الأرض مقتصرا على ذكر حدودها وشراء الأرض الخربة المارة عن القنية.[1]

لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے ان دلائل کی تردید فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مجہول الصفت مبیع کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیں تو بہت سی ایسی صورتوں میں بھی بیع کو جائز قرار دینا پڑے گا جو بالاتفاق ناجائز ہیں جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے تجھے اپنی گندم ایک درہم کے بدلے میں بیچی یا اپنا غلام یا گھر ایک درہم کے بدلے میں بیچا۔ یہ معاملات جائز نہیں، لہٰذا مجہول الصفت چیز کی بیع کو جائز قرار دینا درست نہیں۔

علامہ شرنبلالی کے دلائل کا جواب

علامہ شرنبلالی کی پہلی دلیل کا جواب دیتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ

---

(۱) رد المحتار (۴: ۵۲۹)۔

کہنا دُرست نہیں کہ خیارِ رُویت کی وجہ سے مبیع کی جہالت زائل ہوجائے گی، اس لئے کہ بعض دفعہ بیچی جانے والی چیز کے، کچھ حصہ کو دیکھنے سے خیارِ رُویت ختم ہوجاتا ہے اور اس کے بعد بھی اس چیز میں اتنی جہالت باقی رہتی ہے جو باعث نزاع بن سکتی ہے اور کبھی کبھی تو اس چیز کو دیکھنے سے پہلے ہی خیارِ رُویت ختم ہوجاتا ہے جیسے کوئی شخص ایک چیز بن دیکھے خریدے اور پھر دیکھنے سے پہلے سے اسے آگے فروخت کردے۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ذکر کردہ مثالیں جن میں صفت کا ذکر کئے بغیر بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، یہ تمام صورتیں اس وقت جائز ہیں جب ان میں جہالت بہت کم پائی جاتی ہو اور وہاں صفت کا ذکر نہ کرنا باہمی نزاع اور جھگڑے کا باعث بھی نہیں بنتا، نیز یہ جہالت خیار کے استعمال سے ختم ہو جاتی ہو، لہٰذا ان چند مثالوں کی بنیاد پر مجہول الصفت مبیع کی بیع کو جائز قرار دینا درست نہیں۔ ان جوابات سے متعلق عربی عبارات درج ذیل ہیں:۔

قلت ما ذكره من الإكتفاء بذكر الجنس عن بعض القدر والوصف لا يلزم عليه صحة البيع في نحو: بعتك حنطة بدرهم ولا قائل به ومثله بعتك عبدًا أو دارًا وما قاله من انتفاء الجهالة بثبوت خيار الرؤية مدفوع بأن خيار الرؤية قد يسقط برؤية بعض المبيع، فتبقى الجهالة المفضية إلى المنازعة وكذا قد يبطل خيار الرؤية قبلها بنحو بيع دار أو رهن لما اشتراه ..... نعم صحح بعضهم الجواز بدون الإشارة المذكورة لكنه محمول على ما إذا انتفى الجهالة بدونها ولذا قال في النهاية هناك: صح شراء ما لم يره يعني شيئًا مسمى موصوفًا أو مشارًا إليه أو إلى مكانه ليس فيه غيره بذلك الإسم ..... والذى يظهر من كلامه تفريعا وتعليلا أن المراد بمعرفة القدر والوصف ما ينفي الجهالة

الفاحشة وذلک بما یخصص المبیع عن أنظاره وذلک بالإشارة لو حاضرًا في مجلس العقد کبعتک کرحنطة بلدیة مثلًا بشرط کونه في ملکه أو ببیان مکانه الخاص کبعتک ما فی کمي أو بإضافته إلی البائع کبعتک عبدی ولا عبد له غیره أو ببیان حدود أرض ففی کل ذلک تنتفی الجهالة الفاحشة عن المبیع، وتبقی الجهالة الیسیرة وهی لا تنافي صحة البیع لإرتفاعها بثبوت خیار الرؤیة، فإن خیار الرؤیة یثبت بعد صحة البیع لرفع تلک الجهالة الیسیرة لا لرفع الفاحشة المنافیة لصحته.[1]

طرفین کے دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں علامہ شرنبلالی کا مسلک کمزور ہے اور زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ اگر مبیع موجود نہ ہو تو اس کی صفات کا بیان کرنا ضروری ہے خصوصاً عصرِ حاضر میں صفات کا بیان باہمی نزاع کا باعث بن سکتا ہے۔

البتہ یہاں یہ واضح رہنا ضروری ہے کہ یہ ساری تفصیل عام معاملات کے متعلق ہے لیکن اگر ایسی دو اجناس کا باہمی تبادلہ ہو جن میں کمی بیشی ربا کا باعث بنتی ہے جیسے سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور وغیرہ[2] تو اس صورت میں عوضین کے ہونے کے باوجود ان کی طرف صرف اشارہ کر دینا کافی نہیں بلکہ عوضین کا مکمل طور پر برابر برابر کرنا ضروری ہے کیونکہ ایسی بیع میں عوضین کے درمیان تھوڑی سی کمی بیشی بھی ربا کا ذریعہ بنتی ہے۔ چنانچہ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

إن الأعواض إذا کانت من أموال الربویة کالدراهم والدنانیر والحنطة والشعیر إذا بیعت بجنسها عند جهالة مقدارها لا یجوز وإن أشیر إلیها.[3]

---

(۱) رد المحتار (۴/ ۵۳۰)۔ (۲) انہیں اصطلاح میں "أموال ربویة" کہا جاتا ہے۔

(۳) الکفایة مع فتح القدیر، الخوارزمی (مولانا جلال الدین الخوارزمی) کوئٹہ، مکتبۃ رشیدیہ، (۵/ ۴۶۶)۔

ترجمہ:- جب عوضین اموال ربوی ہوں جیسے دراہم، دنانیر، گندم اور جو، اور باہمی طور پر تبادلہ کیا جائے اور ان کی مقدار معلوم نہ ہو تو وہ بیع جائز نہیں اگرچہ ان کی طرف اشارہ بھی کیا جائے۔

شافعیہ

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں شافعیہ کے تین اقوال نقل فرمائے ہیں:-

پہلا قول

إنّه لا يصح حتّٰى تذكر جميع الصفات كالمسلم فيه.

ترجمہ:- جب تک بیچی جانے والی چیز کی تمام صفات ذکر نہ کی جائیں جس طرح کہ مسلم فیہ میں کی جاتی ہیں، اس وقت تک بیع صحیح نہ ہوگی۔

دُوسرا قول

لا يصح حتّٰى تذكر الصفات المقصودة.

ترجمہ:- جب تک صفاتِ مقصودہ (یعنی وہ صفات جن پر اس چیز کے مفید یا نقصان دہ ہونے کا مدار ہے) ذکر نہ کی جائیں، اس وقت تک بیع صحیح نہ ہوگی۔

تیسرا قول

لا يفتقر إلىٰ ذكر شيء من الصفات. (۱)

ترجمہ:- کسی بھی صفت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، یعنی صفات کا ذکر کئے بغیر خریدنا اور بیچنا جائز ہے۔

ان تین اقوال میں سے پہلا قول راجح ہے اور امام شافعی کے جدید قول کے بھی موافق ہے۔

چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:-

---

(۱) المجموع شرح المذهب للنووي (۹/۲۸۸).

وقال في الجديد: لا يصح لحديث أبي هريرة أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر وفي هذا البيع غرر ولأنّه نوع بيع فلم يصحّ مع الجهل بصفته.[1]

ترجمہ:- امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ (جب تک تمام صفات کا ذکر نہ کیا جائے اس وقت تک) بیع صحیح نہیں کیونکہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا اور اس بیع میں غرر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بیع (اور بیع میں مبیع کا معلوم ہونا ضروری ہوتا) ہے لہٰذا صفت کے مجہول ہونے کی صورت میں یہ صحیح نہیں ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مجہول الصفت مبیع کی خرید وفروخت مطلقاً ناجائز ہے۔

علامہ ابن رشد الجدّ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

أمّا الغرر في الثمن والمثمن أو في أحدهما فإنّه يكون بثلاثة أوجهٍ .(أحدها) الجهل بصفته أوبمقداره.[2]

ترجمہ:-ثمن اور مبیع کے اندر غرر تین اعتبار سے ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ کہ ان کی صفت یا مقدار مجہول ہو۔

علامہ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع ما تجهل صفته.[3]

ترجمہ:- مجہول الصفت مبیع کی بیع جائز نہیں۔

---

(۱) المجموع شرح المهذب للنووی (۲۸۸/۹).

(۲) المقدمات الممهدات، القرطبي (أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي المتوفى ۵۲۰هـ) بيروت، دارالغرب الإسلامي، الطبعةُ الأولىٰ ۱۴۰۸ هـ-۱۹۸۸م (۷۵/۲).

(۱) المغني لابن قدامة (۳۰۱/۶).

خلاصہ یہ کہ مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کے راجح قول کے مطابق اگر مبیع کی صفات بیان نہ کی جائیں تو بیع جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک اگر اس چیز کی طرف اشارہ کردیا جائے تو بیع صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔

مجہول الصفت اشیاء کی چند مثالیں اور ان کا حکم

مجہول الصفت مبیع کی خرید وفروخت کے متعلق فقہائے کرام کی آراء ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس کی چند مثالیں اور فقہ حنفیہ کی رو سے ان کا حکم بیان کرتے ہیں۔

زمین میں پوشیدہ سبزیوں کی خرید وفروخت

ہماری روز مرہ زندگی میں استعمال ہونے والی بہت سی سبزیاں ایسی ہیں جو دراصل پودوں کی جڑیں ہوتی ہیں اور زمین میں پوشیدہ ہوتی ہیں، انھیں زمین سے اکھاڑ کر استعمال کیا جاتا ہے جیسے گاجر، مولی، پیاز، لہسن وغیرہ۔ عام طور پر انہیں زمین سے اکھاڑ کر منڈیوں اور بازاروں میں فروخت کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض مرتبہ ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ زمین کے اندر ہوتے ہوئے ان کی خرید وفروخت ہوجاتی ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس حال میں ان کی بیع جائز ہے یہ نہیں؟

اس کا حکم یہ ہے کہ بیع کرتے وقت اگر وہ چیز زمین میں اگی ہی نہ ہو یا اگی تو ہو لیکن بیع کرتے وقت اس کا علم نہ ہو کہ وہ اگ چکی ہے کہ نہیں تو اس وقت اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ مثلاً جس دن بیج ڈالا اسی دن اسے بیچ دیا تو اس صورت میں یہ معلوم ہے کہ ابھی تک اگی ہی نہیں تو یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح بیج ڈالنے کے بعد اس وقت بیع ہوئی جبکہ اس کے صرف چند پتے باہر زمین پر نظر آرہے تھے تو اس صورت میں چونکہ معلوم نہیں کہ وہ اگ چکی ہے یا نہیں تو ایسی صورت میں اسکی خرید وفروخت جائز نہیں۔

لیکن اگر یقین سے معلوم ہو کہ وہ چیز اگ چکی ہے تو اس صورت میں حنفیہ کے (ل) اسکی خرید وفروخت جائز ہے اور خریدار کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا۔ جس کی صورت یہ (ہو)گی کہ خریدار جب ان میں سے چند کو اکھاڑ کر دیکھ لے اور پھر پسند کرے تو وہ بیع مکمل

ہوجائے گی اور خریدار کا خیارِ رؤیت ختم ہو جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اپنی کتاب رد المحتار میں لکھتے ہیں:-

إذا لم ينبت أولم يعلم وجوده فإنّه لا يجوز بيعه فيهما كما في ط عن الهندية (قوله وله خيار الرؤية) قال في الهندية: إن كان المبيع في الأرض ممّا يكال أو يوزن بعد القلع كالثوم والجزر والبصل فقلع المشتري شيئًا بإذن البائع أوقلع البائع، إن كان المقلوع ممّا يدخل تحت الكيل أو الوزن إذا رأى المقلوع ورضي به لزم البيع في الكل وتكون رؤية البعض كرؤية الكل إذا وجد الباقي كذلك، وإن كان المقلوع شيئًا يسيرًا لا يدخل تحت الوزن لا يبطل خياره.[1]

في الدرالمختار: وتكفي رؤية البعض عندهما وعليه الفتوى.[2]

چھلکے میں پوشیدہ غذائی اشیاء کی خرید وفروخت

بہت سی غذائی اشیاء جس میں پھل، سبزیاں اور میوہ جات وغیرہ شامل ہیں، کی خرید وفروخت ان چھلکوں میں ہوتی ہے جس میں وہ موجود ہوتی ہیں جیسے بادام، اخروٹ، کیلا، مالٹا، خربوزہ، تربوز وغیرہ اور بعض مرتبہ اس کے بغیر ہوتی ہے جیسے چاول اور تل وغیرہ۔ جب ان چیزوں کی چھلکوں کے اندر ہوتے ہوئے بیع ہورہی ہوتی ہے تو اس وقت یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اندر سے کیسے ہیں، مثلاً بادام کڑوا ہے یا میٹھا، خربوزہ میٹھا ہے یا پھیکا، تربوز پکا ہے یا کچا وغیرہ۔ گویا ان کے اندر صفت کسی حد تک غیر معلوم ہوتی ہے، تو کیا اسی حال میں انکی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

جہاں تک چاول وغیرہ کی خرید وفروخت کا تعلق ہے تو اگر یہ چھلکے کے اندر ہو تو

(۱) رد المحتار (۱۴۹/۳)۔ (۲) الدر المختار (۱۴۸/۴)۔

اس وقت صرف چاول کی بیع نہیں ہوتی بلکہ چھلکا سمیت چاول (دھان) کی بیع وشراء ہوتی ہے تو اس وقت چونکہ خود چھلکا مبیع کا جزو بن جاتا ہے، اسلئے اسکی خرید وفروخت جائز ہے۔

پھلوں اور میوہ جات کی خرید وفروخت میں یہ تفصیل ہے کہ چھلکا سمیت خریدنا تو جائز ہے لیکن چھلکا اتارنے کے بعد اگر وہ چیز کسی طرح قابل استعمال ہی نہیں مثلاً خربوزہ کڑوا تھا جسکی وجہ سے اسکا کھانا بہت مشکل ہوگیا یا اخروٹ و بادام بالکل کڑوے نکلے تو ایسی صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ وہ ان چیزوں کو واپس کر کے ادا کردہ قیمت واپس لے لے لیکن اگر وہ چیزیں استعمال ہوسکتی تھیں مثلاً ان میں کڑواہٹ کم تھی تو ایسی صورت میں اسے واپس نہیں کیا جاسکتا البتہ مطلوبہ صفت میں کمی آنے کی وجہ سے اس کی قیمت میں جتنی کمی آئی، اسے واپس لے سکتا ہے بشرطیکہ اس نے اسے تھوڑا سا چکھنے کے بعد چھوڑ دیا ہو لیکن اگر چکھنے کے بعد اسے کچھ کھا بھی لیا تو پھر اسے یہ واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ اس چیز کا توڑنا خود ایک عیب ہے لہٰذا خریدار اور فروخت کنندہ میں سے ہر ایک کو نقصان سے بچانے کی یہی صورت ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:-

(من اشترى بيضًا أو بطيخًا أو قثاء أو خيارًا أو جوزًا فكسره، فوجده فاسدًا، فإن لم ينتفع به رجع بالثمن كلّه لأنّه ليس بمال فكان البيع باطلًا ولا يعتبر في الجوز صلاح قشره على ما قيل، لأنّ ماليته باعتبار اللب وإن كان ينتفع به مع فساده لم يردّه، لأن الكسر عيب.[1]

اس کے حاشیہ پر علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:-

قوله فإن لم ينتفع به: أى لم ينتفع به أصلًا بحيث لا يصلح لأكل الناس ولا للعلف قال الإمام الحلواني: هذا إذا ذاقه

---

(۱) الهداية، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية (۵: ۷۴، ۷۵).

.... انظر ايضًا الدر المختار مع ردّ المحتار (۵/ ۱۵۱).

فوجده كذلك فتركه، فإن تناول شيئًا بعد ما ذاقه لا يرجع عليه بشي، وما لا ينتفع به أصلًا كالقرع إذا وجده مرًّا والبيضة إذا كانت مرة. [1]

پہلے سے چیک کرنے کی شرط لگانا

اس کے علاوہ ایک تیسری صورت جو ہمارے دیار میں مروّج ہے۔ وہ یہ کہ خریدار خریدتے وقت یہ شرط لگاتا ہے کہ میں چیک کر کے لوں گا۔ اگر میٹھا ہوا تو خرید لوں گا ورنہ واپس کر دوں گا۔ اس صورت کے متعلق کوئی صریح عبارت تو نہیں مل سکی البتہ قواعد کی روشنی میں یہ خرید وفروخت جائز معلوم ہوتی ہے اور ایسی صورت میں اس پھل کو کاٹنے کے بعد واپس کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ پھل کٹنے سے پہلے اس کی بیع ہی نہیں ہوتی بلکہ پھل بیچنے والا اپنی ذمہ داری پر کاٹتا ہے اور اس کے پھیکا یا مطلوبہ صفت سے خالی ہونے کی صورت میں نقصان کی ذمہ داری اپنے اُوپر لیتا ہے، پھر جب ایک صحیح پھل مل جاتا ہے تو اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔

مجہول المقدار مبیع کا حکم

مبیع کے مجہول المقدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو بیچا جا رہا ہے، اسکی مقدار معلوم نہ ہو کہ وہ کتنی ہے مثلاً اگر کوئی شخص چینی فروخت کر رہا ہے تو اس بات کا ذکر کئے بغیر فروخت کرے کہ اس کی مقدار ایک کلو ہے یا دو کلو وغیرہ۔

مجہول المقدار چیز اگر سامنے موجود ہو تو جمہور فقہائے کرام اس کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ بیع کے دوران اس کا وزن ملحوظ نہ ہو بلکہ سامنے نظر آنے والی مبیع مقصود ہو (اس کی تفصیل بیع الجزاف کے ذیل میں آئے گی اِن شاء اللہ) لیکن اگر مجہول المقدار چیز کا

---

(۱) حاشية على الهداية، اللكهنوي (أبو الحسنات محمد عبد الحي اللكهنوي) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ (۵/ ۷۵).

وزن ملحوظ ہو تو پھر اس کی بیع جائز نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع مجهول القدر فإن قال بعتك هذه الصبرة لم يصح البيع لحديث أبي هريرة رضي الله عنه أنّ النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر وفي هذا البيع غرر كأنّه يقع على القليل والكثير ولأنّه نوع بيع فلم يصح مع الجهل بقدر المبيع.(۱)

ترجمہ:- مجہول المقدار مبیع کی بیع جائز نہیں، لہٰذا اگر بائع نے یہ کہا کہ میں تجھے یہ ڈھیر بیچتا ہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا اور اس بیع میں غرر ہے کیونکہ یہ قلیل اور کثیر ہر مقدار پر واقع ہوتی ہے، نیز یہ بھی بیع کی ایک قسم ہے لہٰذا مبیع کے مجہول ہونے کی صورت میں جائز نہیں۔

مجہول المقدار مبیع کی خرید وفروخت کی چند صورتیں

ذیل میں مجہول المقدار مبیع کی خرید وفروخت کی چند صورتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

بیع المزابنة

مجہول المقدار مبیع کی خرید وفروخت کی ایک صورت "بیع المزابنة" ہے۔ احادیث میں "بیع المزابنة" کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ذیل میں چند روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المحاقلة

---

(۱) المجموع شرح المهذب، النووي (۹/۳۰۹).

......أنظر أيضاً الهداية للمرغيناني (۵/۷).

......الفروق للقرافي (۳/۲۶۵).

والمزابنة والمخابرة.[1]

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع المحاقلۃ، بیع المزابنۃ اور بیع المخابرۃ سے منع فرمایا۔

۲- عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنة.[2]

ترجمہ:- عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بیع المزابنة" سے منع فرمایا۔

۳- عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنة والمحاقلة.[3]

ترجمہ:- ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مزابنة" اور "محاقلة" سے منع فرمایا۔

بیع المزابنة کی حقیقت:

بیع المزابنۃ کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

ھو بیع الثمر علی النخیل بتمرٍ مجذوذٍ مثل کیلہ خرصًا.[4]

ترجمہ:- درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں

---

(۱) صحیح مسلم، البیوع، حدیث: (۳۷۹۰، ۳۷۹۱، ۳۷۹۲، ۳۷۹۳، ۳۷۹۴، ۳۷۹۵).

(۲) صحیح البخاری، البیوع، حدیث: (۲۱۸۵)، سنن ابن ماجة، التجارات، حدیث: (۲۲۶۵)، کتاب المؤطأ للإمام مالک بن أنس، باب ما جاء في المزابنة والمحاقلة ص۵۷۷.

(۳) صحیح البخاری، البیوع، حدیث: (۲۱۸۶)، سنن ابن ماجة، التجارات، حدیث: (۲۲۶۶) ورواية ابن عباس: صحیح البخاری، البیوع، حدیث: (۲۱۸۶).

(۴) الھدایة للمرغینانی (۵/۱۰۰).

..... انظر أیضًا الدر المختار، الحصکفی (محمد بن علی محمد الملقب بعلاء الدین الحنفی الدمشقی المعروف بالحصکفی المتوفی ۱۰۰۸ھ) کراتشی، ایج ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولی ۱۴۰۶ھ (۵/۶۵).

......المنتقی للباجی (۴/۲۴۳).

اندازے کے ساتھ بیچنا۔

اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیع المزابنة جائز نہیں۔ تکملة فتح الملهم میں ہے:-

إنّ الفقهاء اتفقوا على تحريم بيع المزابنة. (۱)

ترجمہ:- فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع المزابنة جائز نہیں۔

اس کے ناجائز ہونے کی بنیادی وجہ تو ممانعت کی روایات ہیں اور عقلی وجہ یہ ہے کہ اس میں مبیع کی مقدار مجہول ہوتی ہے اور چونکہ اس میں ہم جنس اجناس کا باہمی تبادلہ کیا جاتا ہے، اس لئے جانبین سے مقدار مکمل طور پر برابر نہ ہونے کی وجہ سے ربا کی خرابی لازم آتی ہے

علامہ حصکفیؒ عدم جواز کی وجوہ ذکر ہوئے لکھتے ہیں:-

للنهي ولشبهة الربا. (۲)

ترجمہ:- اس کے ناجائز ہونے کی وجہ حدیث میں آنے والی ممانعت اور شبہ ربا ہے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:-

وهو حرام لكونه مجازفة في الربويات، فإن ما على الشجر لا يكال. وإنما يباع خرصا. فإذا بيع بجنسه خرصًا، كان فيه احتمال التفاضل. واحتمال التفاضل في الربويات في حكم الربا. (۱)

ترجمہ:- بیع المزابنة حرام ہے کیونکہ اس میں اموال ربویہ کی باہمی بیع تخمینا کی جاتی ہے، اس لئے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو تولا نہیں

---

(۱) تكملة فتح الملهم (۱/۳۰۷).

(۲) الدر المختار (۵/۲۵).

(۳) تكملة فتح الملهم (۱/۳۰۶).

جاتا بلکہ اس کی بیع اندازے سے ہوتی ہے۔ اور جب ہم جنس کی بیع
اندازے سے کی جائے تو اس میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے۔ اور
اموالِ ربویہ میں کمی بیشی کا احتمال ربا کے حکم میں ہے۔

کیا بیع المزابنة کھجور کے علاوہ دیگر اشیاء میں بھی ہوسکتی ہے؟

اگرچہ بیع المزابنة کی ذکر کردہ تعریف سے معلوم ہورہا ہے کہ اس کا تعلق صرف کھجوروں سے ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ تعریف کے اندر صرف کھجوروں کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ عربوں کے ہاں کھجوروں کے اندر یہ معاملہ کرنے کا زیادہ رواج تھا ورنہ فقہاء کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق کھجور کے علاوہ اور چیزوں سے بھی ہے چنانچہ حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق کھجور کے علاوہ انگور کے ساتھ بھی ہے، علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:-

ومثله العنب بالزبيب.[1]

ترجمہ:- یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جب لگے ہوئے اور اترے
ہوئے انگوروں کا باہمی تبادلہ کیا جائے

اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کھجور کے علاوہ دیگر تمام اشیاء کے اندر بھی اسی انداز میں خرید وفروخت کرنے کو "بیع المزابنة" کا نام دیا ہے۔ اور اس بیع کو قمار کی ایک قسم قرار دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:-

المزابنة: هى كل شئ من الجزاف الذى لا يعلم كيله ولا وزنه ولا عدده ابتيع بشئ مسمى من الكيل أو الوزن أو العدد .... وهذا في الحقيقة ليس بيعا ولكنه قمار.[2]

ترجمہ:- ہر اس چیز کو جس کا کیل، وزن اور تعداد معلوم نہ ہو اسے کسی

---

(۱) فتح القدير، ابن الهمام (كمال الدين محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الهمام) كوئته، المكتبة الرشيدية (۶/۵۷).

(۲) كتاب الموطأ ص:۵۷۶.

...... أنظر أيضا المنتقى للباجي (۴/۲۴۳).

ایسی چیز کے بدلے فروخت کرنا جس کا کیل، وزن اور تعداد معلوم ہو، مزابنہ کہلاتا ہے.....اور درحقیقت یہ بیع نہیں بلکہ قمار ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کھجور کے علاوہ دیگر اموالِ ربویہ میں اس طرح کی خرید وفروخت بھی "بیع المزابنة" ہے۔حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

وألحق الشافعي بذلك كل بيع مجهول بمجهول أو بمعلوم من جنس من يجري فيه الربا.[1]

ترجمہ:۔ امام شافعی نے اس کے ساتھ اموالِ ربویۃ میں سے ہر مجہول کی مجہول کے بدلے یا معلوم کے بدلے بیع کرنے کو بھی شامل کیا ہے۔

اموالِ ربویہ سے وہ اشیاء مراد ہیں کہ جنکی باہمی خرید وفروخت میں برابری اور نقد تبادلہ ضروری ہے ورنہ ان شرائط کا لحاظ نہ رکھنے سے ربا (سود) لازم آتا ہے جیسے سونا، چاندی، کھجور، گندم، جو وغیرہ۔

تازہ کھجوروں کو خشک کے بدلے بیچنے کا حکم

تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے میں بیچنے کی دو صورتیں ہیں:۔

۱۔ تازہ کھجوریں درخت پر لگی ہوئی ہوں۔

۲۔ تازہ کھجوریں درخت سے کاٹی جا چکی ہوں۔

پہلی صورت میں جب خشک کھجوروں کے مقابلے میں انکی بیع کی جاتی ہے تو وہ "بیع المزابنة" کہلاتی ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ البتہ دوسری صورت کے جواز اور عدمِ جواز میں اختلاف ہے۔

أئمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مذہب

اس مسئلے میں أئمہ ثلاثہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کا

---

(۱) فتح الباري، العسقلاني (أحمد بن علي بن حجر العسقلاني ۷۷۳هـ-۸۵۲هـ) لاهور، دار نشر كتب الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۱هـ-۱۹۹۱م (۴/۳۸۴).

مذہب یہ ہے کہ تازہ اور خشک کھجوروں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں فروخت کرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ دونوں کا وزن برابر ہو یا کم و بیش ہو، اور خواہ دونوں نقداً فروخت کی جارہی ہوں یا ایک تو فوری دی جارہی ہو اور دوسرے کو بعد میں دینا طے پائے، ہر حال میں یہ بیع ناجائز ہے۔[1]

دلائل

اَئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے دلائل دو حدیثوں پر مبنی ہیں:-

۱- پہلی حدیث جو صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ یہ ہے:-

إنّ النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحه وعن الثمر بالتمر.[2]

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع کرنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ قابل انتفاع ہوجائیں اور تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں کے بدلے بیع کرنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث کے دوسرے جملے میں تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے میں بیچنے سے منع کیا گیا ہے۔ جمہور فقہاء کرام کا کہنا ہے کہ اس ممانعت کے اندر کھجوروں کی خرید وفروخت کی دونوں صورتیں شامل ہیں، لہٰذا جس طرح پہلی صورت ممنوع ہے اسی طرح دوسری صورت بھی ناجائز ہوگی اس لئے کہ حدیث کے عموم کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں صورتوں کو ناجائز قرار دیا جائے۔

۲...... دوسری حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، روایت یہ ہے:-

قال سعد: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسئل عن شراء التمر بالرطب. فقال لمن حوله: أينقص الرطب إذا

---

(۱) الهداية للمرغيناني (۱۹۲/۵).

(۲) مسلم، البيوع حديث: ۳۸۴۸.

یبس؟ قالوا نعم: فنھی عن ذلک.[1]

ترجمہ:- حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تازہ اور خشک کھجوروں کی خرید و فروخت کے فروخت کے بارے میں بات کرتے ہوئے سنا۔ آپ نے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے تازہ کھجوروں کے بارے میں سوال کیا کہ یہ تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد (وزن کے اعتبار سے) کم ہوجاتی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں! تو آپ نے ان کی خرید وفروخت سے منع کردیا۔

اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب

اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تازہ اور خشک کھجوروں کی خرید وفروخت دوشرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

۱- دونوں کھجوریں وزن کے اعتبار سے برابر ہوں۔

۲- دونوں کا تبادلہ اس مجلس میں ہوجس میں عقد کیا گیا ہے، کوئی ایک یا دونوں کی ادائیگی اُدھار پر نہ ہو۔

اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل

اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے، جسے ''ربا الحدیث'' کے اندر بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

الذھب بالذھب والفضة بالفضة والکر بالکر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلًا بمثل، یدًا بیدٍ، فإذا اختلفت ھذہ الأصناف فبیعوا کیف شئتم.[2]

---

(۱) الھدایة للمرغیناني (۱۹۲/۵).

..... عمدة القاري للعیني (۲۹/۱۱).

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدًا.

ترجمہ:- سونے کو سونے کے بدلے میں، چاندی کو چاندی کے بدلے میں، کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں برابر سرابر اور دست بدستی (یعنی فوری بلا اُدھار) فروخت کرو، اور اگر ان کی اصناف مختلف ہوں (یعنی ایک کی بیع دوسرے کے ساتھ ہو، اسی کے ساتھ نہ ہو) تو جس طرح چاہو، بیچو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر خشک کھجور کو تازہ کھجور کی جنس کہا جائے تو حدیث شریف کے پہلے حصہ میں "التمر بالتمر" کی بیع وشراء کو جائز قرار دیا گیا ہے لہٰذا ان کی خرید وفروخت بھی درست ہوگی اور اگر انہیں تازہ کھجوروں کی جنس قرار نہ دیا جائے تو حدیث شریف کا آخری جملہ یہ ہے کہ "إذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم" (یعنی جب ان کی اصناف مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو، بیچو) تو اس صورت میں بھی ان کی خرید وفروخت جائز ہوگی لہٰذا اسے ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ بغداد تشریف لے گئے تو اہل بغداد نے ان سے مختلف سوالات کئے۔ ان میں سے ایک سوال اسی بیع کے متعلق تھا کہ آپ اس کو کس طرح جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے جواب میں امامِ اعظمؒ نے یہی جواب ذکر کیا جو ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں۔(۱)

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک خشک کھجوریں (تمر) اور تازہ کھجوریں (رُطب) ایک ہی جنس سے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ خشک کھجوروں کیلئے عربی میں "تمر" کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن فتح خیبر کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کی تازہ کھجوریں پیش کی گئیں تو آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:-

"أكلّ تمر خيبر هكذا"

اس موقع پر آپ نے تازہ کھجوروں کیلئے بھی تمر کا لفظ استعمال فرمایا تو اس سے

---

(۱) فتح القدير مع الكفاية (۶/۱۶۸).

معلوم ہوا کہ تازہ اور خشک کھجوریں باہم ہم جنس ہیں، اس لئے امام صاحب نے ان کی خرید وفروخت کو انہی دو شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا جو مشہور حدیث ربا میں بیان کی گئی ہیں۔ (یعنی دونوں طرف کی کھجوریں وزن کے اعتبار سے برابر ہوں اور دونوں طرف کا تبادلہ فوری ہو، اُدھار نہ ہو)۔[1]

اِمامِ اعظمؒ کی دلیل پر اعتراضات اور ان کے جوابات

اِمامِ اعظم رحمہ اللہ کی بیان کردہ دلیل پر درج ذیل دو اعتراض وارِد ہوتے ہیں:-

پہلا اعتراض

پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر امام صاحب تمر (خشک کھجور) اور رُطب (تازہ کھجور) کو ایک جنس قرار دے کر دونوں کی آپس میں خرید وفروخت کو جائز قرار دیتے ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ حنطۂ مقلیہ اور حنطۂ غیر مقلیہ[2] کی آپس میں بیع بھی جائز ہونی چاہئے حالانکہ اِمام صاحب اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

جواب

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر چہ گندم کی دونوں قسمیں ہم جنس ہیں۔ جسکا تقاضا یہ ہے کہ حطۂ مقلیہ کی بیع جائز ہو لیکن جب گندم کی گندم کے مقابلے میں بیع کی جائے تو اس وقت انکے درمیان برابری شرط ہے جو کہ مذکورہ صورت میں نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ حنطۂ مقلیہ (بھنے ہوئے دانوں) کے اندر خلا موجود ہوتا ہے جبکہ غیر مقلیہ (جو بھنے ہوئے نہیں ہوتے) ان میں خلا موجود نہیں ہوتا لہٰذا اگر کسی خاص برتن مثلاً صاع میں ڈال کر دونوں کی بیع کی جائے تو اس میں پھولے ہوئے گندم کے دانے کم آئیں گے جبکہ

---

(۱) الهداية للمرغيناني (۵/۹۳)۔

(۲) حنطۂ مقلیہ کا مطلب ہے گندم کے بھنے ہوئے دانے اور حنطۂ غیر مقلیہ سے مراد گندم کے وہ دانے ہیں جو بھنے ہوئے نہ ہوں۔ انظر العناية على هامش الهداية (۶/۱۲۶)، لسان العرب (۲۹۴/۱۱)، القاموس الوحيد ص: ۱۳۵۱۔

دوسرے دانے زیادہ آئیں گے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان برابری نہیں ہوگی۔ اس لئے یہ بیع ناجائز ہے۔

دُوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہی بات تو تازہ اور خشک کھجور کی باہمی خرید وفروخت کے درمیان بھی پائی جاتی ہے اسلئے کہ تازہ کھجور موٹی ہوتی ہے جبکہ خشک کھجور ٹھوس اور خشک ہوتی ہے لہٰذا اگر کسی خاص برتن کے ذریعے انکی خرید وفروخت کی جائے تو اس خاص برتن میں تازہ کھجوریں کم آئیں گی جبکہ خشک کھجوریں زیادہ ہوں گی۔ لہٰذا یہ بیع بھی ناجائز ہونی چاہئے حالانکہ امام صاحب نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

جواب:

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان دونوں مثالوں میں بہت فرق ہے۔ گندم کے بھنے ہوئے دانے اور ان بھنے کے درمیان ہوا کا فرق ہے کہ ایک میں خلا ہوتا ہے اور دُوسرے میں نہیں ہوتا جبکہ تازہ کھجوریں جو موٹی ہوتی ہیں ان میں شیرہ بھرا ہوتا ہے، البتہ بعد میں یہ شیرہ سوکھ جاتا ہے جسکی وجہ سے خشک کھجور قدرے پتلی ہوجاتی ہے۔ چونکہ شیرہ ایک ایسی چیز ہے جس سے انتفاع کیا جاتا ہے، اسلئے تازہ کھجوروں میں انکی موجودگی برابری کے منافی نہیں جبکہ گندم کے دانوں میں بھری ہوئی ہوا سے انتفاع نہیں کیا جاتا لہٰذا اس صورت میں برابری نہیں ہوتی، اسلئے کھجوروں کی مذکورہ بیع جائز ہے اور گندم کی مذکورہ بیع جائز نہیں۔[1]

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حنطۃ مقلیہ اور غیر مقلیہ میں بندوں کے عمل کا دخل ہوتا ہے جبکہ رطب اور تمر میں انسانی فعل کا دخل نہیں ہوتا، اس لئے گندم میں آنے والی تبدیلی جوازِ عقد سے مانع ہے لیکن کھجور میں اس تبدیلی کے باوجود عقد جائز ہے۔[2]

---

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/۳۰۲).

(۲) الكفاية (۶/۱۶۶).

جمہور فقہاء کے دلائل کے جوابات

اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین (امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) نے جن دو احادیث سے استدلال کیا تھا، ان کا درج ذیل جواب دیا گیا ہے۔

پہلی حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں کھجوروں کی خرید و فروخت کی دونوں صورتیں مراد نہیں، بلکہ صرف پہلی صورت (یعنی بیع المزابنة والی صورت) مراد ہے، جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں بیع العرایا[1] کو مستثنیٰ قرار دیا گیا اور بیع العرایا کا استثناء بیع المزابنة سے ہی ہوتا ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں اس کی تشریح بیع المزابنة سے کی گئی ہے[2] لہٰذا ان دو قرائن کے ہوتے ہوئے اس حدیث کو عام قرار دینا بہت مشکل ہے۔

دوسری حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی ابوعیاش زید بن عیاش ہیں جو کہ ضعیف راوی ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت قابلِ استدلال نہیں[3] اور اگر اس حدیث کو درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر اس کا تعلق اس صورت سے ہے جب تازہ اور خشک کھجوروں کی بیع اُدھار کے ساتھ ہو یعنی ایک چیز پر تو فوراً قبضہ کرلیا جائے لیکن دوسری چیز کی ادائیگی بعد میں کی جائیگی۔ اور کھجور کے اندر اس طرح کی خرید و فروخت جائز نہیں چنانچہ ابوداؤد میں اس کی صراحت ہے کہ یہ ممانعت اُدھار کی صورت میں ہے۔[4]

---

(۱) اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب الرجل یکون له حق أو شرب في حائط أو نخل.

(۳) تهذیب التهذیب، العسقلاني (أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، ۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) حیدرآباد دکن، دائرة المعارف النظامیة، (۳/۴۲۳) زید بن عیاش أبو عیاش الزرقي ویقال المخزومي ویقال مولی بني زهرة المدني ...... والشیخان لم یخرجا له لما خشیا من جهالة زید بن عیاش وقال أبو حنیفة مجهول وتعقبه الخطابي وکذا قال ابن حزم أنه مجهول.

(۴) أبو داؤد، البیوع، حدیث: ۳۲۲۱.

بیع المحاقلة

بیع المحاقلة کے بارے میں بھی ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ یہ بیع جائز نہیں۔[1] اس کی ممانعت کے متعلق وہی روایات ہیں جو بیع المزابنة کے ذیل میں بیان ہوئیں۔ ان روایات کے اندر بیع المزابنة کے ساتھ ساتھ بیع المحاقلة کا بھی ذکر ہے۔ البتہ ایک روایت ایسی بھی ہے جس میں صرف بیع المحاقلة کا ذکر ہے۔ وہ درج ذیل ہے:-

عن ابن عباسؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لأن يمنح أحدكم أخاه أرضه خير له من أن يأخذ عليها كذا وكذا بشئ معلوم. قال: وقال ابن عباس: هو الحقل وهو بلسان الأنصار المحاقلة.[2]

ترجمہ:- حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو اپنی زمین بلا اجرت استعمال کے لئے دے، یہ بہتر ہے اس سے کہ اس سے فلاں فلاں چیز لے۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کھیتی ہے۔ اور انصار کے ہاں اس عمل کو محاقلہ کہا جاتا ہے۔

بیع المحاقلة کسے کہتے ہیں؟

اس کے بارے میں تین اقوال مروی ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ بیع المحاقلہ کی

---

(۱) الهداية للمرغيناني (۱۰۰/۵).
الدر المختار للحصكفي (۶۵/۵).
المنتقى للباجي (۲۴۳/۴).
(۲) صحيح مسلم، البيوع، باب كراء الأرض حديث: ۳۹۳۲

حقیقت وہی ہے جو بیع المزابنہ کی ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ بیع المزابنہ تازہ اور کٹی ہوئی کھجوروں کی آپس میں بیع ہوتی ہے جبکہ محاقلہ میں کھیت میں لگی ہوئی کھیتی اور کٹی ہوئی فصل کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے یہ تفسیر حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

إنّ المزابنة بيع الرطب في النخل بالتمر كيلًا والمحاقلة في الزرع على نحو ذلك، يبيع الزرع القائم بالحبّ كيلًا.[1]

ترجمہ:۔ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے بدلے بیچنا مزابنہ ہے اور یہی معاملہ اگر کھیتی میں ہو تو اسے محاقلہ کہتے ہیں۔

بیع العرایا

بیع العرایا کا ذکر عام طور پر بیع المزابنۃ کے بعد ہوتا ہے کیونکہ جن روایات میں بیع المزابنۃ کے عدمِ جواز کا ذکر ہے عام طور پر ان کے اندر بیع العرایا کا استثناء کر کے اس کے جواز کو بیان کیا گیا ہے۔

اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیع العرایا جائز ہے کیونکہ احادیث میں اس کا جواز صراحتاً مروی ہے۔ چنانچہ ذیل میں صرف چند روایت ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- عن زيد بن ثابت أن رسول صلى الله عليه وسلم رخص في العرايا.[2]

ترجمہ:۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع العرایا کی اجازت دی۔

---

(۱) صحیح مسلم، البیوع، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة ....الخ حدیث ۳۸۸۲۰.

(۲) الصحيح للبخاری، البخاری (الإمام أبو عبدالله محمد بن إسماعيل البخاری) بیروت، دار ابن کثیر، الطبعة الخامسة ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳م حدیث: (۲۰۶۴).

یہ روایت مختلف کتبِ احادیث میں مختلف الفاظ اور مختلف طرق سے مروی ہے۔[1]

۲- عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخّص في بيع العرايا بخرصها فيما دون خمسة أوسق أو في خمسة، شك داؤد. قال خمسة أو دون خمسة.[2]

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع العرایا کی اجازت دی بشرطیکہ وہ پانچ وسق سے کم ہو یا پانچ وسق ہو، (راوی) داؤد کو شک ہو گیا کہ آپ نے پانچ فرمایا تھا یا پانچ سے کم فرمایا تھا۔

ان روایات کی وجہ سے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع العرایا شرعاً جائز ہے۔ البتہ اس کی تفسیر اور تشریح میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث (۳۸۵۰) عن زيد بن ثابت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنّه رخص بعد ذلك في بيع العرية بالرطب أو بالتمر ولم يرخص في غير ذلك.

...... حديث: (۳۸۵۱) عن زيد بن ثابت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص لصاحب العرية أن يبيعها بخرصها من التمر.

...... حديث: (۳۸۵۲) عن زيد بن ثابت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرية يأخذها أهل البيت بخرصها تمرًا يأكلونها رطبًا.

حديث: (۳۸۵۵) حدثنا زيد بن ثابت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرية بخرصها تمرًا.

...... حديث: (۳۸۵۶) عن زيد بن حارث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرايا أن تباع بخرصها كيلًا.

.. أنظر أيضًا الصحيح للبخاري، حديث: ۲۰۷۲، ۲۰۷۷، ۲۰۸۰، ۲۲۸۱، جامع الترمذي، حديث: ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، سنن أبي داؤد، حديث: ۳۳۶۱، ۳۳۶۲، مسند أحمد بن حنبل ج:۲ ص:۵، ۸، ۲۳۷، وأيضًا فيه ج:۵ ص:۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۲.

(۲) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث (۳۸۶۵).

شافعیہ

امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ بیع العرایا حقیقت کے اعتبار سے وہی ہے جو بیع المزابنة ہے البتہ اگر یہی بیع المزابنة پانچ وسق سے کم میں ہوتو اسے ''عرایا'' کہتے ہیں[1] اور اگر پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہوتو وہ مزابنہ ہے جو کہ ناجائز ہے گویا ان کے نزدیک مزابنۃ اور عرایا میں صرف یہ فرق ہے کہ مزابنہ پانچ وسق سے زیادہ میں ہوتی ہے اور عرایا پانچ وسق سے کم میں ہوتی ہے لہٰذا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو پانچ وسق سے کم کھجوروں کے عوض میں فروخت کرتا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اگر پانچ وسق یا اس سے زیادہ کھجوروں کے عوض فروخت کرتا ہے تو یہ مزابنہ ہے جو کہ ناجائز ہے۔

حنابلہ

امام احمد حنبلؒ کے نزدیک عرایا دراصل ایک عطیہ ہے، اس لئے کے عرایا عریّہ کی جمع ہے اور عریّہ لغت میں عطیہ کو کہتے ہیں ۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ بعض دفعہ اپنے باغ کے ایک درخت کا پھل پکنے سے یا کاٹنے سے پہلے کسی فقیر کو عطیہ کے طور پر دے دیتے تھے چونکہ وہ فقیر تنگ دست ہوتا تھا، اس لئے اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ جو پھل اسے عطیہ کیا گیا ہے وہ یا اس کا عوض فوراً مل جائے۔ اس کے لئے وہ یہ طریقہ اختیار کرتا کہ اس درخت کا پھل کسی تیسرے آدمی کے ہاتھوں فروخت کر دیتا اور اسے کہتا کہ فلاں کھجور کا پھل تم لے لو اور مجھے اس کے عوض کٹی ہوئی کھجوریں دے دو تا کہ میں اسے یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت کو اپنی ضرورت میں خرچ کرسکوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وسق سے کم میں اس کو جائز قرار دیا۔

گویا امام احمد حنبلؒ کے نزدیک اگر چہ ابتداء میں یہ بیع نہیں لیکن بعد میں اس کے اندر بھی بیع ہوتی ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ اصلاً تو یہ بیع حرام ہونی چاہئے تھی کیونکہ اس میں بھی ایک طرف مبیع کی مقدار مجہول ہے لہٰذا یہ بھی مزابنہ ہی ہے لیکن لوگوں کی ضروریات

---

(۱) المجموع شرح المهذب (۱۱/۳) وقد اختاره بعض الحنابلة، أنظر المغني (۶:۱۱۹).

اور حاجات کے پیشِ نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو جائز قرار دیا۔[۱]

مالکیہ

امام مالکؒ ''عرایا'' کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ باغ کا مالک اپنے باغ کے کسی درخت کا پھل کسی فقیر کو عطیہ کے طور پر دے دیتا تھا لیکن جب پھل کاٹنے کا زمانہ آتا تو باغ کا مالک بیوی بچوں سمیت باغ میں قیام پذیر ہو جاتا کہ وہیں رہ کر پھل بھی کھائیں گے اور تفریح طبع بھی ہوتی رہے گی، چونکہ اس باغ میں ایک درخت فقیر کا بھی ہوتا اس لئے وہ بھی بار بار پھل توڑنے کے لئے آتا جس سے باغ کے مالک کو ناگواری ہوتی۔ چنانچہ باغ کا مالک اس فقیر سے یہ کہتا کہ تم اس درخت کا پھل مجھے فروخت کر دو اور اس کے عوض مجھ سے کٹی ہوئی کھجوریں لے لو، وہ فقیر اس درخت کے عوض کٹی ہوئی کھجوریں لے کر چلا جاتا۔[۲]

گویا اِمام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وہ فقیر درخت کے پھلوں کو تیسرے آدمی کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے جبکہ اِمام مالکؒ کے نزدیک اسی شخص کو فروخت کرتا ہے جس نے اسے عطیہ کے طور پر دیئے تھے۔

حنفیہ

اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عرایا کی حقیقت وہی ہے جو اِمام مالکؒ نے بیان فرمائی ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہے کہ یہ معاملہ دیکھنے کے اعتبار سے تو بیع ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے بیع نہیں بلکہ عطیہ کی گئی چیز کی تبدیلی ہے۔ شروع میں باغ کے مالک نے وہ کھجوریں عطیہ کے طور پر دی تھیں جو درخت پر لگی ہوئی تھی اور ابھی اس

---

(۱) المغنی (۶/۱۲۳).

(۲) المغنی بحواله بالا، قال مالک: بیع العرایا الجائز هو أن یصری الرجلُ الرجلَ المصری حائطه، لانّه بما کان مع اهله فی الحائط، فیؤذیه دخول صاحبه علیه، فیجوز أن یشتریها منه.

......أیضًا فی بدایة المجتهد، ابن رشد الحفید (القاضی أبو الولید محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبی الأندلسی الشهیر بابن رشد الحفید) مصر، مطبع محمد علی، الطبعة الأولی (۲/۱۷۸).

پر قبضہ نہیں ہوا تھا کہ باغ کے مالک نے کٹی ہوئی کھجوریں اس فقیر کو دے دیں۔

امامِ اعظمؒ کا کہنا ہے کہ اس معاملے کو بیع کہنا اس لئے دُرست نہیں کہ پہلی مرتبہ جو کھجوریں فقیر کو ہبہ کے طور پر دی گئی تھی، وہ ان کا مالک نہیں بنا تھا، اس لئے کے ہبہ نافذ ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے جبکہ یہاں قبضہ نہیں پایا گیا اور فقیر کھجوروں کا مالک نہیں ہوا تو وہ ان کھجوروں کو کیسے بیچ سکتا ہے، لہٰذا لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ یہ معاملہ "استبدال الموهوب بموهوب آخر قبل قبضه" (قبضہ کرنے سے قبل ہبہ کی کسی دُوسرے ہبہ سے تبدیلی) ہے۔[1]

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ نے عرایا کو بیع قرار دیا ہے اگر چہ اسکی تفسیر میں تینوں ائمہ کا اختلاف ہے اور اِمامِ اعظمؒ کے نزدیک یہ قبضہ سے پہلے عطیہ کی تبدیلی کا نام ہے۔

مذہب حنفی کی وجوہِ ترجیح

عرایا کی تفسیر میں اِمامِ اعظمؒ کا مذہب لغت، روایات اور عقلی ہر اعتبار سے راجح ہے۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

لغت کے اعتبار سے ترجیح

لغت کے اعتبار سے اِمام صاحبؒ کا مسلک اس لئے راجح ہے کہ عرایا عریۃ کی جمع ہے اور لغتِ عرب میں ''عریۃ'' درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ہبہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

لسان العرب میں ہے:-

وأعراه النخلة: وهب له ثمرة عامها، والعرية: النخلة المعراة.

قال سويد بن الصامت الأنصاري:

---

(۱) تكملة فتح الملهم، العثماني (القاضي محمد تقي العثماني) كراتشي، مكتبه، دارالعلوم كراتشي (۱/۴۱۰).

لیـــــت بســـنهـــاء ولا رجبیـــــه

ولـكـن عـرايا في السنين الجوائح[۱]

ترجمہ:- اعراء النخلۃ کا مطلب ہے ’’کسی کو اس سال کے پھل ہبہ کے پر دینا‘‘

اور عریۃ ہبہ کے طور پر دیئے گئے درخت کو کہتے ہیں۔

سوید بن صامت کا شعر ہے:-

یہ درخت نہ تو ایسے ہیں کہ ایک سال پھل دیں اور ایک سا پھل نہ دیں اور نہ وہ ایسے ہیں کہ ان کے گرد کانٹوں کی باڑ لگادی گئی ہو کہ کوئی ان کے پھل کھا نہ سکے بلکہ یہ قحط کے موسم میں ہبہ کئے گئے درخت ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عریۃ لغت میں ہبہ کے معنے میں آتا ہے۔لسان العرب کے علاوہ دیگر بہت سی لغت کی کتب میں بھی عریۃ عطیہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[۲]

روایات کے اعتبار سے ترجیح

متعدد روایات کے الفاظ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس مسئلے میں امام صاحبؒ کا مذہب راجح ہے چند وجوہ درج ذیل ہیں۔

۱- حضرت زید بن ثابت کی روایت میں ہے:-

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرايا يأخذها أهل البيت بخرصها تمرًا يأكلونها رطبًا.[۳]

ترجمہ:- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی اجازت دی جس میں

---

(۱) لسان العرب (۹/۱۸۰)

(۲) المحكم لإبن سيدة (۱۹۷:۱) أعراه النخلة: وهب له ثمرة عامها، والعريه: النخلة المعراة ... ايضا في الصحاح الجوهرى (اسماعيل بن حماد الجوهرى)، مصر، دار الكتاب العربى، الطبعة الأولى ۱۳۷۵ھ-۱۹۵۶م (۲۴۲۳/۶).

(۱) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث: (۳۸۵۲).

عطیہ کرنے والے کے گھر والے خشک کھجور اندازے سے دیکر حاصل
کرتے ہیں تاکہ وہ تازہ کھجوریں کھائیں۔

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ تازہ کھجوروں کو اپنے پاس رکھ کر فقیر کو خشک کھجوریں دیتے ہیں۔ اور یہی امام صاحبؒ کا مذہب ہے۔

۲۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاملینِ صدقات کو حکم دیا کہ جو لوگ اپنے باغات میں عرایا کا معاملہ کریں تو ان سے صدقات وصول کرنے میں نرمی کی جائے۔[1] اور علامہ ابو عبید نے کتاب الاموال میں حضرت عمر فاروقؓ کا ایک قول ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرایا کی وجہ سے صدقات میں تخفیف فرمایا کرتے تھے۔[2]

ظاہر ہے کہ عرایا کی وجہ سے صدقات میں تخفیف تب ہی ہو سکتی ہے جب عرایا عطیہ کے معنی میں ہو۔ اگر یہ بیع ہو تو تخفیف کا کوئی مطلب نہیں کیونکہ بیع کی وجہ سے اتنی ہی چیز مالک کے پاس آ جاتی ہے۔

عقلی اعتبار سے ترجیح:

اور عقلی اعتبار سے حنفیہ کی بیان کردہ تشریح اس لئے راجح ہے کہ اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ بیع المزابنۃ کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرف مبیع کی مقدار مجہول ہوتی ہے کیونکہ یہ محض انکل کی بنیاد پر بیع کی جاتی ہے جو کہ اموالِ ربویہ

---

(۱) مصنف عبد الرزاق (۱۲۶/۴): كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا بعث خارصًا أمره أن لا يخرص العرايا.

...... كتاب الأموال، أبو عبيد (الحافظ الحجة القاسم بن سلام المعروف بأبي عبيد المتوفى ۲۲۴ھ) بيروت – لبنان، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ–۱۹۸۶م (۴۸۷) "كان رسول صلى الله عليه وسلم إذا بعث الخراص قال: خففوا، فإن في المال العرية والوطية".

... السنن الكبرى للبيهقي (۱۲۵/۴) وليس في العرايا صدقة.

(۲) كتاب الأموال بحواله بالا: بلغنا أن عمر بن الخطاب قال: خففوا على الناس في الخرص فإن في المال العرية والأكلة.

میں جائز نہیں اس لئے کہ یہ ربا ہے اور اس پر بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جس معاملہ پر ربا پایا جا رہا ہو وہ حرام ہے خواہ وہ معاملہ زیادہ مقدار میں ہو یا کم مقدار میں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بیع جس میں ربا پایا جا رہا ہے، اگر وہ پانچ وسق سے زائد کے اندر ہو تو اسے ناجائز کہا جائے لیکن جب وہی بیع پانچ وسق سے کم میں ہو تو اسے جائز سمجھا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ربا کا معاملہ اس قدر شدید ہے کہ شریعت نے نہ صرف ربا کو حرام قرار دیا ہے بلکہ جہاں ربا کا شبہ پایا جا رہا ہو، اس معاملہ کو بھی ناجائز کہا ہے لہٰذا اگر عرایا کو بیع تسلیم کر لیا جائے تو واضح طور پر ربا کی خرابی لازم آتی ہے، اس لئے عقلاً بھی وہی تفسیر راجح ہے جو امام اعظمؒ نے بیان کی۔

حنفیہ کی بیان کردہ تشریح پر چند اعتراضات اور ان کے جوابات

حنفیہ کی بیان کردہ تشریح پر چند اعتراضات کئے گئے ہیں یہ اعتراضات مع جوابات درج ذیل ہیں۔ یہ تمام اعتراضات اور ان کے جوابات امام طحاویؒ نے اپنی کتاب ''شرح معانی الآثار'' میں ذکر فرمائے ہیں۔[1]

اعتراض

حدیث کے جملوں میں عرایا کے لئے "رخص" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلاً تو بیع العرایا ناجائز ہے جیسا کہ بیع المزابنۃ لیکن لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر بیع العرایا کرنے کی اجازت دی گئی ہے اگر عرایا ہبہ کے معنی میں ہو تو پھر ''رخص'' کا کیا مطلب؟ اس لئے کہ کسی کو ہبہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ عمل ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں ''رخص'' کا لفظ ایک اور بات کی طرف اشارہ

---

(۱) شرح معانی الآثار، الطحاوی (أبو جعفر أحمد بن محمد المصری الطحاوی ۲۳۹ھ ۳۲۱ھ) بیروت دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ الأولی ۱۴۲۲ھ — ۲۰۰۱م.

کررہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب باغ کے مالک نے ایک درخت کی کھجوریں فقیر کو عطیہ کے طور پر دیں تو اسے چاہئے تھا کہ بعینہٖ وہی کھجوریں اس کے حوالے کرتا جو اسے عطیہ کے طور پر دی تھیں لیکن اس نے اسے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوروں کے بجائے کٹی ہوئی کھجوریں دے دیں تو یہ صورۃ وعدہ خلافی پائی گئی تو اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید یہ صورت ناجائز ہوتو اس وہم کو دُور کرنے کے لئے رُخص کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اعتراض

دُوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرایا صرف پانچ وسق سے کم میں جائز ہے، اس سے زیادہ میں جائز نہیں۔ اگر عرایا ہبہ کے معنی میں ہے تو پھر پانچ وسق کی قید لگانے کا کیا فائدہ؟ کیونکہ ہبہ تو قلیل وکثیر ہر مقدار میں جائز ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت مدینہ منوّرہ میں عام طور پر اتنی ہی مقدار میں عرایا کرنے کا رواج تھا، اس لئے بیانِ واقع کے طور پر پانچ وسق کا ذکر کیا گیا یعنی یہ قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں ورنہ جس طرح پانچ وسق سے کم میں عرایا جائز ہے ہمارے بیان کردہ مفہوم کی رو سے پانچ وسق سے زائد میں بھی جائز ہے۔

اعتراض

تیسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ احادیث کے اندر ''عرایا'' کے لئے بیع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر عرایا ہبہ کے معنی میں ہوتا تو حدیث میں اس پر ''بیع'' کا اطلاق کیوں کیا جاتا؟

جواب

اس کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چونکہ یہ عمل صورۃً بیع ہے، اس لئے اس پر بیع کے لفظ کا اطلاق کیا گیا۔

دُوسرا جواب جو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بیان فرمایا ہے، یہ ہے کہ

بعض روایات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس بات کا احتمال بھی موجود ہے کہ اصل حدیث میں تو بیع کا لفظ نہ ہو لیکن بعد میں بعض راویوں نے روایت بالمعنی کے طور پر اسے نقل کرتے ہوئے بیع کا لفظ استعمال کیا ہو۔ اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ کسی روایت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے بیع کا لفظ بولنا نظر سے نہیں گزرا بلکہ راویوں کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع العرایا سے منع فرمایا۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کے لئے بیع کا لفظ استعمال نہ فرمایا ہو البتہ راویوں نے اس معاملہ کے صورۃً بیع ہونے کی وجہ سے اس پر بیع کا لفظ استعمال کر دیا ہو۔

دُوسرا قرینہ یہ ہے کہ تمام روایات میں بیع کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ بہت سی روایات ایسی ہیں جن میں عرایا کے لئے بیع کا لفظ نہیں ہے، لہٰذا یہ بعید نہیں کہ بعض روایات میں بیع کے لفظ کا اضافہ رواۃ کے تصرف کی وجہ سے ہو۔[1]

اعتراض

چوتھا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ احادیث میں ''عرایا'' کا استثناء ''مزابنۃ'' سے کیا گیا ہے اور ''مزابنۃ'' بالاتفاق بیع ہے تو استثناء کا تقاضا یہ ہے کہ عرایا بھی بیع ہو ورنہ استثناء کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟

جواب

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دراصل یہ استثناءِ منقطع ہے اور استثناءِ منقطع میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا، لہٰذا اس استثناء کی وجہ سے اِشکال کرنا بھی دُرست نہ ہوا۔

مجہول المقدار مبیع کی ایک جائز مروّجہ صورت

ابھی تک مجہول المقدار مبیع کا حکم اور اس کی چند صورتیں بیان ہوئیں۔ اب ذیل ہم مجہول المقدار مبیع کی خرید و فروخت کی ایک صورت ذکر کرتے ہیں۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/۴۱۵).

مبیع کی مقدار معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بیع کو ناجائز قرار دینے کی اصل وجہ یہی ہے کہ اس کی وجہ سے خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان باہمی نزاع پیدا ہو جاتا ہے جس سے بچنا ضروری ہے البتہ اگر مبیع کی مقدار میں جہالت معمولی ہو جس کی وجہ سے باہمی نزاع کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور اس کا عرف بھی ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں اس کی بیع جائز ہو گی۔

عصرِ حاضر میں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض بڑے بڑے ہوٹلوں میں مختلف قسم کے کھانے مختلف برتنوں میں پیش کئے جاتے ہیں، اور خریدار کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جو کھانا پسند کرے اور جتنا کھانا پسند کرے، کھالے لیکن زیادہ کھائے یا کم، اس کی قیمت ایک ہوگی۔ اب اگرچہ اس صورت میں مبیع کی مقدار مجہول ہے، اس لئے کہ یہ معلوم نہیں کہ خریدار اس میں کتنا کھانا کھائے گا لیکن چونکہ اس طرح کرنے سے کوئی باہمی نزاع نہیں ہوتا نیز اس کا عرف بھی ہو گیا ہے اس لئے ایسا کرنا جائز ہے۔[1]

بیع المجازفة
(اٹکل سے بیع کرنا)

بیع المجازفۃ کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء کی خرید و فروخت اس طرح کی جائے کہ ان کی مقدار متعین طور پر معلوم نہ ہو بلکہ محض اندازہ اور اٹکل کی بنیاد پر کی جائے۔ چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں:-

الجزاف هو البيع بلا كيل ولا وزن ولا تقدير.[2]

ترجمہ:- مجازفہ ایسی بیع کو کہتے ہیں جو ناپ، تول اور اندازے کے بغیر ہو۔

متعدّد احادیث میں اس کا جواز بھی منقول ہے، ذیل میں چند روایات ذکر کی

---

(۱) تكملة فتح الملهم (۱/۳۲۰).

(۲) عمدة القاري (۱۱/۲۵۰).

أيضا في شرح النووي مع صحيح مسلم (۱۰/۱۶۹).

نيل الأوطار للشوكاني (۴/۱۳۵).

جاتی ہیں:-

۱- إن عبدالله بن عمر قال: لقد رأيت الناس في عهد النبي صلى الله عليه وسلم يبتاعون جزافا يعني الطعام.[۱]

ترجمہ:- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے لوگوں کو طعام کے اندر بیع المجازفہ کا معاملہ کرتے ہوئے دیکھا۔

۲- عن ابن عمر رضي الله عنه قال: كنا نشتري الطعام من الركبان جزافا، فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نبيعه حتى ننقله إلى مكانه.[۲]

ترجمہ:- ابنِ عمر فرماتے ہیں کہ ہم باہر سے آنے والے قافلوں سے اشیاء خوردنی اندازے سے خریدتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اس بیع سے تو منع نہیں کیا البتہ) اس پر قبضہ کرکے اپنے جگہ منتقل کرنے سے پہلے بیع کرنے سے منع فرمایا۔

۳- عن عبيدالله بن عمر أن أباه كان يشتري الطعام جزافا فيحمله إلى أهله.[۳]

ترجمہ:- عبیداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ان کے والد اشیاء خوردنی

---

(۱) الصحيح للبخاري، البيوع (۲/۷۵۱) حديث: ۲۰۲۸، وأيضا فيه (۲/۲۵۱۳) حديث: ۲۳۲۰.

(۲) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث (۳۸۱۶)، صحيح ابن حبان، التميمي (محمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التميمي المتوفى ۳۵۴هـ) بيروت، مؤسسة الرسالة الطبعة الثانية ۱۴۱۴هـ-۱۹۹۳م (۱۱/۳۵۷).

(۳) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث (۳۸۲۰).

..... أنظر أيضا مسند أحمد بن حنبل ج:۲ ص:۷، ۱۵، ۲۱، ۴۰، ۵۳، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۵۷، ۳۹۹.

اندازے سے خریدتے اور پھر اسے اپنے گھر لے جاتے۔

جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بیع المجازفہ جائز ہے، البتہ مختلف ائمہ نے اس کے جواز کے لئے مختلف شرائط بیان کی ہیں۔ ذیل میں ہم اسے قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

حنفیہ

حنفیہ کے نزدیک ہم جنس اشیاء کے درمیان اٹکل سے بیع کرنا جائز نہیں جیسے گندم کی گندم سے اور جو کی جو سے وغیرہ، البتہ اگر مقدار اتنی قلیل ہو کہ وہ عام طور پر تولنے کے پیمانے کے تحت نہ آتی ہو(۱) تو اس صورت میں ہم جنس کے درمیان بھی جائز ہے۔ اور اگر اجناس مختلف ہوں یا کرنسی وغیرہ کے بدلے میں بیع ہو تو پھر جائز ہے۔(۲) البتہ بیع سلم کے اندر بطور "رأس المال" کوئی چیز اٹکل سے دینا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ یہ معاملہ فسخ ہو جائے اور ایسی صورت میں بائع (مسلم الیہ) کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اصل رأس المال واپس کرے لہٰذا اگر رأس المال کی مقدار معلوم نہ ہو تو اسے واپس کرنے میں دشواری پیش آئے گی۔(۳)

حنفیہ کے نزدیک بیع المجازفہ کے جواز کے لئے مزید شرائط بھی ہیں جن کا تذکرہ مالکیہ کی بیان کردہ شرائط کے ذیل میں آئے گا۔

مالکیہ

مالکیہ کے نزدیک بیع المجازفہ درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے:-

---

(۱) اس کی مقدار "نصف صاع" بیان کی گئی ہے جو تقریباً پونے دو سیر کے برابر ہے۔

(۲) الهداية (۵/۱) ويجوز بيع الطعام والحبوب مكايلةً ومجازفةً وهذا إذا باعه بخلاف جنسه لقوله عليه السلام: إذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم بعد أن يكون يداً بيد: بخلاف ما إذا باعه بجنسه مجازفةً لما فيه من احتمال الربا، ولأن الجهالة غير مانعة من التسليم والتسلم فشابه جهالة القيمة.

(۳) تنوير الأبصار مع الدرالمختار: (ولم يكن رأس مال سلم) بشرط معرفته.

ردالمحتار: لاحتمال أن يتفاسخا السلم فيريد المسلم اليه دفع ما اخذ، ولا يصرف ذلک الا بمعرفة القدر ط.

۱- بیچی جانے والی چیز نظر آ رہی ہو

پہلی شرط یہ ہے کہ جس چیز کی انکل سے بیع کی جارہی ہے وہ سامنے موجود ہو اور نظر آ رہی ہو۔ اگر وہ نظر نہیں آ رہی تو اس کی بیع المجازفہ جائز نہیں[1] لہٰذا نابینا شخص کی بیع المجازفہ بھی جائز نہیں کیونکہ وہ اس چیز کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔

حنفیہ کے نزدیک بھی بیع المجازفہ کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ مبیع نظر آ رہی ہو۔[2]

۲- مبیع کی مقدار معلوم نہ ہو

دوسری شرط یہ ہے کہ متعاقدین میں سے کسی کو بھی مبیع کی مقدار معلوم نہ ہو، اگر کسی ایک کو معلوم ہو اور دوسرے کو معلوم نہ ہو تو پہلے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے مبیع کی مقدار بتلائے ورنہ اسے اختیار حاصل ہوگا کہ جب چاہے کہ اس سودے کو منسوخ کر دے اور چاہے تو اسے باقی رکھ کر مکمل کر دے۔

۳- عددیات میں خاص شرط

وہ چیزیں جنہیں گن کر خریدا اور فروخت کیا جاتا ہے جیسے انڈے اور کیلے وغیرہ انہیں عددیات کہا جاتا ہے۔ ان کی بیع المجازفہ کے جواز کے لئے ایک اہم شرط یہ ہے کہ اگر ان کی تعداد اتنی ہو کہ آسانی سے گنی جاسکے تو پھر ان کی انکل کے ساتھ بیع کرنا جائز نہیں اور اگر بہت زیادہ مقدار ہو، جس کی وجہ سے شمار کرنے میں دشواری ہو تو پھر انکل کی بنیاد پر بیع کرنے کی اجازت ہے۔

۴- اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہو

چوتھی شرط یہ ہے کہ مبیع کی مقدار اتنی ہو کہ اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہو، اور اگر اس کا اندازہ اور تخمینہ لگانا مشکل ہو تو بیع المجازفہ جائز نہیں۔[3]

---

(۱) المنتقى شرح الموطا (۸/۵).

(۲) فتح القدير (۷۶/۵).

(۳) حاشية الدسوقي (۱۷/۳).

۵- سطح زمین ہموار ہو

پانچویں شرط یہ ہے کہ زمین کی جس سطح پر مبیع رکھی ہو، وہ ہموار ہو تاکہ اسے دیکھتے ہی خریدار کو اس کی مقدار کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ اگر وہ جگہ درمیان سے بلند ہو اور اطراف سے پست ہو تو اس صورت میں تھوڑی مقدار بھی بہت زیادہ معلوم ہوگی جس کی وجہ سے غرر لازم آئے گا، لہٰذا ایسا کرنا جائز نہیں۔[۱]

شافعیہ اور حنابلہ

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی بیع الجازفہ جائز ہے[۲] اور ان کے ہاں بھی تقریباً ان تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جو مالکیہ کے ہاں ہیں۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی بحوالہ بالا.

(۲) الغرر واثرہ فی العقود، ص:۲۶۳، ۲۶۴.

بابِ سوم
مدّت میں جہالت کے اعتبار سے غرر

اس بات پر تقریباً تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ بیع کے اندر ادائیگی کی مدت کا متعین ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ.[1]

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک معینہ مدّت کے لئے اُدھار کا معاملہ کرنے لگو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اس آیت مبارکہ کے اندر دو اُصول بیان کئے گئے:-

پہلا یہ کہ اُدھار کے معاملات کی دستاویز لکھ لینی چاہیئے تاکہ بھول چوک یا کسی کے انکار کرنے کے وقت کام آئے۔

دُوسرا یہ کہ جب اُدھار کا معاملہ کیا جائے تو اس کی مدت متعین ہونا ضروری ہے، غیر متعین مدّت کے لئے اُدھار لینا دینا درست نہیں خواہ یہ اُدھار قیمت کی صورت میں ہو یا جس چیز کو خریدنا ہو، وہ اُدھار ہو جیسے بیع سلم میں ہوتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ آپس میں بیع سلم کا معاملہ کرتے تھے۔ آپ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:-

---

(۱) القرآن (۲:۲۸۲)۔

من أسلف فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم وأجل معلوم.[1]

ترجمہ:- جو شخص بیع سلم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ متعین پیمانے، متعین وزن اور متعین مدت کے ساتھ بیع سلم کرے۔

ذکر کردہ آیتِ قرآنی اور حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ مبیع یا قیمت کی ادائیگی میں اگر مدت متعین نہ ہو تو وہ معاملہ جائز نہیں اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

جہالتِ یسیرہ اور جہالتِ فاحشہ

پھر مدت متعین نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مدت کے اندر بہت زیادہ جہالت ہو جس کی صورت یہ ہے کہ ادائیگی کی مدت میں جس واقعہ کو بنیاد بنایا گیا ہو خود اس واقعہ کا ہونا یقینی نہ ہو جیسے ہوا کا چلنا، بارش برسنا، یا کسی کا آنا وغیرہ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ آپ مجھے فلاں چیز فروخت کر دیجئے، اس کی قیمت میں اس وقت ادا کروں گا جب بارش برسے گی یا جب زید آئے گا وغیرہ، ایسی جہالت کو جہالتِ فاحشہ کہتے ہیں اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے غرر کو "غررِ فاحش" کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مدت کے اندر جہالت کم ہو یعنی اس فعل کا پایا جانا تو یقینی ہو لیکن کوئی وقت اس طرح متعین نہ ہو کہ اس میں کمی بیشی نہ ہو سکتی ہو جیسے فصل کی کٹائی، حاجیوں کی آمد وغیرہ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ اگر مجھے فلاں چیز اتنی قیمت کے بدلے میں فروخت کردیں، میں اس کی ادائیگی اس وقت کروں گا جب لوگ گندم کاٹیں گے یا جب حجاج کرام حج سے واپس آئیں گے۔ ان افعال کا پایا جانا یقینی ہے لیکن عام طور پر ان کے واقع ہونے میں کمی وبیشی ہو جاتی ہے کبھی فصل جلدی پک جاتی ہے، کبھی تاخیر ہو جاتی ہے۔ تو اس صورت میں پائی جانے والی جہالت معمولی ہے، اسے جہالتِ یسیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے غرر کو "غررِ یسیر" کہا جاتا ہے۔

علامہ شامی جہالتِ یسیرہ اور جہالتِ فاحشہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

---

(۱) صحيح البخاري، البيوع، حديث: (۲۲۳۹، ۲۲۴۰، ۲۲۴۱).

إن اليسيرة ما كانت في التقدم والتأخر والفاحشة ما كانت في الوجود كهبوب الريح.[1]

یہی تعریف علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں کی ہے۔[2]

کونسی جہالت مفسدِ عقد ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدت کے اندر پائی جانے والی کون سی جہالت ایسی ہے جس کی وجہ سے عقد فاسد ہوجائیگا اور کونسی جہالت ایسی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے بھی عقد جائز رہے گا۔ اس بارے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب میں قدرے اختلاف ہے۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ، شافعیہ، ظاہریہ

خرید وفروخت کے معاملات میں حنفیہ، شافعیہ اور ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں ادائیگی کی مدت میں جہالت سے عقد فاسد ہو جاتا ہے خواہ جہالتِ فاحشہ ہو یا جہالتِ یسیرہ۔ اور یہی بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

اعلم أن البيع بأجلٍ مجهول لا يجوز إجماعًا سواء كانت الجهالة متقاربة كالحصاد والدياس مثلًا أو متفاوتة كهبوب الريح وقدوم واحدٍ من سفره.[3]

ترجمہ:- واضح رہے کہ مجہول مدت کے ساتھ بیع کرنا بالاتفاق جائز نہیں خواہ یہ جہالت یسیرہ ہو جیسے گندم کی کٹائی وغیرہ کے ساتھ ادائیگی کو معلق کرنا یا جہالت فاحشہ ہو جیسے ہوا کے چلنے یا کسی کے آنے پر ادائیگی کو موقوف کرنا۔

---

(۱) حاشیة ابن عابدین (۵۴۰/۴).

(۲) فتح القدیر لابن الهمام (۸۷۳/۶).

(۳) رد المحتار مع تنویر الأبصار وشرحه الدر المختار (۲۷۹/۷).

امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ فرماتے ہیں:-

وإذا اشترى الرجل شيئًا إلى الحصاد أو إلى الدياس أو إلى جذاذِ النخل أو إلى رجوع الحاج فهٰذا كلّه باطل. بلغنا ذٰلك عن عبدالله بن عباس.(۱)

ترجمہ:- اگر کسی شخص نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ وہ اس کی ادائیگی فصل کی کٹائی یا گہائی یا کھجوروں کے پکنے یا حجاج کرام کے واپس آنے کے زمانے میں کردے گا تو یہ تمام معاملات ناجائز ہیں۔ یہ بات ہمیں عبداللہ بن عباس سے پہنچی ہے۔

یہی بات علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط میں بھی نقل فرمائی ہے۔(۲)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:-

ولو باع رجل عبدًا بمائة دينارٍ إلى العطاء أو إلى الجذاذ أو إلى الحصاد كان فاسدًا.(۳)

ترجمہ:- اگر ایک شخص نے کسی کو سو دینار کے بدلے ایک غلام اس شرط پر بیچا کہ وہ اس کی ادائیگی عطاء ملنے پر یا فصل کی کٹائی یا اس کے پکنے پر کرے گا تو یہ بیع فاسد ہوگی۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

قال أصحابنا فإن باع بمؤجل إلى الحصاد أو إلى العطاء لم يصح.

---

(۱) المبسوط، الشيباني (الإمام محمد بن الحسن الشيباني ۱۳۲ھ-۱۸۹ھ) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية (۱۱۷/۵).

(۲) كتاب المبسوط، السرخسي (العلّامة شمس الدين محمد بن أبي سهل السرخسي) بيروت، دارالمعرفة ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م (۲۶/۱۳).

(۳) كتاب الأم، الشافعي (الإمام محمد بن إدريس الشافعي ۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) بيروت، دار قتيبة، الطبعة الأولى المحققة ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶م (۲۹۲/۶).

ترجمہ:- ہمارے اصحاب (فقہاء) کا کہنا ہے کہ اگر کٹائی یا عطا ملنے کے ساتھ ادائیگی کو معلق کیا تو پھر معاملہ صحیح نہ ہوگا۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:-

(فرع) في مذاهب العلماء في البيع إلى العطاء والحصاد ونحوهما من الآجال المجهولة. وقد ذكرنا أنه لا يصح عندنا قال ابن المنذر وبه قال ابن عباس وأبو حنيفة. وقال مالك وأحمد وأبو ثور يجوز ذلك لانّه معروف.(۱)

ترجمہ:- فرع: عطا ملنے اور کٹائی وغیرہ جیسی مدت کے ساتھ ادئیگی کو معلق کرنے کے بیان میں ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ بیع صحیح نہیں اور یہی ابن منذر، ابن عباس اور ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام مالک احمد بن حنبل اور ثور کے نزدیک کٹائی، گہائی اور عطا ملنے جیسی مدتوں کے ساتھ ادائیگی کو معلق کرنا درست ہے کیونکہ یہ مدت معروف ہے۔

علامہ ابنِ حزم لکھتے ہیں:-

ولا يجوز البيع بثمن مجهول ولا إلى أجل مجهول كالحصاد والجذاذ والعطاء وما أشبه هذا.(۲)

البتہ حنفیہ کے ہاں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جہالت یسیرہ میں ممانعت کا یہ حکم اس وقت ہے جب عقد کے دوران اس مدت پر ادائیگی کی شرط لگائی گئی لیکن اگر شروع میں عقد مطلق ہوا یعنی عقد کے دوران کسی مدت کا ذکر نہیں ہوا۔ بعد میں فروخت کنندہ نے

---

(۱) المجموع شرح المهذب، النووي (الإمام أبو زكريا محي الدين يحيى بن شرف النووي)، بيروت، دار الفكر (۹/ ۳۴۰).

(۲) المحلى، ابن حزم (أبو محمد علي ابن أحمد بن سعيد بن حزم المتوفى ۴۵۶هـ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية الطبعة الأولى ۱۳۵۰هـ (۸/ ۴۴۵).

خریدار کو مذکورہ مدت تک ادائیگی کی مہلت دے دی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ قرض کی ادائیگی میں جہالت ہے جو کہ قابل برداشت ہے جس طرح کفالت کے اندر اتنی جہالت قابل برداشت ہے۔ علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:-

بخلاف ما إذا باع مطلقًا ثم أجل الثمن إلى هذه الأوقات حيث جاز لأن هذا التاجيل في الدين وهذه الجهالة فيه متحمله بمنزلة الكفالة۔[1]

ترجمہ:- بخلاف اس صورت کے کہ اگر شروع میں عقد مطلق ہوا ہو اور پھر ادائیگی میں مذکورہ مدتوں تک مہلت دی گئی تو پھر یہ عقد جائز ہے کیونکہ یہ مہلت اُدھار میں ہے اور اُدھار میں اتنی جہالت قابل برداشت ہے جیسا کہ کفالت میں قابل برداشت ہے۔

اسی طرح اگر شروع میں مذکورہ مدت کے وعدے پر عقد کر لیا گیا لیکن اس مدت کے آنے سے پہلے متعاقدین نے أجل کو ساقط کر دیا اور خریدار نے نقد ادائیگی کر دی یا کوئی متعین مدت مقرر کر لی تو بھی یہ معاملہ جائز ہو جائے گا البتہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ معاملہ ناجائز ہو چکا ہے، اس لئے بعد میں مدت کے اندر جہالت ختم ہونے کے بعد بھی یہ عقد صحیح نہ ہوگا لیکن ائمہ ثلاثہ[2] کا کہنا ہے کہ جس فساد کی وجہ سے عقد کو فاسد قرار دیا گیا تھا اس کے تقرر اور عملی طور پر واقع ہونے سے پہلے یہ فساد ختم ہو گیا اس لئے یہ معاملہ جائز ہو جائے گا۔[3] حنفیہ کے ہاں ائمہ ثلاثہ کا قول راجح ہے۔

---

(۱) الهداية للمرغيناني (۵/۱۲۸)۔

(۲) یہاں پر ائمہ ثلاثہ سے امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مراد ہیں۔

(۳) الهداية (۵/۱۲۸) ولو باع إلى هذه الآجال ثم تراضيا بإسقاط الأجل قبل أن يأخذ الناس في الحصاد والدياس وقبل قدوم الحاج جاز البيع أيضًا وقال زفر رحمه الله لا يجوز لأنه وقع فاسدا فلا ينقلب جائزًا وصار كإسقاط الأجل في النكاح إلى أجل ولنا أن الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقرره۔ ......أيضًا في المبسوط (۱۳/ ۲۷)

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں جہالتِ فاحشہ تو مفسدِ عقد ہے لیکن جہالتِ یسیرہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا لہٰذا ان کے نزدیک فصل کی کٹائی اور حجاج کی واپسی کے زمانے وغیرہ جیسی مدت کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کرنے سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ جائز رہتا ہے۔ علامہ حطابؒ لکھتے ہیں:-

لا بأس بالبيع إلى الحصاد والجذاذ والعصير ....لأنّه أجل معلوم .[1]

ترجمہ:- فصل کی کٹائی، گہائی یا کھجوروں کے پکنے جیسے زمانے کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ مدت معلوم ہے۔

حنابلہ

جہالتِ فاحشہ کے بارے میں تو حنابلہ کا بھی وہی مذہب ہے جو دیگر ائمہ کا ہے البتہ جہالتِ یسیرہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل سے دو قول مروی ہیں۔ ایک قول حنفیہ اور شافعیہ کے مطابق ہے یعنی جہالتِ یسیرہ بھی مفسدِ عقد ہے اور دُوسرا قول مالکیہ کے مذہب کے مطابق یعنی جواز کا ہے۔ چنانچہ الانصاف میں ہے:-

إن شرطه إلى الحصاد والجذاذ، إنّه لا يجوز لأنّه مجهول، وهو إحدى الروايتين والمذهب منهما وهو ظاهر كلامه في الوجيز وظاهر ما قدمه في الفروع وصححه في التصحيح. الرواية الثانية: يجوز ههنا وإن منعناه في المجهول، لأنّه معروف في العادة ولا يتفاوت كثيرًا واختاره ابن عبدوس في تذكرته وقدمّه في الفائق.[2]

---

(۱) مواهب الجليل، الحطاب (أبي عبدالله محمد بن عبد الرحمن الحطاب) بيروت، دار الفكر ۱۳۹۸هـ-۱۹۷۸م (۵۲۹/۴).

.... حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، الدسوقي) بيروت، دار الفكر (۲۰۵/۳).

(۲) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، المرداوي (علاء الدين أبوالحسن على بن سليمان لمرداوي) بيروت، دار إحياء التراث، العربي، الطبعة الثانية ۱۴۰۰هـ-۱۹۸۰م (۳۷۳/۴).

ترجمہ:- اگر کسی نے فصل کی کٹائی یا گہائی پر ادائیگی کو مشروط کیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ مدت مجہول ہے اور یہ امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت ہے اور مذہب بھی یہی ہے اور ''وجیز'' کے ظاہر کلام کا تقاضا بھی یہی ہے اور ''الفروع'' میں جس کو مقدم کیا گیا ہے، اس کا ظاہر بھی یہی ہے اور صاحب الفروع نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے اگرچہ مجہول مدت والی بیوع کو ہم ناجائز کہتے ہیں کیونکہ عادتاً یہ مدت معلوم ہے اور اس میں اتنا زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ ابن عبدوس نے تذکرہ میں اسے اختیار کیا ہے اور فائق میں اسے مقدم کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:-

ولا يصح أن يؤجّله بالحصاد والجذاذ وما أشبهه وكذٰلك قال ابن عباس وأبوحنيفة والشافعي وابن المنذر وعن أحمد رواية أخرى أنّه قال أرجو لا يكون به بأس وبه قال مالك وأبو ثور.(1)

ترجمہ:- ادائیگی کو فصل کی کٹائی جیسی مدت کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں اور یہی قول ابنِ عباسؓ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور ابنِ منذرؒ کا ہے۔ احمد بن حنبلؒ سے ایک دُوسری روایت بھی مروی ہے وہ یہ کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی اِمام مالکؒ اور ابوثورؒ کا مذہب ہے۔

الکافی میں ہے:-

فإن جعله إلى الحصاد والجذاذ والموسم لم يصح لأن ابن

---

(۱) المغني، ابن قدامة (أبي محمد عبدالله بن أحمد بن محمد بن قدامة) الرياض، المملكة العربية السعودية، دار عالم الكتب ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷م (۴۰۳/۶).

عباس قال: لا تتبايعوا إلى الحصاد والدياس ولا تتبايعوا الا إلى شهر معلوم. ولأن ذلك يختلف، يبعد ويقرب فلم يجز جعله أجلًا كقدوم زيد. وعنه، أنّه قال: أرجو أن لا يكون به بأس لأن ابن عمر كان يبتاع إلى العطاء لأنّه لا يتفاوت تفاوتًا كثيرًا.[1]

ترجمہ:- اگر کسی نے فصل کی کٹائی یا گہائی یا حجاج کرام کی واپسی کے زمانے کے ساتھ ادائیگی مشروط کی تو یہ صحیح نہیں اس لئے کے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فصل کی کٹائی اور گہائی وغیرہ کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کر کے بیع نہ کرو اور نہ ہی متعین مہینے کے علاوہ کسی مدت کے ساتھ مشروط کر کے بیع کرو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مدت میں اختلاف ہوتا رہتا ہے کبھی جلدی آجاتی ہیں اور کبھی دیر سے آتی ہیں، اس لئے انہیں ادائیگی کی مدت قرار دینا درست نہیں جیسا کہ (جہالت فاحشہ کو مدت قرار دینا جائز نہیں مثلاً) زید کے آنے پر ادائیگی کو مشروط کرنا۔ اور انہی سے دوسرا قول یہ مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اُمید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ ابن عمرؓ عطاء ملنے کی مدت تک ادائیگی کو مشروط کر کے اشیاء خریدتے تھے نیز ان کے آنے میں کوئی زیادہ فرق بھی نہیں ہوتا۔

درج بالا عبارات پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حنابلہ کے ہاں اگرچہ یہ قول موجود ہے کہ جہالتِ یسیرہ کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کر کے معاملہ کرنا درست نہیں لیکن زیادہ راجح بات یہ ہے کہ بیع کے اندر یہ جہالت معاف ہے۔ چنانچہ علامہ مرداوی جواز کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

---

(۱) الكافي، ابن قدامة (أبو محمد بن عبدالله بن قدامة) بيروت، المكتب الاسلامي. الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ–۱۹۸۲م (۱۱۳/۲)

قلت: وهو الصواب.[1]

ترجمہ:- میں کہتا ہوں کہ یہی درست رائے ہے۔

خلاصہ

مذاہبِ اربعہ کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق جہالتِ یسیرہ مفسدِ عقد ہے جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کی راجح روایت[2] کے مطابق جہالتِ یسیرہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا البتہ جہالتِ فاحشہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کی وجہ سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اس میں واضح طور پر جہالت پائی جاتی ہے اور یہ جہالت ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے عاقدین میں نزاع اور جھگڑا ہو سکتا ہے البتہ جہالتِ یسیرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مانعین کے دلائل

جو حضرات ان مدتوں کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کرنے پر عقد کو ناجائز کہتے ہیں بنیادی طور پر انکے دلائل درج ذیل ہیں۔

پہلی دلیل

پہلی دلیل حضرت ابنِ عباسؓ کا یہ قول ہے، آپ فرماتے ہیں:-

لا تتبايعوا إلى الحصاد والدياس ولا تبايعوا إلا إلى شهر معلوم.[3]

---

(۱) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، المرداوي (علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي) بيروت، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الثانية ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰م (۴/۳۲۳).

(۲) نیز ملاحظہ فرمائیے: الكافي، ابن قدامة (أبو محمد موفق الدين عبدالله بن قدامة) بيروت، المكتبة الإسلامي، الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م (۲/۱۱۳).

(۳) المبسوط للسرخسي (۱۳/۲۶).

... نصب الراية، الزيلعي (عبدالله بن يوسف أبو محمد الحنفي الزيلعي) مصر، دار الحديث، الطبعة الأولى ۱۳۵۷ھ تحقيق العلامة محمد يوسف البنوري (۴/۲۱).

ترجمہ:- فصل کی کٹائی اور گہائی کو مشروط کر کے عقد نہ کرو اور نہ ہی غیر متعین مہینے کے ساتھ مشروط کر کے عقد کرو۔

اس بارے میں حضرت سعید بن جبیر کا قول اس طرح مروی ہے:-

لا تبع إلى الحصاد ولا إلى جذاذ ولكن سم شهرا.(۱)

ترجمہ:- فصل کی کٹائی اور گہائی کی مدت پر بیع نہ کرو بلکہ مہینہ مقرر کرو۔

دُوسری دلیل

دُوسری دلیل یہ ہے کہ یہ مدت متعین نہیں بلکہ اس میں تقدیم وتاخیر ہوتی ہے جب کہ شرعاً عقد کے صحیح ہونے کے لئے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إن العطاء فعل العباد قد يتقدم ويتأخر بحسب ما يبدو لهم .... فأما ما يتقدم ويتأخر من فعل العباد يكون مجهول.(۲)

ترجمہ:- بلا شبہ عطاء بندوں کا فعل ہے جس میں تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہے اور وہ عمل جو بندوں کا فعل ہو اور اس میں تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہو تو وہ مجہول ہوتا ہے۔

مجوّزین کے دلائل

جو حضرات اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱- ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا فعل

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے بارے مروی ہے کہ وہ عطاء تک بیع کو جائز قرار دیتے تھے۔ چنانچہ مبسوط میں ہے:-

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة (۴/۲۹۰).

(۲) المبسوط للسرخسي (۱۳/۲۶).

إن ابن عمر كان يبتاع إلى العطاء.(۱)

ترجمہ:- ابن عمرؓ عطاء ملنے کی مدت تک ادائیگی کو مشروط کر کے اشیاء خریدتے تھے۔

۲- حضرت عائشہؓ کا قول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مبسوط میں علامہ سرخسی لکھتے ہیں:-

إن عائشة كانت تجيز البيع إلى العطاء .... وكانت تقول وقت خروج العطاء معلوم بالعرف لا يتأخر الخروج عنه إلا نادرًا فكان هذا بيعا بأجل معلوم.(۲)

ترجمہ:- حضرت عائشہؓ عطاء ملنے کی شرط پر ادائیگی کرنے کو جائز قرار دیتیں ..... اور فرمایا کرتیں کہ عطاء کے نکلنے کا وقت متعین ہے، اس میں بہت ہی کم تاخیر ہوتی ہے گویا یہ متعین مدت کے بیع ہے۔

۳- اُمہات المؤمنینؓ کا عمل

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمہات المؤمنینؓ بھی بعض مرتبہ عطا ملنے کے وعدہ پر اشیاء خریدتی تھیں۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:-

إن أمهات المؤمنين كن يشترين إلى العطاء.(۳)

ترجمہ:- اُمہات المؤمنینؓ عطاء کی مدت پر خریداری کرتی تھیں۔

۴- عقلی دلیل

ان کی عقلی دلیل یہ کہ اس میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہے بلکہ معمولی جہالت ہے لہٰذا اس حد تک اختلاف قابل برداشت ہے۔(۴)

---

(۱) المبسوط للسرخسی (۱۳/۲۶).

(۲) بحواله بالا.

(۳) مصنَّف ابن ابی شیبة (۴/۲۹۰).

(۴) الكافي، ابن قدامة (أبو محمد بن عبدالله بن قدامة) بيروت، المكتب الاسلامي. الطبعة الثالثة ۱۴۰۲هـ-۱۹۸۲ء (۲/۱۳).

ترجیح:

احقر کے خیال میں اس مسئلے میں بلاشبہ احتیاط پر مبنی حکم تو وہی ہے جو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت میں اختیار کیا گیا ہے جس کے مطابق جہالتِ یسیرہ بھی مفسدِ عقد ہے لیکن عصر حاضر میں چونکہ جہالت یسیرہ پر مبنی معاملات کا رواج بہت زیادہ ہو گیا ہے، نیز یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس مدت کے ساتھ ادائیگی کو معلق کر کے خریداری کرنا عام طور باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتا، اس لئے ضرورت کے پیشِ نظر مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب کو اختیار کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم

مجہول المدت بیوع کی چند مثالیں

۱-حمل الحمل کی بیع

یہاں پر حمل سے حالتِ حمل مراد نہیں بلکہ حمل کی وجہ سے جانور کے پیٹ میں موجود بچہ مراد ہے۔ اور حمل الحمل کا مطلب یہ ہے کہ حمل سے پیدا ہونے والا بچہ مونث ہو اور پھر وہ حاملہ ہو جس کی وجہ سے اس کے پیٹ میں ایک بچہ آجائے۔ ایک صحیح حدیث میں اس کا مطلب یہی بیان کیا گیا ہے۔[۱]

حمل الحمل کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:-

إنه نهى عن بيع حبل الحبلة.[۲]

ترجمہ:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل الحمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

حمل الحمل کی بیع سے کیا مراد ہے؟

اس کے بارے میں چار اقوال مروی ہیں۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، البيوع، (۳۶۹۳).

(۲) مسلم بحواله بالا. وحبل الحبلة أن تنتج الناقة ثم تحمل التي نتجت.

پہلا قول عبد اللہ بن عمرؓ کا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس شرط پر خریدنا کہ جب اس کی حاملہ اونٹنی بچی دے گی اور پھر وہ بچی بڑی ہو کر حاملہ ہوگی اور اس کا بچہ پیدا ہوگا تو اس وقت قیمت ادا کی جائیگی۔[1]

دوسرا قول یہ ہے کہ اس شرط پر کوئی چیز خریدنا کہ جب حاملہ اونٹنی کا بچہ پیدا ہوگا تو قیمت ادا کی جائیگی۔ یہ قول حضرت نافعؒ سے مروی ہے۔[2] اور سعید بن میسبؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور فقہائے کرام کی ایک جماعت نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔[3]

تیسرا قول یہ ہے کہ اس شرط پر کوئی چیز خریدنا کہ حاملہ جانور کا بچہ پیدا ہو کر جب وہ بچہ حاملہ ہو تو رقم کی ادائیگی کی جائے گی۔[4]

ان تین اقوال کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حمل الحمل کے ناجائز ہونے کی وجہ مدت کے اندر جہالت ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:-

والمنع فی الصور الثلاث الجهالة فی الاجل.[5]

ترجمہ:- ان تینوں صورتوں میں عدمِ جواز کی وجہ مدت کے اندر پائی جانے والی جہالت ہے۔

حمل الحمل کے متعلق انہی تین اقوال کی وجہ سے اسے مجہول المدت بیوع کی فصل میں ذکر کیا گیا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ حاملہ جانور کے بچے یا اس بچے سے پیدا ہونے والے بچے

---

(۱) الصحیح البخاری (۱/ ۲۸۷) كان الرجل يبتاع الجزور الى أن تنتج الناقة ثم تنتج التى فى بطنها.

(۲) صحیح البخاری (۱/ ۳۰۰) باب السلم الى أن تنتج الناقة حدثنا موسى بن إسماعيل ثنا جويرية عن نافع عن عبدالله قال كانوا يتبايعون الجزور إلى حبل الحبلة فنهى النبى صلى الله عليه وسلم عن ذلک. فسره نافع أن تنتج ما فى بطنها.

(۳) فتح الباری (۳/ ۳۵۸) وبظاهر هذه الرواية قال سعيد بن المسيب فيما رواه عنه مالک وقال به مالک والشافعى وجماعة.

(۴) فتح الباری بحواله بالا، قال بعضهم: إن بيع ثمن إلى أن تحمل الدابة وتلد ويحمل ولدها.

(۵) فتح الباری بحواله بالا.

کی بیع ابھی کردی جائے۔[1] امام ترمذیؒ سمیت بہت سے محدثین اور فقہائے کرام نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس صورت میں ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس میں ''غرر'' ہے اور مبیع مجہول ہے کیونکہ حاملہ جانور سے پہلے بچے کا پیدا ہونا یقینی نہیں چہ جائیکہ وہ مؤنث ہو، بڑا ہوکر حاملہ ہو اور اس کا بچہ پیدا ہو، یہ بالکل غیر یقینی صورتحال (Uncertainty) ہے۔ چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم لکھتے ہیں:-

وبهٰذا التفسير جزم الترمذي وبه قال أبو عبيدة وأحمد وإسحاق، ووجه المنع في هٰذه الصورة الغرر وجهالة المبيع لأن الجنين لا يتقين بوضعه فضلًا عن أن يلد ذٰلك الجنين.[2]

ترجمہ:- اسی تفسیر پر امام ترمذیؒ نے جزم اختیار کیا ہے اور یہی قول ابوعبیدہ، امام احمد اور اسحاق کا ہے۔ اس صورت میں ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ''غرر'' ہے اور مبیع مجہول ہے کیونکہ حاملہ جانور سے پہلے بچے کا پیدا ہونا یقینی نہیں چہ جائیکہ وہ مؤنث ہو، بڑا ہوکر حاملہ ہو اور اس کا بچہ پیدا ہو۔

حمل الحمل کی بیع کے بارے میں فقہی عبارات

ذیل میں چند فقہی عبارات ذکر کی جاتی ہیں۔ جن میں حمل الحمل کی بیع کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:-

وكذٰلك بيع أولادها في بطونها لا يجوز .... واستدل بنهي رسول صلى الله عليه وسلم عن بيع حبل الحبلة منهم من يروي بالكسر الحبلة فتناول بيع الحمل ومنهم من

---

(۱) تكملة فتح الملهم، العثماني (محمد تقي العثماني)، كراتشي، مكتبة دار العلوم، كراتشي (۱/۳۲۲) والرابع أنه بيع جنين الناقة أو جنين جنينها في الحال.

(۲) تكملة فتح الملهم، بحواله بالا.

يـروى بـالـنـصـب الـحبلة فيكون المراد بيع ما يحمل هٰذا الحمل.[1]

ترجمہ:- اس طرح جانور کے پیٹ میں موجود بچے کی بیع جائز نہیں ہے ......اس کے ناجائز ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے کہ آپ نے حمل الحمل کی بیع سے منع فرمایا۔ بعض نے ''حبلہ'' کو حا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں عدمِ جواز کا حکم حاملہ جانور کے بچے سے پیدا ہونے والے بچے کے لئے یہ حکم ثابت ہوگا اور بعض نے ''حبلہ'' کے حا کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں اس حاملہ کے حمل کی بیع مراد ہوگی۔

علامہ ابنِ عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں:-

وهٰذا التأويل قال مالک والشافعي وأصحابهما وهو الأجل الـمجهول، ولا خلاف بين العلماء أن البيع إلٰى مثل هذا من الأجـل لا يـجـوز، وقد جعل الله الأهلة مواقيت للناس ونهى رسـول صلى الله عليه وسلم عن البيع إلى مثل هذا من الأجل وأجـمـع الـمـسـلـمـون علٰى ذٰلک وكفٰى بهٰذا علمًا. وقال آخـرون في تأويل هٰذا الحديث: معناه بيع ولد الجنين الّذى فـي بـطـن الـناقة. هٰذا قول أبي عبيد. قال أبو عبيد عن ابن عـليـه: هـو نتـاج الـنـتـاج وبهٰذا التأويل قال أحمد بن حنبل، إسـحـاق بـن راهويه، وقد فسـر بعض أصحاب مالک بمثل ذٰلک أيضًا وهو بيع أيضًا مجتمع علٰى أنّه لا يجوز ولا يحل

(۱) المبسوط للسرخسی (۱۲: ۱۹۵).

لأنـه بيـع غـرر ومجهول وبيع ما لم يخلق وقد أجمع العلماء علىٰ أن ذٰلک لا يجوز في بيوع المسلمين.[1]

ترجمہ:- حمل الحمل کی تفسیر میں امام مالکؒ، شافعیؒ اور ان کے اصحاب کی رائے وہی ہے جو عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے۔[2] اس اعتبار سے یہ ایک مجہول مدت کے لئے بیع ہے۔ علمائے کرام کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس جیسی مدت کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کر کے بیع کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی مہینوں کو لوگوں کے لئے مواقیت قرار دیا ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جیسی مدت کے ساتھ بیع کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور مسلمانوں کا اس بیع کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے۔ جاننے کے لئے اتنی بات کافی ہے۔ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ حاملہ جانور کے اندر موجود بچے کی بیع ہے۔ یہ قول ابو عبید سے مروی ہے جبکہ ابو عبید ابن علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حاملہ جانور کے بچے کی بیع ہے یہ تفسیر احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ نے اختیار کی ہے اور بعض مالکی فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ اس تاویل کے اعتبار سے بھی یہ بیع بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ اس میں ''غرر'' ہے، ایک مجہول چیز اور ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔ علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ بیع جائز نہیں۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:-

---

(۱) التمهيد، ابن عبدالبر (أبو عمر يوسف بن عبدالله بن عمر بن عبد البر) مكة المكرمة، المكتبة التجارية (۱۳/۳۱۳، ۳۱۴).

(۲) یہ وہی تفسیر ہے جو پہلے قول کے طور پر بیان ہوئی۔

أجـمـعوا علىٰ فساد بيع حبل الحبلة وما في بطن الناقة .....
وأجمعوا على فساد بيع المضامين والملاقيح.[1]

ترجمہ:- علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حاملہ جانور کے بچے کی خرید وفروخت اور اسی طرح اونٹنی کے پیٹ میں موجود بچے کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ مذکر اور مؤنث کے مادۂ منویہ کی بیع فاسد ہے۔

علامہ ابنِ قدامہؒ فرماتے ہیں:-

وقـد روى ابـن عـمـر، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنّه نهى عـن بيـع حبل الحبلة (متفق عليه) ومعناه نتاج النتاج قاله أبو عبيـد وعـن ابـن عـمـر قال: كان أهل الجاهلية يتبايعون لحم الـجـزور إلـى حبـل الـحبـلة وحبـل الحبلة أن تنتج الناقة ثم تـحـمل التي نتجت فنهاهم النبي صلى الله عليه وسلم، رواه مسلم وكلا البيعين فاسدان.[2]

ترجمہ:- ابنِ عمرؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے حمل الحمل کی بیع سے منع فرمایا ہے (متفق علیہ) اس مراد ہے کہ حاملہ جانور کے بچے کے بچے کی بیع۔ یہ قول ابو عبید کا ہے جبکہ ابن عمر کا قول یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ جانوروں کا گوشت اس شرط پر خریدتے تھے کہ حاملہ جانور کے بچے کی بچے کی پیدائش پر ادائیگی کر دیں گے۔ حمل الحمل کا مطلب ہے کہ اونٹنی بچی دے اور پھر وہ بچی حاملہ ہو کر بچہ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع

---

(۱) الإجماع لابن المنذر، كتاب البيوع، رقم الإجماع: ٤٧٦، ٤٧٧، ص: ١١٥.
... المجموع شرح المهذب، للنووي (٣٢٣/٩).
(٢) المغني لابن قدامة (٣٠٠/٦).

سے منع فرمادیا۔ (مسلم) بیع کی یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

۲۔فصل کی کٹائی کے وعدہ پر خریداری

فصل کی کٹائی اور گہائی وغیرہ پر ادائیگی کا وعدہ کر کے خریداری کرنے کا رواج اگرچہ قدیم عرصے سے چلا آرہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فقہاء کرام حتی کہ صحابہ کرام کے اقوال بھی ملتے ہیں لیکن عصر حاضر میں شاید اس کا رواج بہت زیادہ بڑھ چکا ہے، خصوصا دیہاتی زندگی میں اس کا مشاہدہ روزمرہ ہوتا رہتا ہے۔ عام طور دیہاتی لوگوں کے پاس نقد رقم نہیں ہوتی۔ وہ مقامی دکاندار سے اپنی ضرورت کا سامان لیتے رہتے ہیں اور پھر فصل پکنے پر ادائیگی کر دیتے ہیں۔

اس مسئلے کے متعلق ائمہ اربعہ کے ذکر کردہ مذاہب کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ صورت ناجائز ہے جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق یہ صورت جائز ہے۔

غور طلب:

یہاں پر یہ پہلو غور طلب ہے کہ جن فقہاء کرام نے اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے ان کے ذکر کردہ دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس بیع میں طے کردہ مدت کے اندر جہالت پائی جاتی ہے، کیونکہ فصل کی تیاری میں کبھی تاخیر ہو جاتی ہے اور کبھی فصل جلدی تیار ہو جاتی ہے لہذا مدت کی جہالت عقد کے لئے مفسد ہوگی جبکہ مجوزین کا کہنا ہے کہ یہ جہالت معمولی ہے جو عام طور باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتی۔

عصرِ حاضر میں اس قسم کے معاملات کا رواج بہت ہی زیادہ ہو گیا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ اس مدت کے ساتھ ادائیگی کو معلق کر کے خریداری کرنا عام طور پر باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتا۔ البتہ اگر فصل پک جانے کے بعد خریدار ادائیگی میں ٹال مٹول کرے تو اس سے کئی قسم کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس مدت کو ادائیگی کی مدت قرار دینا باہمی نزاع کا

باعث نہیں بلکہ اگر باہمی جھگڑے کی صورت پیش آئے تو عام طور پر اس کا باعث مدت کے بعد خریدار کا ٹال مٹول کرنا ہوتا ہے۔ اور ٹال مٹول کسی بھی صورت میں کی جائے، باہمی نزاع کا باعث بنتی ہے حتیٰ کہ نقداً خریداری کے بعد بھی ادائیگی میں ٹال مٹول سے طرح طرح کے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ بات اہلِ علم کے لئے غور طلب ہے کہ کیا ایسی صورت میں حنابلہ کے قول کو اختیار کر کے اس کے جواز کا حکم لگانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ خصوصاً جبکہ اس معاملے کے اندر عوام الناس کی بہت بڑی تعداد ملوث ہے۔

۳- مدت بیان کئے بغیر خریداری کرنا

عصرِ حاضر میں یہ صورت بھی رواج پذیر ہے کہ بعض مرتبہ ایک شخص کسی دُکان سے کوئی چیز خریدتا ہے اور ادائیگی نہ تو فوراً کرتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مدت مقرر کرتا ہے بلکہ یوں کہتا ہے کہ اس کی قیمت بعد میں دے دوں گا۔ اور عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ دکاندار اس پر خاموش ہو جاتا ہے۔

بیع کی اس صورت میں چونکہ مدت کا ذکر نہیں ہوتا اس لئے یہ بیع نقداً سمجھی جائے گی اور بائع کے مطالبے پر اس کی فوری ادائیگی ضروری ہوگی۔ البتہ اگر دکاندار اپنی طرف سے خوش دِلی کے ساتھ کچھ دنوں کی مہلت دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب پہلے سے دکاندار اور گاہک کے درمیان کوئی معمول نہ چل رہا ہو لیکن آج کل بازار میں اُدھار کا دور دورہ ہے اور بہت سے لوگ اپنے مخصوص دکانداروں سے اُدھار کی بنیاد پر خرید و فروخت کر رہے ہوتے ہیں اور دکاندار کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون کون سے گاہک کون سے وقت پر ادائیگی کرتے ہیں (عام طور پر شہروں میں ادائیگی تنخواہ ملنے پر اور دیہاتوں میں فصل کی کٹائی پر کی جاتی ہے) ایسی صورت میں بسا اوقات خریداری کرتے وقت ادائیگی کی مدت بیان نہیں کی جاتی لیکن چونکہ اس طرح کے سودوں میں گاہک اُدھار کو اپنا حق سمجھتا ہے نیز دونوں میں پہلے سے بھی اُدھار کا معمول چل رہا ہوتا ہے، اس لئے اس صورت میں ادائیگی کی مدت بیان نہ کرنے کے باوجود بھی اس بیع

کو مؤجل سمجھا جائے گا اور بائع کا سامان فروخت کرتے وقت خاموش رہنا تاجیل کہلائے گا۔ واللہ تعالیٰ أعلم

۴۔ مرضی کی مدت

بہت سے علاقوں میں یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ خریدار کوئی سامان مثلاً زرعی ادویات خریدتے وقت دکاندار سے کہتا ہے کہ اس کی قیمت آپکی مرضی کی ہوگی اور ادائیگی میری مرضی پر ہوگی۔ آپ اپنی مرضی کے مطابق جو قیمت لگانا چاہیں، لگالیں میں جب چاہوں گا اسی قیمت ادا کروں گا۔

چونکہ اس صورت میں مدت کے اندر جہالتِ فاحشہ پائی جاتی ہے لہٰذا یہ صورت بھی جائز نہیں۔

جواز کی صورت

صورت نمبر۴ میں جواز کی جائز طریقہ یہ ہے کہ بیع کرتے وقت یہ طے کیا جائے کہ ادائیگی کی مدت کیا ہوگی اور اس مدت کے آنے پر خریدار ادائیگی کا پابند ہو البتہ اگر دکاندار اپنی طرف سے خوش دِلی کے ساتھ چند دنوں کی مہلت دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

کیا تنخواہ کو عطاء پر قیاس کیا جا سکتا ہے؟

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ عطاء کی مدت کے ساتھ ادائیگی کو معلق کر کے بیع کرنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ ان کے مطابق عطاء بندوں کا فعل ہے جس میں تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہے اور وہ عمل جو بندوں کا فعل ہو اور اس میں تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہو تو وہ مجہول ہوتا ہے، اس لئے یہ بیع ناجائز ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر میں یہ رواج عام ہے کہ لوگ تنخواہ ملنے پر ادائیگی کو معلق کر کے بیع کرتے ہیں۔ کیا یہ بیع جائز ہے یا نہیں کیونکہ تنخواہ ملنے میں بھی اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ اس کے ملنے میں تقدیم وتاخیر ہوجائے۔

اس سلسلے میں کوئی فقہی جزئیہ تو احقر کی نظر سے نہیں گزرا البتہ اس مسئلے میں غور و

فکر کرنے اور مختلف اداروں کے ادائیگیٔ تنخواہ کی طریقہ ہائے کار معلوم کرنے کے بعد احقر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ آج کل تنخواہ کی ادائیگی کے دو طریقے رائج ہیں۔

۱- سرکاری اداروں اور بڑے بڑے پرائیویٹ اداروں میں تنخواہ ملنے کی ایک تاریخ متعین ہوتی ہے۔ ملازم کو اس تاریخ پر چیک دے دیا جاتا ہے یا اسے تنخواہ ملنے کے شعبے (Section) سے اپنی تنخواہ وصول کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ اپنی تنخواہ فوراً وصول کرلے یا ایک، دو روز تاخیر کر کے وصول کرے۔

۲- بعض چھوٹے اداروں اور شخصی ملازمین کی تنخواہ ملنے کی تاریخ عام طور پر متعین نہیں ہوتی تاہم عام طور پر مہینے کی دس تاریخ سے پہلے پہلے تنخواہ دے دی جاتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پہلی صورت میں تو تنخواہ کی تاریخ متعین ہے، لہٰذا اسے ادائیگی کی مدت قرار دینے میں کوئی اِشکال نہیں۔ دُوسری صورت میں اگرچہ جہالت پائی جاتی ہے لیکن یہ جہالت بہت معمولی ہے اور اس بارے میں بھی یہی دیکھا گیا ہے کہ یہ معمولی جہالت باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتی، اس لئے اسے ادائیگی کی مدت قرار دینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ تعالی أعلم

باب چہارم
ثمن میں جہالت کے اعتبار سے غرر

فقہی اصطلاح میں ''ثمن'' سے مراد کسی چیز کی وہ قیمت ہے جس پر عقد کرنے والے دونوں فریق (Contractors) راضی ہو جائیں خواہ یہ قیمت اس کی حقیقی ویلیو سے کم ہو یا زیادہ جبکہ'' قیمت'' اس چیز کے معیار اور مالیت کے اعتبار سے مقرر کی گئی مارکیٹ ویلیو کا نام ہے چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

والفرق بين الثمن والقيمة أن الثمن ما تراضى عليه المتعاقدان سواء زاد على القيمة أو نقص، والقيمة ما قوم به الشيء بمنزلة المعيار من غير زيادة ولا نقصان.[1]

ترجمہ:- ثمن اور قیمت میں یہ فرق ہے کہ ثمن سے مراد کسی چیز کی وہ قیمت ہے جس پر متعاقدین (Contractors) راضی ہو جائیں یا خواہ یہ قیمت اس کی حقیقی ویلیو سے کم ہو یا زیادہ جبکہ قیمت اس چیز کے معیار اور مالیت کے اعتبار سے مقرر کی گئی مارکیٹ ویلیو کا نام ہے۔

اس لئے اشیاء کی قیمت تو عام طور پر معلوم ہوتی ہے البتہ اس کے ثمن میں جہالت کا امکان کافی زیادہ ہوتا ہے۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک بیع کے اندر ثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر ثمن کے اندر جہالت پائی جا رہی ہو تو وہ عقد جائز نہیں ہوگا۔

---

(۱) ردّ المحتار، الشامی (العلامة محمد أمين الشهير بابن عابدين الشامی) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی (۴/۵۷۵).

علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وشرط صحته معرفة قدر ووصف ثمن.[1]

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ثمن کی مقدار اور وصف معلوم ہو۔

علامہ حطاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

إن من شرط صحة البيع أن يكون معلوم العوضين فإن جهل الثمن أو المثمون لم يصح البيع.[2]

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دونوں عوض معلوم ہوں لہٰذا اگر ثمن یا مبیع میں سے کوئی ایک مجہول ہو تو وہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔

علامہ بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الشرط السابع من شروط البيع ان يكون الثمن معلومًا للمتعاقدين حال العقد.[3]

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ساتویں شرط یہ ہے کہ عقد کے دوران متعاقدین کو بیچی جانے والی چیز کا ثمن معلوم ہو۔

جہالتِ ثمن کی صورتیں

بیع میں ثمن کے مجہول ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔ جن میں سے درج ذیل چار صورتیں زیادہ مشہور ہیں:-

۱- ثمن کا ذکر کئے بغیر بیع کرنا۔

---

(۱) تنوير الأبصار للتمرتاشي مع الدر المختار للحصكفي ورد المحتار للشامي (۵۲۹/۴).

(۲) مواهب الجليل (۲۷۶/۴)

(۳) كشاف القناع، البهوتي (منصور بن يونس بن ادريس البهوتي ۱۰۰۰ هـ-۱۰۵۱ هـ) مكة المكرمة، مطبعة الحكومة ۱۳۹۴ هـ (۲۲/۳ ل).

۲- بازاری قیمت وغیرہ پر بیع کرنا۔

۳- بیع الاستجرار۔

۴- تعیینِ قیمت کا فارمولا (Benchmark)۔

ان میں سے ہر ایک کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ثمن کا ذکر کئے بغیر بیع کرنا

جمہور فقہائے کرام کے ہاں بیع کے دوران بیچی جانے والی چیز کا ثمن بیان کرنا ضروری ہے۔ اگر ثمن کا ذکر کیے بغیر عقد کیا گیا تو یہ عقد فاسد ہوگا البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر ایسی صورت میں خریدار نے مبیع پر قبضہ کرلیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس پر اس چیز کی بازاری قیمت ادا کرنا واجب ہوگا۔ جبکہ حنابلہ، شوافع اور دیگر بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک قبضہ کرنے کے بعد بھی خریدار اس کا مالک نہ ہوگا بلکہ اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس چیز کو واپس کرے۔ اگر واپس نہ کی اور اس کے ہاتھوں سے ہلاک ہوگئی تو اس پر اس کا ضمان آئے گا۔

حنفیہ کی عبارات

تنویر الابصار اور اس کی شرح در مختار میں ہے:-

(وفسد) بيع (ما سكت) أي وقع السكوت (فيه عن الثمن). [1]

ترجمہ:- جس بیع میں ثمن بیان کرنے سے خاموشی اختیار کرلی جائے تو وہ بیع فاسد ہوجاتی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:-

لأن مطلق البيع يقتضي المعاوضة فإذا سكت كان غرضه القيمة فكأنه باع بقيمته فيفسد ولا يبطل. [2]

---

(۱) تنوير الأبصار للتمرتاشي مع الدر المختار للحصكفي (۵: ۲۰).

(۲) ردّ المحتار للشامي (۵: ۶۰).

ترجمہ:- جس بیع میں ثمن کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ بھی معاوضہ کا تقاضہ کرتی ہے اور جب معاوضہ بیان کرنے سے خاموشی اختیار کر لی گئی تو معلوم ہوا فروخت کنندہ کی غرض اسکی بازاری قیمت پر ہوئی لہٰذا یہ عقد فاسد ہوگا، باطل نہیں ہوگا۔

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وإذا قبض المشترى المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع ولزمته قيمته.(۱)

ترجمہ:- اگر عقد فاسد میں خریدار فروخت کنندہ کی اجازت سے بیچی جانے والی چیز پر قبضہ کر لے جبکہ عقد میں دونوں عوض مال ہوں تو خریدار اس کا مالک بن جاتا ہے اور اس پر اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

مذہبِ جمہور کی عبارت

علامہ نووی رحمہ اللہ جمہور کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

يشترط في صحة البيع أن يذكر الثمن في حال العقد فيقول بعتكه بكذا فإن قال بعتك هذا واقتصر علىٰ هٰذا فقال المخاطب اشتريت أو قبلت لم يكن هٰذا بيعًا بلا خلاف ولا يحصل به الملك للقابل على المذهب وبه قطع الجمهور وقيل فيه وجهان (أصحهما) هٰذا والثاني يكون هبة وإذا قلنا بالمذهب أنه لا يكون تمليكا فقبضه القابل كان مضمونا عليه على المذهب.(۲)

---

(۱) الهداية، للمرغيناني (۵/ ۳۲).

(۲) المجموع شرح المهذب للنووی (۹/ ۱۷۲).

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عقد کے دوران ثمن ذکر کئے جائیں پس فروخت کنندہ یہ کہے کہ میں نے فلاں چیز اتنی قیمت میں بیچی۔ اگر اس نے صرف یہ کہا کہ میں نے فلاں چیز بیچی اور مخاطب نے کہا میں نے خریدی یا میں نے قبول کی تو بالاتفاق یہ بیع جائز نہیں اور جمہور کے مذہب کے مطابق اس سے خریدار کی ملکیت بھی ثابت نہیں ہوگی۔ اوراس کی دو تاویلیں ذکر کی گئی ہیں۔ زیادہ صحیح تاویل یہی ہے کہ یہ بیع فاسد ہے اور دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ ہبہ ہے۔ اور جب ہم نے راجح یہ ذکر کیا یہ بیع فاسد ہے اس لئے خریدار قبضہ کرنے کے بعد مالک نہ ہوگا بلکہ اس پر اس کا ضمان ادا کرنا واجب ہوگا۔

بازاری یا لکھی ہوئی قیمت وغیرہ پر بیع کرنا

دوسری صورت یہ ہے کہ خریداری کے وقت اس چیز کی قیمت ذکر تو کی جائے لیکن اسطرح ذکر کی جائے کہ متعاقدین یا ان میں سے کسی ایک کو متعین قیمت کا علم نہ ہو سکے مثلاً خریدار یوں کہے کہ میں فلاں کتاب کو اسکی بازاری قیمت پر خریدتا ہوں جبکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کتاب کی بازار میں کیا قیمت ہے، یا یوں کہے کہ میں فلاں چیز اس قیمت کے بدلے خریدتا ہوں جو اس پر لکھی ہوئی ہے جبکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اس پر کیا قیمت لکھی ہوئی ہے یا فلاں چیز جس قیمت پر لوگ خریدتے ہیں میں بھی اسی قیمت پر خریدتا ہوں حالانکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ لوگ اسے کس قیمت میں خریدتے ہیں، تو ان تمام صورتوں میں بھی عقد کرنے والے کے اعتبار سے ثمن مجہول ہے۔

ان تمام صورتوں میں ائمہ اربعہ کے نزدیک عقد فاسد ہو جاتا ہے بشرطیکہ مجلس عقد کے ختم تک اس کی قیمت کا علم نہ ہو سکے۔ البتہ حنفیہ کے ہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر ایسا عقد ان چیزوں میں ہو کہ جن کی مقدار تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے اور قیمت بھی تقریباً ایک ہی ہوتی ہے جیسے روٹی یا گوشت وغیرہ تو اس صورت میں بازاری قیمت پر بیع کرنا جائز ہے۔

کیونکہ ان کی قیمت عام طور پر متعین ہوتی ہے لہٰذا جہالت اور غرر کی خرابی لازم نہیں آتی۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

مـمّـا لا یـجوز بیع المبیع بقیمته أو بما حلّ به أو بما ترید أو تـحب أو برأس ماله أو بما اشتراه أو بمثل ما اشتریٰ فلان لا یـجوز فإن عـلـم الـمشتری القدر فی المجلس فرضیه عاد جـائـزًا ..... و کـذا لا یجوز بمثل ما یبیع الناس إلّا أن یکون شیئًا لا یتفاوت کالخبز واللحم.[1]

ترجمہ:- اور ناجائز بیوع میں یہ بیوع بھی شامل ہیں کہ یوں کہا جائے کہ فلاں چیز کو اس کی قیمت کے بدلے فروخت کرتا ہوں یا جتنے میں مجھے پڑی ہے اتنے میں بیچتا ہوں یا جتنے میں آپ چاہیں یا جتنے میں آپ پسند کریں یا اس کی اصل قیمت کے بدلے یا جتنے میں فلاں شخص نے خریدی ہے وغیرہ، یہ سارے معاملات ناجائز ہیں۔ اگر مجلس کے اندر خریدار کو اس کی قیمت کا علم ہوجائے اور وہ اس پر راضی بھی ہوجائے تو وہ بیع جائز ہوجائے گی۔ اسی طرح یہ کہنا کہ جتنے میں لوگ بیچتے ہیں، اتنے میں بیچتا ہوں، یہ بھی عقد فاسد ہے ہاں اگر وہ چیز ایسی ہے کہ ان جیسی اشیاء میں تفاوت نہیں ہوتا جیسے روٹی اور گوشت تو ان صورتوں میں یہ بیع جائز ہوگی۔

علامہ ابنِ عابدین رحمہ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:-

فإن لم یعلم المشتری ینظر إن علم فی مجلس البیع نفذ وإن تفرقا قبل العلم بطل.[2]

---

(۱) فتح القدیر مع الهدایة، ابن الهمام (کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الهمام) کوئٹه، المکتبة الرشیدیه (۵/۴۶۷).

(۲) رد المحتار مع التنویر وشرحه الدرالمختار (۴/۵۲۱).

ترجمہ:- اگر خریدار کو قیمت معلوم ہو تو دیکھا جائے گا اگر بیع کی مجلس ہی میں اسے قیمت کا علم ہو گیا تو یہ بیع نافذ ہو جائے گی اور قیمت جاننے سے پہلے دونوں کے درمیان علیحدگی ہو گئی تو عقد باطل ہو جائے گا۔

امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

فقال: قد أخذت منک هذا بمثل ما يبيع الناس، فهذا فاسد. وكذلك لو قال: أخذت منک بمثل ما أخذ فلان من الثمن فهو فاسد.[1]

ترجمہ:- اگر خریدار نے یوں کہا کہ میں نے آپ سے اتنی قیمت کے بدلے خریدی جتنی کے بدلے لوگ بیچتے ہیں تو یہ بیع فاسد ہوگی اسی طرح اگر یوں کہا کہ میں نے تم سے اتنی قیمت کے بدلے میں خریدی جتنی قیمت فلاں نے لی تو یہ بیع بھی فاسد ہوگی۔

ان معاملات کے عدمِ جواز پر دیگر فقہاء کی عبارات

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

واتفق الأصحاب على أن يشرط كون الثمن معلوم القدر لحديث النهي عن بيع الغرر فلو قال بعتک هذا بدراهم أو بما شئت أو نحو هذه العبارات لم يصح البيع بلا خلاف ولو قال بعتک هذه السلعة برقمها أي بالثمن الذي هو مرقوم به عليها أو بما باع به فلان فرسه أو ثوبه فإن كان عالمين بقدره صح البيع بلا خلاف وإن جهلاه أو أحدهما فطريقان (أصحهما) وبه قطع المصنف وسائر العراقيين وجماعة من الخراسانيين لا يصح البيع لما ذكره المصنف لأنه غرر.[1]

---

(۱) كتاب الأصل المعروف بالمبسوط: الشيباني (الإمام محمد بن الحسن ۱۳۲هـ-۱۸۹هـ) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية (۵/ ۹۰).

(۲) المجموع شرح المهذب للنووي (۹/ ۳۳۳).

ترجمہ:- فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع کے اندر ثمن کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے کہا کہ میں تجھے یہ چند دراہم میں یا جتنی قیمت میں آپ چاہیں آپ کو بیچتا ہوں یا اس طرح کی کوئی بات کی تو بالاتفاق یہ بیع ناجائز ہوگی اور اگر یوں کہا کہ جو قیمت اس پر لکھی ہوئی ہے اسی کے بدلے بیچتا ہوں حالانکہ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو معلوم نہیں کہ اس پر کیا قیمت لکھی ہے تو اس کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں اسی کو عراقی فقہاء اور خراسانی علمائے کرام کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ اس میں "غرر" ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

ومتى باعاه السلعة بر قمها ولا يعلمانه ..... وجهل ذلك أحدهما ..... فالبيع باطل لأن العلم بالثمن شرط لصحة البيع.[1]

ترجمہ:- اگر دو آدمیوں نے کسی چیز کی بیع اس قیمت کے بدلے میں کی جو اس پر لکھی ہوئی ہے حالانکہ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو معلوم نہیں کہ اس پر کیا لکھا ہوا ہے تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے ثمن کا علم ہونا شرط ہے۔

---

(۱) المغنی (۲۶۸/۲).

بیع الإستجرار

بازاری قیمت پر خریدنے کی ایک اہم صورت وہ ہے جو ہمارے ہاں بکثرت پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص کسی دکاندار مثلاً پھل فروش، سبزی فروش، کریانہ مرچنٹ وغیرہ کے پاس اپنا کھاتہ کھول لیتا ہے اور اس سے اشیاء لیتا رہتا ہے جس روز جو چیز لی جاتی ہے، اس روز اس کی جو بازاری قیمت ہوتی ہے، دوکاندار اس کے حساب سے اس کی قیمت لگا کر خریدار کے کھاتے میں لکھ دیتا ہے۔ خریدار کو عام طور پر اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ فلاں چیز کس بھاؤ کے حساب سے آئی بلکہ وہ علی الحساب اشیاء لیتا رہتا ہے اور پھر مہینے کے آخر یا کچھ مدت کے بعد ساری خریداری کا حساب لگا کر ادائیگی کردی جاتی ہے اور بعض دفعہ خریدار رقم شروع میں رکھوا دیتا ہے اور دوکاندار سے چیزیں لیتا رہتا ہے، آخر میں اس کی دی ہوئی رقم سے حساب کرلیا جاتا ہے، اسے فقہی اصطلاح میں "بیع الاستجرار" کہا جاتا ہے۔

معجم لغة الفقهاء میں بیع الإستجرار کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:-

ما یأخذه المشتری من البائع شیئًا فشیئًا ثم یحاسبه ثمن جمیع ما أخذه.(۱)

ترجمہ:- بیع الاستجرار یہ ہے کہ خریدار فروخت کنندہ سے مختلف اوقات میں اشیاء لیتا رہتا ہے اور پھر لی ہوئی تمام اشیاء کے ثمن کا حساب کرلیتا ہے۔

بیع الاستجرار کی اقسام

بنیادی طور پر بیع الاستجرار کی دو اقسام ہیں:-

۱-ثمن مؤخر کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا (یعنی اشیاء خریدنے کے بعد اکٹھی ادائیگی کرنا)۔

۲-مبلغ مقدم کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا (یعنی اشیاء خریدنے سے پہلے ادائیگی کرنا)۔

---

(۱) معجم لغة الفقهاء، قلعه جی (محمد رواس قلعه جی) کراتشی، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة ص: ۵۹.

ثمنِ مؤخر کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا

اس کی صورت یہ ہے کہ خریدار دکاندار سے اشیاء لیتا رہتا ہے اور آخر میں حساب کر کے ادائیگی کر دیتا ہے۔ چنانچہ علامہ حصکفیؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ما يستجره الإنسان من البائع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها.[1]

ترجمہ:- (بیع الاستجرار بثمن مؤخر یہ ہے کہ) جس میں انسان دکاندار سے چیزیں اس طور پر لیتا رہتا ہے کہ ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے ثمن کے حساب سے تصفیہ کر لے گا۔

گویا دکاندار سے یہ بات طے ہوتی ہے کہ خریدار ضرورت پڑنے پر اشیاء لیتا رہے گا چنانچہ جب بھی خریدار کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے وہ خود یا کسی کو بھیج کر دکان سے وہ چیز منگوالیتا ہے۔ دکاندار قیمت کا ذکر کئے بغیر وہ چیز اسے دے دیتا ہے اور اس وقت باقاعدہ ایجاب وقبول بھی نہیں ہوتا، خریدار ان اشیاء کو استعمال کرتا رہتا ہے اور پھر مہینے کے اختتام پر حساب کر کے یکمشت ادائیگی کر دیتا ہے۔

مبلغ مقدم کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا

دُوسری صورت یہ ہے کہ خریدار پہلے ہی کچھ رقم دکاندار کے پاس رکھوا دیتا ہے اور پھر دکاندار سے مختلف اوقات میں اشیاء لیتا رہتا ہے اور پھر مہینے یا کچھ مدت کے آخر میں حساب کر لیا جاتا ہے۔ اس صورت کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم لکھتے ہیں:-

وأما النوع الثاني من الاستجرار، فهو أن المشتري يدفع إلى البائع مبلغًا مقدمًا ثم يستجر منه الأشياء وتقع المحاسبة بعد أخذ مجموعة من الأشياء في نهاية الشهر أو في نهاية السنة مثلاً.[1]

---

(۱) الدر المختار للحصكفي مع رد المحتار (۴/۵۱۶).

(۲) بحوث في قضايا فقهية معاصرة ص: ۶۸۱.

پھر ان میں سے ہر ایک کی تین اقسام ہیں:-

۱- پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار جب کوئی چیز دکاندار سے لیتا ہے تو دکاندار اس کی قیمت بتلا دیتا ہے، خریدار اسکی قیمت جاننے کے بعد وہ چیز لیتا ہے اور پھر آخر میں لی گئی تمام اشیاء کا حساب کر کے ادائیگی کی جاتی ہے۔

۲- دُوسری صورت یہ ہے کہ دکاندار اس چیز کی قیمت تو بیان نہیں کرتا البتہ وہ چیز ایسی ہے کہ اس کی بازاری قیمت متعین اور منضبط ہوتی ہے اور متعاقدین کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بیع بازاری قیمت پر ہورہی ہے جیسا کہ اخبار فروش ہر روز اخبار پھینک کر جاتا ہے، وہ ہر روز اس کی قیمت نہیں لیتا لیکن اس کی قیمت متعین ہوتی ہے اور دونوں کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بیع بازاری قیمت پر ہورہی ہے۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت بھی نہیں بتائی جاتی اور اس کی قیمت متعین اور منضبط بھی نہیں ہوتی بلکہ بدلتی رہتی ہے جیسے پھلوں اور سبزیوں وغیرہ کی قیمت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔

بیع الاستجرار کے بارے میں فقہائے کرام کی آراء

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے اس لئے کہ اس میں ہر مرتبہ ایک ایسی قیمت پر بیع ہوتی ہے جس کا خریدار اور دکاندار میں سے ہر ایک کو علم ہوتا ہے لہٰذا اس میں ثمن مجہول ہونے کی خرابی نہیں پائی جاتی۔

دوسری صورت میں چونکہ بیچی جانے والی چیز کی بازاری قیمت متعین ہوتی ہے، اس لئے اس میں ثمن کی جہالت تو نہیں البتہ لیتے دیتے وقت باقاعدہ زبان سے ایجاب وقبول نہیں ہوتا، اس لئے یہ "بیع التعاطی"(۱) کے حکم میں آتی ہے۔ حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کے ہاں تمام اشیاء میں اور شافعیہ کے راجح قول کے مطابق کم قیمت اشیاء میں بیع التعاطی جائز

---

(۱) بیع التعاطی اس بیع کو کہتے ہیں جس میں خریدار اور فروخت کنندہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک زبان سے کچھ نہیں بولتا بلکہ خریدار قیمت دے کر مطلوبہ چیز اُٹھالیتا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے: المجموع شرح المھذب ۹/۱۶۲)

ہے۔[1] لہٰذا بیع الاستجرار کی یہ صورت بھی جائز ہے۔

جہاں تک تیسری صورت کا تعلق ہے تو اس میں اشیاء لیتے وقت بھی قیمت بیان نہیں ہوتی اور نہ ہی ان اشیاء کی کوئی منضبط قیمت ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں فقہی قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اسے جائز قرار نہ دیا جائے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ جب فروخت کنندہ سے خریدار اشیاء لیتا رہا تو ہر چیز کے لیتے وقت اس کی بیع ہوتی رہی تو یہ درست نہیں کیونکہ اس وقت خریدار کے اعتبار سے اس چیز کے ثمن مجہول تھے اور مجہول الثمن اشیاء کی خرید وفروخت جائز نہیں اور اگر یوں کہا جائے کہ جب ان چیزوں کا حساب کیا گیا تو اس وقت بیع منعقد ہوئی تو بھی شرعی اعتبار سے یہ معاملہ جائز نہیں رہتا کیونکہ حساب کے وقت تو خریدی گئی اشیاء استعمال ہوکر ختم ہو چکی تھیں تو اب ان کی بیع کرنا گویا معدوم اشیاء کی بیع کرنا ہے جو کہ جائز نہیں۔ نیز اس صورت میں ایک اور خرابی بھی لازم آتی ہے وہ یہ کہ خریدار نے اشیاء خریدنے سے پہلے انہیں استعمال کر کے ختم کر دیا گویا اس نے غیر مملوکہ اشیاء میں تصرف کیا۔

چونکہ اس کا جواز کسی فقہی ضابطے کے تحت نہیں آتا، اس لئے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہیں چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

ولا بأس أن يضع الرجل درهمًا ثم يأخذ منه بربع أو بثلث أو بكسر معلوم سلعة معلومة، فإذا لم يكن في ذٰلك سعر معلوم وقال الرجل: آخذ منك بسعر كل يوم فهٰذا لا يحل لأنّه غرر يقل مرة ويكثر مرة ولم يفترقا علىٰ بيع معلوم.[2]

---

(۱) الهداية مع فتح القدير (۴۵۹/۵).
......مواهب الجليل (۲۲۹/۴).
......شرح الزرقاني (۲۹۰/۱)
......المجموع شرح المهذب (۱۲۶/۹)
......الإنصاف للمرداوي (۲۶۳/۴).
......الفروع لابن مفلح (۱۰۷/۴).
(۲) كتاب المؤطا ص: ۹۰.

ترجمہ:- اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص کسی کے پاس ایک درہم رکھے پھر اس درہم کی ایک چوتھائی، ایک تہائی یا اس کے کسی متعین حصے کے بدلے کوئی متعین چیز خریدے لیکن اگر اس کا بھاؤ معلوم نہ ہو اور خریدار یوں کہے کہ ہر روز جو بازاری قیمت ہوگی، میں اس پر اشیاء خریدوں گا تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں غرر ہے اور یہ غرر کبھی کم ہوگا اور کبھی زیادہ کیونکہ قیمت گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے، نیز ان کی علیحدگی کسی متعین بیع پر نہیں ہوئی (بلکہ قیمت کے تعین کے بغیر جدائی واقع ہوگئی ہے)۔

مذکورہ عبارت میں اگرچہ صرف اس صورت کا حکم مذکور ہے جب رقم پہلے جمع کرائی جائے لیکن چونکہ ممانعت کی علت جہالتِ ثمن اور غرر ذکر کی گئی جو کہ اس صورت کو شامل ہے جب رقم بعد میں دی جائے لہٰذا یہ دونوں صورتیں مالکیہ کے ہاں ناجائز ہیں۔

اسی طرح اکثر فقہائے شافعیہ بھی اس بیع کو ناجائز کہتے ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

فأمّا إذا أخذ منه شيئًا ولم يعطه شيئًا ولم يتلفظاه بيعا، بل نويا أخذه بالثمن المعتاد كما يفعله كثير من الناس فهٰذا باطل بلا خلاف، لأنّه ليس بيع لفظي ولا معاطاة ولا يعدّ بيعًا فهو باطل وليعلم هٰذا وليتحرز منه ولا تغتر بكثرة من يفعله فإن كثيرًا من الناس يأخذ الحوائج من البياع مرّة بعد مرّةٍ من غير مبايعةٍ ولا معاطاةٍ، ثم بعد مدّةٍ يحاسبه ويعطيه العوض هٰذا باطل بلا خلاف لما ذكرناه.[1]

ترجمہ:- اگر خریدار نے فروخت کنندہ سے کوئی چیز لی اور اسے اس کے بدلے کچھ نہ دیا اور نہ ہی زبان سے بیع کا تلفظ کیا بلکہ دل میں یہ نیت

---

(۱) المجموع شرح المهذب (۹/۱۶۳)۔

کر لی کہ وہ اس کی بازاری قیمت ادا کرے گا جیسا کہ اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں تو یہ بالاتفاق باطل ہے اس لئے کہ نہ یہ لفظاً بیع ہوئی ہے اور نہ یہ بیع التعاطی ہے اور نہ اسے بیع شمار کیا جاتا ہے لہٰذا یہ باطل ہے، یہ حقیقت جاننے کے بعد اس سے بچنا ضروری ہے۔ لوگوں کے کثرتِ معاملہ کو دیکھ کر دھوکے میں نہ پڑو اس لئے کہ بہت سے لوگ دکانداروں سے مختلف اوقات میں اشیاء لیتے ہیں حالانکہ لیتے وقت نہ زبان سے بیع کرتے ہیں اور نہ ہی بیع التعاطی ہوتی ہے پھر ایک مدّت کے بعد حساب کر کے اس کا معاوضہ دیتے ہیں، یہ بیع بالاتفاق ناجائز ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

اگرچہ مذکورہ عبارت میں امام نوویؒ نے اسے بالاتفاق ناجائز کہا ہے تاہم شافعیہ میں سے امام غزالیؒ نے اس کی گنجائش دی ہے۔

چنانچہ علامہ رملیؒ لکھتے ہیں:-

أمّا الإستجرار من بياع فباطل اتفاقًا أى حيث لم يقدر الثمن كل مرة على أن الغزالي سامح فيه أيضًا بناءً على جواز المعاطاة.[1]

ترجمہ:- دکانداروں سے استجرار کے طور پر معاملہ کرنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ ہر مرتبہ ثمن مقرر نہیں کئے جاتے البتہ امام غزالیؒ نے بیع التعاطی پر قیاس کرتے ہوئے اس کی گنجائش دی ہے۔

حنابلہ کے ہاں جواز اور عدمِ جواز دونوں قسم کی روایات ہیں، البتہ راجح یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے جواز کی روایت ملاحظہ ہو:-

سمعت أحمد سئل عن الرجل يبعث إلى البقال، فيأخذ منه شيئًا بعد شيء، ثم يحاسبه بعد ذلك. قال أرجو أن لا يكون

---

(۱) نهاية المحتاج، الرملي (شمس الدين محمد بن ابى العباس احمد بن حمزة بن شهاب الدين الرملي المتوفى ۱۰۰۴ھ) بيروت، دار إحياء التراث العربى (۳/۳۶۴).

بذلک بأس.[1]

ترجمہ:- میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص سبزی فروش سے مختلف اوقات میں سبزی لیتا رہتا ہے اور پھر آخر میں اس کا حساب کرلیتا ہے۔ فرمایا: اُمید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حنفیہ نے استحساناً اس بیع کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:-

ما یستجره الإنسان من البیاع إذا حاسبه علی أثمانها بعد استهلاکها جاز استحساناً.[2]

ترجمہ:- آدمی جو دکاندار سے مختلف اوقات میں چیزیں لیتا رہتا ہے اور پھر ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے ثمن کے بدلے حساب کرتا ہے، یہ بیع استحساناً جائز ہے۔

البتہ اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ اس بیع کے جواز کے لئے وجہ استحسان کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم کی رائے ہے کہ یہ بیع المعدوم ہے جو کہ استحساناً یہاں جائز قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

ومما تسامحوا فیه وأخرجوه عن هذه القاعدة ما فی القنیة: الأشیاء التی تؤخذ من البیاع علی وجه الخرج کما هو العادة من غیر بیع کالعدس والملح والزیت ونحوها ثم اشتراها بعد ما انعدمت صح اهـ فیجوز بیع المعدوم ههنا.[3]

ترجمہ:- اور جن معاملات کے بارے میں فقہاء نے تسامح کیا ہے اور

---

(۱) موسوعة جمال عبدالناصر، المجلس الأعلیٰ للشئون الإسلامیة، القاهرة، ۱۳۹۰ھـ (۳۰۵/۵) معزیًا إلی النکت والفوائد السنیة لابن مفلح.

(۲) الدر المختار مع ردّ المحتار (۵۱۶/۴).

(۳) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ابن نجیم (زین الدین بن إبراهیم بن محمد المعروف بابن نجیم المتوفی ۹۷۰ هـ) بیروت، دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۸ هـ-۱۹۹۷م (۳۳۳/۵).

قنیہ کے بیان کردہ قواعد سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، ان میں یہ صورت بھی ہے کہ لوگ دکاندار سے اشیاء لیتے رہتے ہیں اور ان کی کوئی بیع نہیں کرتے جیسے لہسن، نمک اور زیتون وغیرہ پھر جب وہ استعمال ہو کر ختم ہو جاتی ہیں تو انہیں خریدتے ہیں۔ اس طرح گویا یہ معدوم چیز کی بیع ہوئی لیکن معدوم چیز کی بیع یہاں جائز ہے۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ دراصل بیع نہیں بلکہ مالک کی اجازت سے اس کی تلف شدہ اشیاء کا ضمان ادا کرنا ہے اور دفعِ حرج کے لئے اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ ردّالمحتار میں ہے:

وقال بعض الفضلاء: ليس هذا بيع معدوم إنما هو من باب ضمان المتلفات بإذن مالكها عرفا تسهيلا للأمر ودفعا للحرج كما هو العادة.[1]

ترجمہ:۔ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ معدوم چیز کی بیع نہیں بلکہ مالک کی اجازت سے اس کی تلف شدہ اشیاء کا ضمان ادا کرنا ہے، اس کا جواز عرف کی وجہ سے معاملے میں آسانی پیدا کرنے اور حرج کو دور کرنے پر مبنی ہے جیسا کہ فقہاء دیگر معاملات آسانی پیدا کرنے کے لئے جواز کا حکم دیتے ہیں۔

اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ اشیاء لینے والا شخص شروع میں دکاندار سے قرض لیتا ہے اور پھر جب انہیں استعمال کر کے ہلاک کر دیتا ہے تو تصفیہ کے وقت اس کی قیمت کا ضمان ادا کرتا ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قرض تو صرف مثلیات میں لیا جا سکتا ہے، قیمیات[2] میں قرض لینا حنفیہ کے ہاں جائز نہیں جبکہ بیع الاستجرار میں قیمیات کے خریدنے کی

---

(۱) ردّ المحتار (۵۱۶/۴).

(۲) مثلیات اور قیمیات کی وضاحت بیع الدین کے تحت ہو چکی ہے۔

بھی ضرورت پیش آتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں استحساناً قیمیات کے قرض کو بھی جائز قرار دیا گیا جیسا کہ ہم روٹی اور خمیرہ کے قرض کو استحساناً جائز کہتے ہیں حالانکہ وہ قیمیات میں سے ہیں۔[1]

علامہ ابنِ عابدین فرماتے ہیں کہ اسے "هبه بشرط العوض" یا "مقبوض على سوم الشراء" قرار دیا جاسکتا ہے۔[2] "هبه بشرط العوض" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دکاندار نے یہ چیزیں خریدار کو ہدیہ کے طور پر اس شرط کے ساتھ دے دیں کہ خریدار ان کا معاوضہ ادا کرے گا۔ اور "مقبوض على سوم الشراء" کا مطلب یہ ہوگا کہ خریدار کا ان چیزوں پر قبضہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ جس قیمت پر انہیں خرید رہا ہے، وہ بعد میں ادا کرے گا۔

خلاصہ یہ کہ بیان کردہ توجیہات میں سے کوئی بھی توجیہ بے غبار نہیں بلکہ ہر ایک پر کوئی نہ کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے چنانچہ پروفیسر الصدیق محمد امین الضریر ان توجیہات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

> **وقد اعترض علىٰ جميع هذه التخريجات، والمسألة علىٰ حال ليست قياسية عندهم وإنّما جازت استحساناً.**[3]
>
> ترجمہ:- ان تمام تخریجات پر کوئی نہ کوئی اعتراض ہوا ہے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں یہ مسئلہ قیاس سے ثابت نہیں بلکہ اس کا جواز خلاف قیاس ہے۔

---

(۱) بحوث في قضايا فقهية معاصرة، العثماني (مولانا محمد تقي العثماني ۱۹۴۳م) دمشق دار القلم، ۱۴۱۹هـ-۱۹۹۸م ص:۲۶: ويستشكل على هذا بأن القرض إنما يصح في المثليات فقط، ولا يجوز اقتراض القيمات عند الحنفية مع أن الإستجرار ربما يجرى في ذوات القيم. فأجابوا عنه بأن الإستجرار يستثنى من عدم جواز اقتراض القيميات استحساناً كما أجيز الاقتراض في الخبز والخميرة مع أنها من ذوات القيم.

(۲) رد المحتار مع الدر المختار (۵۱۶/۴) ويمكن تخريجه على الهبة بشرط العوض أو على سوم الشراء.

(۳) الغرر وأثره في العقود ص:۲۸۰.

لیکن مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی رائے یہ ہے کہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کی بیان کردہ تخریج راجح ہے، وہ یہ کہ ان چیزوں کی بیع حساب کرتے وقت منعقد ہونا صحیح ہے جبکہ ان کو لیتے ہوئے دونوں فریق اجمالی قیمت پر راضی ہوجائیں البتہ اس پر جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ یہ معدوم چیز کی بیع نہیں بلکہ یہ اس چیز کی بیع ہے جسے خریدار نے مکمل طور پر استعمال کر کے ختم کردیا۔ معدوم چیز کی بیع اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں غرر ہوتا ہے کیونکہ بسااوقات بائع وہ چیز خریدار کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہوتا جبکہ یہاں کوئی غرر نہیں اس لئے کہ بائع یہ چیز عملی طور پر خریدار کے حوالے کرچکا ہے، یہ چیز خریدار کے پاس رہی اور اس نے اسے خوب استعمال کیا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگئی تو حساب کرتے وقت یوں سمجھا جائے گا کہ یہ چیز تقدیراً موجود ہے، لہٰذا یہ بیع صحیح ہوجائے گی۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ جب یہ مانا جائے کہ یہ بیع حساب اور تصفیہ کے وقت منعقد ہوئی تو اس سے پہلے خریدار کا ان چیزوں کا استعمال کرنا غیر مملوکہ اشیاء کا استعمال ہے تو اس کے جواب میں موصوف فرماتے ہیں کہ جب تصفیہ کے وقت بیع منعقد ہوگئی تو اسے اس وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا جس وقت خریدار نے ان کو لیا اور پھر یوں سمجھا جائے گا کہ گویا خریدار نے ان چیزوں کو استعمال کیا جن کا وہ بیع کے ذریعے مالک بن چکا تھا اور اس کی مثال ''غصب میں ضمان ادا کرنے'' کی ہے جب غاصب کوئی چیز غصب کر کے اس کا ضمان ادا کرے تو پھر غصب کرنے کے وقت سے اس چیز کا مالک قرار دیا جاتا ہے اور ضمان ادا کرنے کے بعد اس کے اس سے پہلے کئے گئے ہوئے تصرفات بھی صحیح ہوجاتے ہیں تو یہاں بھی جب بیع منعقد ہوگئی تو اسے اشیاء لینے کی طرف منسوب کرکے اس کے پہلے والے تصرفات کو جائز کہا جائے گا اور چونکہ بیع الاستجرار میں خریدار فروخت کنندہ کی مرضی اور رضامندی سے یہ اشیاء لیتا ہے اس لئے ان کے لینے کی وجہ سے وہ گنہگار بھی نہ ہوگا جیسا

کہ غاصب گنہگار ہوتا ہے۔[1]

بیع الاستجرار میں رکھوائی گئی ایڈوانس رقم کی شرعی حیثیت

بیع الاستجرار کی بنیادی اقسام کے ذیل میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ استجرار کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ سامان کی قیمت بعد میں دی جائے اور دوسری قسم یہ ہے کہ کچھ رقم پہلے ہی دکاندار کے پاس رکھوائی جائے۔ جو رقم بعد میں دی جاتی ہے اس کا حکم تو واضح ہے کہ وہ سامان کی قیمت ہے البتہ یہ بات قابل تحقیق ہے کہ ایڈوانس کے طور پر شروع میں جمع کرائی گئی رقم کی کیا حیثیت ہے؟

فقہی طور پر اس رقم کے بارے میں تین احتمالات ہو سکتے ہیں:-

۱-ثمن مقدم ہو۔

۲-فروخت کنندہ کے ہاتھ میں امانت ہو۔

۳- فروخت کنندہ کے پاس خریدار کا قرض ہو۔

اگر اسے ثمنِ مقدم قرار دیا جائے تو اس کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

---

(۱) بحوث في قضايا فقهية معاصرة ص: ۶۶، ۶۷: والذي يظهر لهذا العبد الضعيف، عفا الله عنه، أن التخريج الأول هو الراجح وهو أن المعاملة تصح بيعا عند تصفية الحساب إذا تفرق الفريقان على الثمن الاجمالي للمأخوذات. وأما الإستشكال بكونه بيع المعدوم فالأحسن في جوابه أن يقال: انه ليس بيعا للمعدوم بل هو بيع لما استهلكه المشترى وانتفع به انتفاعا تاما. وبيع المعدوم إنما يحرم من جهة أنه يتضمن الغرر فربما لا يقدر البائع على تسليمه إلى المشترى ولا غرر ههنا لأن البائع سلم المبيع إلى المشترى فعلا، فالمبيع كان موجوذا عند المشترى، وانتفع به المشترى حتى استهلكه، فيعتبر عند التصفية كالموجود تقديرًا فيصح بيعه. ..... أما استشكاله بأن تصرف المشترى في تلك الأشياء وقع قبل القبض في غير ملكه، فالأحسن في جوابه أن يقال: أن البيع حينما وقع العقد عند التصفية صريحا، فإنه يسند إلى وقت الأخذ تقديرًا، ويعتبر كأنه تصرف فيما ملكه بالبيع وهذا كما يقع في ضمان المغصوبات، فإن تصرف الغاصب فيما غصب غير صحيح ولكنه إذا أدى ضمان المغصوب، فتنقلب جميع تصرفاته فيه صحيحة بعد الضمان على ما هو الراجح وأما إذا أحل له المغصوب منه تصرفه فلا خلاف في أن جميع تصرفاته تنقلب صحيحة جائزة بعد أداء الضمان. فإن الغصب بعد أداء الضمان من حين غصبه فالأخذ في الإستجرار أولى لأنه أخذ بإذن صاحبه فلا يأثم بالأخذ أيضا كما يأثم الغاصب.

پہلی شرط یہ ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت مبیع کی جنس، وصف اور اس کی مقدار وغیرہ معلوم ہو اس لئے کہ یہ قیمت تب بنے گی جب اشیاء کے لینے دینے کے معاملات کو بیع قرار دیا جائے اور بیع قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ مبیع کی جنس، وصف اور مقدار معلوم ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع ان اشیاء میں سے ہو جن میں بیع سلم یا استصناع ہو سکتی ہو اور عقد کے اندر بھی ان شرائط کا لحاظ رکھا گیا ہو جو عقدِ سلم یا استصناع کے جواز کے لئے ضروری ہیں کیونکہ ثمنِ مقدم کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ صرف بیع سلم اور استصناع ہی میں ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی ان شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''بیع الاستجرار'' میں مذکورہ دونوں شرائط موجود نہیں ہوتیں اس لئے کہ جب خریدار فروخت کنندہ کو رقم دیتا ہے کہ تو بسا اوقات اسے خود یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اس رقم سے مختلف اوقات میں کیا کیا چیزیں خریدے گا۔ اور اگر اسے معلوم بھی ہو کہ میں فلاں فلاں اشیاء خریدوں گا پھر بھی اس کے لئے ان چیزوں کا وصف، مقدار اور اس کا وقت بتانا ممکن نہیں ہوتا اس لئے اس میں بیع سلم کی شرائط نہیں پائی جاتیں اور بسا اوقات وہ ایسی چیزیں نہیں ہوتیں کہ جن کے بنوانے کی ضرورت ہو لہٰذا اس میں ''استصناع'' بھی متحقق نہیں ہوتا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسے امانت قرار دیا جائے اور یوں سمجھا جائے کہ جب بھی خریدار کوئی چیز لے گا تو امانت کا جو حصہ اس چیز کی قیمت کے برابر ہوگا، وہ ثمن بن جائے گا اور باقی رقم فروخت کنندہ کے پاس امانت رہے گی لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ امانت قرار دینے کی صورت میں بائع کے لئے اس رقم کو ذاتی استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ امانت میں تصرف کرنا شرعاً جائز نہیں جب کہ مشاہدہ یہ ہے کہ بائع اس رقم کو ذاتی استعمال میں لاتا رہتا ہے اور اسے اس کے استعمال سے روکنا بہت سی مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنتا ہے کیونکہ عملاً اس کے لئے اس پر عمل کرنا محال ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس رقم کو قرض قرار دیا جائے۔ اس صورت میں بائع کے لئے اس رقم کو استعمال کرنا تو جائز ہوگا البتہ اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ یہ ایک ایسا

قرض ہے جس کے ساتھ آئندہ ہونے والی بیع مشروط ہے اور یہ ایک ایسی شرط ہے جو عقد قرض کے خلاف ہے اس لئے کہ قرض محض تبرع اور صلہ رحمی کے طور پر دیا جاتا ہے جبکہ یہاں قرض کے ساتھ بیع کا معاملہ مشروط ہے لہٰذا یہ صورت بھی ناجائز ہونی چاہئے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ بالا تینوں صورتیں جائز نہیں تو کیا پھر ایڈوانس کے طور پر کچھ رقم رکھوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کسی شرعی قاعدے کے تحت اس کا جواز ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علم الفقہ کی روایتی کتب خاموش نظر آتی ہیں البتہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی رائے یہ ہے کہ اس رقم کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ یہ رقم ''علی الحساب'' (On Account Basis) ہے اور جو رقم ''علی الحساب'' دی جاتی ہے، اگرچہ فقہی اعتبار سے وہ قرض ہی ہوتی ہے چنانچہ جس شخص کو وہ رقم دی جاتی ہے وہ اسے ذاتی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ایک ایسا قرض ہے کہ اس میں آئندہ ہونے والی بیع کی شرط لگانا درست ہے اس لئے کہ یہ ''متعارف شرط'' ہے اور جو رقم ''علی الحساب'' دی جاتی ہے اس کا مقصد بھی قرض دینا نہیں ہوتا بلکہ آئندہ ہونے والی بیع کے وقت عائد ہونے والے ثمن سے خریدار کے ذمہ کو فارغ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ خریدار کے لئے اپنی ضروریات کا سامان خریدنا آسان ہو جائے اور ہر مرتبہ خریداری کے وقت اسے رقم ادا کرنے کی ضرورت نہ پڑے لہٰذا یہ ایک ایسا قرض ہوا جس کے اندر بیع کی شرط لگانا متعارف ہے اور ایسی شرط جو متعارف ہو جائے وہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہوتی ہے اگرچہ وہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو جیسے اس شرط کے ساتھ جوتا خریدنا کہ بائع اسے تسمہ لگا کر برابر کر کے دے گا۔[1]

اس تفصیل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ایڈوانس رقم رکھوانا شرعاً جائز ہے۔

---

(۱) بحوث فی قضایا فقهية معاصرة ص: ۷۰: والذی یظهر لی أنّ هذا المبلغ دفعة تحت الحساب وهی، وإن کانت قرضًا فی الاصطلاح الفقهی، من حیث أنّه یجوز للمدفوع له أن یصرفها فی حوائج نفسه، ومن حیث کونها مضمونة علیه ولٰکنها قرض یجوز فیه شرط البیع اللاحق لکونه شرطًا متعارفًا، فإن الدفعات تحت الحساب لا یقصد بها الأقراض وإنما یقصد به تفریغ ذمة المشتری عن اداء الثمن عند البیع اللاحق وأن یتیسر له شراء الحاجات دون أن یتکلف نقد الثمن فی کل مرّة. فهذا قرض تعورف فیه شرط البیع والشرط کلما کان متعارفًا فإنّه یجوز عند الحنفیة إن کان مخالفًا لمقتضی العقد کما فی شراء النعل بشرط أن یحذوه البائع.

تعیینِ قیمت کا فارمولہ

(Bench mark)

ثمن میں جہالت کے اعتبار سے پائے جانے والے غرر کی چوتھی مشہور صورت ''تعیین قیمت کا فارمولہ'' ہے۔

بہت سے اسلامی مالیاتی ادارے اور بینک مرابحہ کے اندر نفع کی تعیین کے لئے اور اجارہ کے اندر کرائے کی تعیین کے لئے کوئی نہ کوئی معیار مقرر کرتے ہیں۔ جو چیز بطور معیار مقرر کی جاتی ہے اسے (Bench mark) کہا جاتا ہے۔ عام طور پر بینکوں کے باہمی شرحِ سود کو بطور Bench mark استعمال کیا جاتا ہے۔

بینکوں کی باہمی شرحِ سود کا پسِ منظر یہ ہے کہ عام طور پر مختلف بینک ایک جیسے حالات میں نہیں چل رہے ہوتے۔ بعض بینک ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ضرورت سے زائد نقد رقم ہوتی ہے اور کچھ بینکوں کے پاس قرضہ دینے کے لئے رقم کم ہوتی ہے۔ اس طرح بینکوں کی باہمی مارکیٹ وجود میں آتی ہے۔ قرض دینے والے بینک کسی دوسرے بینک کو مخصوص مدت کے لئے قرضہ دینے پر جو شرحِ سود عائد کرتے ہیں اسے (Inter-Bank offered rate) کہا جاتا ہے یعنی بینکوں کے باہمی معاملات میں پیش کیا گیا شرحِ سود۔ اس کا مخفف (IBOR) ہے۔ مختلف ملکوں اور شہروں کے بینکوں کی باہمی شرحِ سود کے نام مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً سعودی عرب کے بینکوں کی باہمی شرحِ سود کا نام سائبور (SIBOR) یعنی (SAUDIA INTER - BANK OFFERED RATE)، لندن کے بینکوں کی باہمی شرح سود لائبور (LIBOR) یعنی (LONDN INTER - BANK OFFERED RATE) کہلاتی ہے۔ اور کراچی کے بینک جس شرح سود پر تبادلہ کرتے ہیں، اسے کائبور (KIBOR) یعنی (KARACHI INTER - BANK OFFERED RATE) کہا جاتا ہے۔

مرابحہ کے ذریعے تمویل کرنے والے بہت سے ادارے اپنے نفع کا تعین کسی

(Bench mark) کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ پاکستان میں عام طور پر اس مقصد کے لئے (Kibor) کو بطور معیار استعمال کیا جاتا ہے مثلاً اگر کا ئبور چھ فیصد ہے تو بینک کا نفع بھی چھ فیصد ہوگا یا اس سے کچھ کم و بیش بھی مقرر کرلیا جاتا ہے جیسے کائبور + 3 وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب بینک اور خریدار کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ عملی طور پر وجود میں آئیگا تو اس وقت کائبور کی جو شرح ہوگی، اس کے علاوہ مزید تین فیصد کے حساب سے نفع مقرر کیا جائیگا۔ اسی طرح اجارہ کی تمویل میں بھی بہت سے ادارے اجارے پر دی گئی چیز (Leased Asset) کے کرائے کا تعین کسی (Bench mark) کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کسی شرح سود کو Benchmark بنانے سے بیچی گئی چیز (Subject Matter) کی قیمت متعین ہوجاتی ہے یا نہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شرح سود کو Benchmark بنانے کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں۔ جن میں سے ایک کے اندر قیمت متعین اور معلوم ہوتی ہے جبکہ دوسری صورت میں قیمت مبہم رہتی ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ جس شرح سود کو بطور معیار (Benchmark) استعمال کیا جارہا ہے، عقد کے وقت اس کی شرح معلوم کرکے اس کے حساب سے نفع کا مدار رکھا جائے مثلاً دس ستمبر کو بینک اور گاہک دس من کپاس (Cotton) کی خرید وفروخت کا معاملہ کرتے ہیں تو بینک اگر کسی شرح سود مثلاً کائبور کی بنیاد پر نفع لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسی روز یعنی دس ستمبر کو کائبور کی شرح معلوم کرکے اس کے حساب سے قیمت متعین کرے مثلاً بینک نے یہ کپاس پانچ لاکھ میں خریدی اور دس ستمبر کو جب اس بیچ کی تو اس روز کائبور کی شرح دس فیصد (10%) تھی تو بینک قیمتِ خرید پر دس فیصد نفع رکھ کر خریدار کو ساڑھے پانچ لاکھ میں فروخت کردے۔ اس صورت میں قیمت متعین اور معلوم ہے۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ بینک خریدار سے کہے کہ ہم نے یہ سامان جس کی قیمت پانچ لاکھ ہے آپ کو ابھی کائبور کی شرح سود پر اس طرح فروخت کیا کہ جب آپ اس کی

قیمت کی ادائیگی کریں گے تو اس وقت کا ئبور کی جو شرح ہو گی اتنے فی صد نفع رکھ کر ادائیگی کرنا ہو گی۔ یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں عقد کے وقت سامان کی قیمتِ فروخت مبہم ہے۔

المعایير الشرعية (Sharia Standard) میں ہے:-

یجب أن یکون ثمن السلعة في بیع المرابحة للآمر بالشراء وربحها محددًا معلومًا عند التوقیع علیٰ عقد البیع لنفي الجهالة والغرر المفضیین إلی النزاع. ولا یجوز بأیة حال أن یترک تحدید الثمن أو الربح لمتغیرات مجهولة أو قابلة للتحدید في المستقبل وذٰلک أن یجعل الربح علیٰ مستوی اللیبور (LIBOR) الذي سیقع في المستقبل۔[1]

ترجمہ:- مرابحة للآمر بالشراء میں بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سامان کی قیمت اور اس کا نفع متعین اور فریقین کو معلوم ہو تاکہ ایسی جہالت اور غرر کی خرابی لازم نہ آئے جو مفضی الی النزاع ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی حال میں بھی سامان کی قیمت یا اس کے نفع کی تعیین کو مجہول یا مستقبل میں بدلنے والی شرح کے ساتھ منسلک نہ کیا جائے مثلاً اس طرح بیع کی جائے کہ اس میں مبیع کا نفع لائبور کی اس شرح پر مبنی ہو گا جو مستقبل میں واقع ہو گی۔

لیکن اگر فوری عقد نہ کیا جائے بلکہ بینک خریدار سے یہ وعدہ کرے کہ وہ جب بینک کے پاس کوئی چیز خریدنے آئیگا تو بینک اس وقت لائبور کی شرح کے حساب سے نفع مقرر کر کے وہ چیز فروخت کرے گا اور جب عملی طور پر معاملہ کا وقت آئے تو اس وقت لائبور کی شرح معلوم کر کے کم سَم نفع طے کر کے سامان فروخت کیا جائے تو یہ صورت جائز ہے کیونکہ اس میں پہلی صورت کی طرح جہالت باقی نہیں رہتی۔ البتہ اس میں عقد سے پہلے

---

(۱) المعایير الشرعية ص: ۱۲۴۔

وعدہ کرنے کا ذکر ہے لیکن چونکہ وعدہ بیع کے حکم میں نہیں اس لئے محض وعدہ کے وقت پائے جانے والی جہالت سے عقد فاسد نہ ہوگا۔

مروّجہ شرح سود کو نفع کے لئے معیار مقرّر کرنے کی جس صورت میں ثمن میں جہالت باقی رہتی ہے ظاہر ہے کہ وہ صورت ناجائز ہے کیونکہ اس میں ثمن میں جہالت کے اعتبار سے غرر کی خرابی پائی جاتی ہے لیکن جس صورت میں جہالتختم ہوجاتی ہے اس کے شرعی حکم کے بارے میں علماء معاصرین کے درمیان اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ جونکہ اس میں نفع شرح سود کی بنیاد پر مقرر کیا گیا ہے، اس لئے یہ عقد (Contract) ناجائز ہونا چاہئے۔ لیکن جمہور معاصرین کی رائے یہ ہے کہ چونکہ اب ثمن میں جہالت باقی نہیں رہی اس لئے یہ صورت فی نفسہ جائز ہے تاہم چونکہ اس میں نفع کے تعین کے لئے سود کی شرح کو کسی درجے میں استعمال کیا گیا ہے جس سے یہ معاملہ ظاہری طور پر سودی قرضے کے مشابہ بن جاتا ہے اس لئے اس سے بچنا بہتر ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:-

No doubt, the use of the rate of interest for determining a halal profit can not be considered desirable.It certainly makes the transaction resemble an interst-based financing, at least in appearance, and keeping in view the severity of prohibition of interest, even this appearent resemblance should be avoided as far as possible. But one should not ignore the fact that the most important requirement for validity of Murabahah is that it is a genuine sale with all its ingredients and necessary consequences. If a Murabahah transaction fulfils all the conditions enumerated in this chapter, merely using the interest rate as a benchmark for determining the profit of murabahah does not render the transaction as invalid, haram or prohibited, because the deal itself does not contain interest. The rate of interest has been

used only as an indicator or as a benchmark. In order to explain the point. Let me give an example .A and B are two brothers. A trades in liquor which is totally prohibited in Shari'ah. B eing practicing Muslim dislike the business of A and start the business of softdrinks. but he wants his business to earn as much profit as A earns through trading in liquor, therefore he resolve that he will charge the same rate of profit from his customers as A charges over the sale of liquor. Thus he has tied up his rate of profit with the rate used by a in his prohibited business.One may question the propriety of his approach in determining the rate of his profit, but obviously no one can say that the profit charged by him in his rate of profit of the business of liquor as a benchmark. Similary, so far as tha transaction of murabahah is based on Islamic principles and fulfils all its necessary requirememnts,the rate of profit determined on the basis of the rate of interest will not render the transaction as haram.(1)

ترجمہ:- اس میں کوئی شک نہیں کہ حلال نفع کے تعین کے لئے سود کی شرح کا استعمال پسندیدہ نہیں اور اس سے یہ معاملہ کم از کم ظاہری طور پر سودی قرضے کے مشابہ بن جاتا ہے اور سود کی شدید حرمت کے پیش نظر اس ظاہری مشابہت سے بھی جہاں تک ہو سکے، بچنا چاہئے لیکن اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مرابحہ کے صحیح ہونے کے لئے سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک حقیقی بیع ہو، جس میں بیع کے تمام لوازمات اور نتائج مکمل طور پر پائے جائیں۔ اگر کسی مرابحہ میں وہ تمام شرائط موجود ہیں جو پہلے ذکر کی گئی ہے تو محض نفع کے تعین

(1) An introduction to Islamic Finance, Usmani, (Muhammad Taqi Usmani), Karachi. Idaratual Ma'arif, Edition May. 2000. Page 118. 119.

کے لئے شرح سود کو بطور حوالہ استعمال کرنے سے یہ عقد فاسد نہیں ہوگا اس لئے کے یہ معاملہ سود پر مشتمل نہیں بلکہ شرح سود کو صرف حوالے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

یہ بات ایک مثال سے یوں سمجھی جا سکتی ہے: ''الف'' اور ''ب'' دو بھائی ہیں، ''الف'' شراب کا کاروبار کرتا ہے جو کہ بالکل حرام ہے اور ''ب'' چونکہ ایک باعمل مسلمان ہے اس لئے وہ اس کاروبار کو ناپسند کرتا ہے چنانچہ وہ غیر نشہ آور مشروبات کا کاروبار شروع کرتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ اسے اس کاروبار میں اتنا ہی نفع ہو جتنا کہ اس کا بھائی شراب کے کاروبار سے کماتا ہے اس لئے وہ یہ طے کرتا ہے کہ وہ اپنے گاہکوں سے اس نسبت سے نفع لے گا جس نسبت سے ''الف'' شراب پر لیتا ہے، یہاں پر کوئی شخص اس کے اس عمل کے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے کا سوال تو کرسکتا ہے لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس جائز کاروبار سے حاصل کیا ہوا منافع بھی حرام ہے اس لئے کہ اس نے نفع کو صرف حوالے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اسی طرح اگر مرابحہ اسلامی اُصولوں پر مبنی ہے اور اس کی ضروری شرائط کو پورا کرلیا جاتا ہے تو شرحِ منافع کو مروّجہ شرحِ سود کے حوالے سے طے کرنے سے یہ معاہدہ ناجائز نہیں ہوگا۔

متبادل معیار (Alternative Benchmark)

البتہ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کسی بھی مروّجہ شرح سود کو بطور معیار استعمال کرنا پسندیدہ نہیں، اس لئے اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو چاہیے کہ وہ اپنے اسلامی معیار کو تشکیل دیں جس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اپنی انٹربینک مارکیٹ تشکیل دیں جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو، اس مقصد کے حصول کے لئے ایک مشترکہ شعبہ قائم کیا جا سکتا ہے

جو کہ حقیقی اثاثوں پر مبنی قابل تبادلہ دستاویزات میں سرمایہ کاری کریں جیسے مشارکہ اور اجارہ وغیرہ۔ اگر اس شعبے کے اثاثے حسی اور مادی شکل میں ہوں جیسے کرایہ پر دی گئی جائیداد، سازوسامان اور کاروباری اداروں کے حصص وغیرہ تو اس شعبے کے یونٹس کی خرید وفروخت ان کے اثاثوں کی صافی مالیت (Net Asset Value) کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جسکا تعین وقفے وقفے سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ یونٹ قابل تبادلہ ہوں گے اور انہیں فوری اور وقتی تحویل کے لئے بھی استعمال کیا جاسکے گا۔ اب جن بینکوں کے پاس ضرورت سے زائد سیال سرمایہ (Liquidity) موجود ہوگا تو وہ ان یونٹس کو خرید سکیں گے اور جب انہیں سیال مادے کی دوبارہ ضرورت ہوگی تو اسے فروخت کرسکیں گے۔ اس طریقہ کار سے ایک انٹر بینک مارکیٹ وجود میں آ جائے گی اور یونٹس کی مروجہ قیمت کو مرابحہ میں نفع کے تعین کے لئے استعمال کیا جاسکے گا۔

بابِ پنجم
مبیع کے غیر مقدور التسلیم ہونے کے اعتبار سے غرر

اس فصل میں غرر کی ان صورتوں سے بحث کی جائیگی جو مبیع خریدار کو سپرد کرنے کی حالت میں پائی جاتی ہیں۔ البتہ سب سے پہلے اس بات پر بحث کرنا ضروری ہے کہ کیا شرعاً بیع کے اندر مبیع سپرد کرنے کی قدرت ہونا ضروی ہے یا نہیں تاکہ مختلف مذاہب کی روشنی میں اس باب سے متعلق غرر کی صورتوں پر سیر حاصل بحث کی جاسکے۔

کیا بیع میں مبیع سپرد کرنے کی قدرت ہونا شرط ہے؟

جمہور فقہاء کا مذہب

جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ فروخت کنندہ بیچی جانے والی چیز سپرد کرنے پر قادر ہو لہٰذا بائع اگر مبیع خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہیں تو اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:-

(ولا بيع الطير في الهواء) لأنّه غير مملوك قبل الأخذ وكذا لو أرسله من يده لأنّه غير مقدور التسليم.[1]

ترجمہ:- (اور ہوا میں موجود پرندے کی بیع جائز نہیں) کیونکہ بیچنے والا پکڑنے سے پہلے اس کا مالک نہیں اور اگر وہ مالک ہے لیکن اسے ہوا میں اُڑا دیا تو بھی اسکی بیع جائز نہیں کیونکہ اب بیچنے والا اسے سپرد

---

(۱) الهداية مع فتح القدير والعناية، المرغيناني، (برهان الدين أبو الحسن علي بن أبوبكر المرغيناني) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ١٤١٧ هـ (٦/٥٠).

کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

علامہ باجی رحمہ اللہ علیہ مضامین[1] اور ملاقیح[2] کی بیع کے ناجائز ہونے کو ذکر کرنے کے بعد اس کی عقلی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ووجهه من جهة المعنى ما احتج به من أنه مجهول الصفة متعذر التسليم وأحد من هذه الأمور من يفسد به العقد.[3]

ترجمہ:- اور اس کے ناجائز ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس مبیع کی صفت معلوم نہیں نیز اسے خریدار کے سپرد کرنا متعذر ہے اور ان دونوں وجوہات میں سے ہر ایک وجہ ایسی ہے کہ اس سے عقد فاسد ہوجاتا ہے۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

وشروط المبيع خمسة أن يكون طاهرًا منتفعًا به معلومًا مقدورًا علىٰ تسليمه مملوكًا لمن يقع العقد له.[4]

ترجمہ:- مبیع کے اندر پانچ شرطوں کا ہونا ضروری ہے، وہ چیز پاک ہو، اس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو، معلوم ہو، بیچنے والے شخص کی ملکیت میں ہو اور وہ اسے سپرد کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

علامہ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں:-

إنّ بيع العبد الآبق لا يصحّ سواء علم مكانه أو جهله، وكذٰلك ما في معناه من الجمل الشارد والفرس العائر وشبههما. وبهٰذا قال مالك والشافعي و أبو ثور وابن المنذر وأصحاب الرّأى ..... ولنا ما روى أبو هريرة قال:

---

(۱) نر جانور کا مادہ منویہ۔

(۲) مادہ جانور کا مادہ منویہ۔

(۳) المنتقىٰ شرح الموطأ، الباجي (القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن ايوب بن وارث الباجي ۴۰۳ هـ-۴۹۴هـ) مصر، مطبعة السعادة (۴۲/۵).

(۴) المجموع شرح المهذب (۱۴۹/۹).

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر، رواه مسلم. وهذا بيع غرر ولأنّه غير مقدور علىٰ تسليمه فلم يجز بيعه كالطير في الهواء فإن حصل في يد إنسان جاز بيعه لإمكان تسليمه.[1]

ترجمہ:- بھگوڑے غلام کی بیع کرنا صحیح نہیں خواہ اس کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو، اور اس جیسی دیگر صورتوں میں خرید و فروخت جائز نہیں جیسے سرکش بھاگے ہوئے اُونٹ کی بیع، غائب شدہ گھوڑے کی بیع وغیرہ۔ یہی مذہب اِمامِ مالک، اِمام شافعی، ابو ثور، ابنِ منذر اور اصحاب الرائے (حنفیہ) کا ہے ...... ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصاۃ اور بیع الغرر سے منع فرمایا اور اس بیع میں غرر پایا جاتا ہے کیونکہ فروخت کنندہ اس چیز کو سپرد کرنے پر قادر نہیں لہٰذا یہ بیع جائز نہیں جیسے ہوا میں موجود پرندے کی بیع جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ انسان کے قبضے میں آجائے تو اس کی بیع جائز ہے کیونکہ اب اسے سپرد کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:-

إنّ المذاهب الأربعة متفقة علىٰ بطلان بيع ما لا يقدر علىٰ تسليمه.[2]

ترجمہ:- چاروں مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ غیر مقدور التسلیم کی بیع جائز نہیں۔

---

(۱) المغنی لابن قدامة (۲۸۹/۲).

(۲) الفقه الإسلامي وأدلته، الزحيلي (الدكتور وهبة الزحيلي) بيروت، دار الفكر، الطبعة الأولى ۱۴۰۴ھ-۱۹۸۴م (۴/۴۳۱).

علامہ ابنِ حزم کا مذہب

ائمہ اَربعہ کے بیان کردہ مذہب کے بعد اگرچہ کسی اور رائے کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں نیز انکی متفقہ رائے کے بعد کسی کا تفرد معتبر بھی نہیں تاہم مسئلے کے ہر پہلو کی وضاحت کے پیش نظر ان کے برعکس رائے کو بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع سپرد کرنے کی قدرت ہونا شرط نہیں، بلکہ صرف اس چیز کا مالک ہونا کافی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وبيع العبد الآبق عرف مكانه أو لم يعرف جائز وكذلك بيع الجمل الشارد عرف مكانه أو لم يعرف وكذلك الشارد من سائر الحيوان ومن الطير المتفلت ..... وإلا فلا يحل بيعه.(1)

ترجمہ:- بھگوڑے غلام کی بیع جائز ہے خواہ اس کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو، اسی طرح سرکش بھاگے ہوئے اونٹ کی بیع جائز ہے خواہ اس کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو اور یہی حکم بھاگے ہوئے دوسرے جانوروں اور اڑتے ہوئے پرندوں وغیرہ کا ہے بشرطیکہ ان چیزوں کو بیچنے سے پہلے وہ ان کا مالک بن چکا ہو اور اگر وہ ان کا مالک ہی نہیں تو پھر ان کا فروخت کرنا جائز نہیں۔

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ کے دلائل

اِمام ابنِ حزم کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱- قرآن و سنت اور دوسری کسی شرعی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کو سپرد کرنے کی قدرت ہونا شرط ہے بلکہ صرف اتنی بات ضروری ہے کہ

---

(۱) المحلى، ابن حزم (أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم المتوفى ۴۰۶ هـ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية (۳۸۸/۸).

بائع خریدار اور بیچی جانے والی چیز کے درمیان حائل نہ ہو، لہٰذا اگر بائع درمیان میں حائل نہیں ہوتا تو پھر اس بیع کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

إنّ التسليم لا يلزمه ولا يوجبه قرآن ولا سنة ولا دليل أصلًا وإنّما لازم أنّ لا يحول البائع بين المشتري وبين ما اشترى منه فقط فيكون إن فعل ذٰلك عاصيًا ظالمًا.(۱)

ترجمہ:- مبیع کو سپرد کرنے کا لزوم اور وجوب قرآن سے ثابت ہوتا ہے، نہ سنت سے اور نہ کسی اور دلیل سے بلکہ صرف اتنی بات لازم ہے کہ بائع خریدار اور مبیع کے درمیان حائل نہ ہو، اگر وہ حائل ہوگا تو گنہگار اور ظالم ہوگا۔

۲- اس بیع کو جائز قرار دینے میں غرر کی خرابی بھی لازم نہیں آتی اس لئے کہ بائع اپنی مملوکہ چیز فروخت کر رہا ہے اور اس کی صفت اور مقدار اسے معلوم ہے اور خریدار اس کے خریدنے کی وجہ سے اس کا مالک بن رہا ہے تو اس میں عدم جواز کی کیا بات ہے، ہاں اگر خریدار کو وہ چیز مل گئی اور اس نے اسے پالیا تو اسی کی ہوگی لیکن اگر اسے نہ مل سکی تو اس کے بدلے میں اسے اجر و ثواب ملے گا۔ گویا پھر بھی وہ نفع میں رہا۔ اگر اسے غرر قرار دیا جائے تو پھر ہر قسم کے جانور کی بیع ناجائز ہونی چاہئے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ یہ جانور خریدنے کے تھوڑی دیر بعد زندہ رہے گا یا مرجائے گا، صحیح سالم رہے گا یا بیمار ہوجائے گا اور اگر بیمار ہوگا تو تھوڑا سا بیمار ہوگا یا اتنا زیادہ بیمار ہوگا کہ وہ مکمل طور پر یا اس کا غالب حصہ ناقابلِ انتفاع ہوگا۔(۲)

---

(۱) المحلی (۸/ ۳۸۹).

(۲) المحلی بحوالہ بالا: ليس هذا غررًا لأنّه بيع شيء قد صح ملك بائعه عليه وهو معلوم الصفة والقدر فعلى ذٰلك يباع ويملكه المشتري ملكًا صحيحًا فإن وجده فذٰلك وإن لم يجده فقد استعاض الأجر الذي هو خير من الدنيا وما فيها وربحت صفقته .. ولو كان هذا غررًا لكان بيع الحيوان كله حاضره وغائبه غررًا لا يحل ولا يجوز لأنّه لا يدري مشتريه أيعيش ساعة بعد ابتياعه أم يموت ولا يدري أيسلم أم يسقم سقمًا قليلًا يحيله أو سقمًا كثيرًا يفسده أو أكثره؟

جمہور فقہائے کرام کے دلائل

اس مسئلے میں ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کے دلائل درج ذیل ہیں:-

۱- وہ احادیث جن میں بھگوڑے غلام کی بیع اور پانی میں موجود مچھلی کی بیع وغیرہ سے منع کیا گیا ہے، ان کی ممانعت کی علت یہی ہے کہ ان صورتوں میں بائع مبیع کو خریدار کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے کہ یہ بات تو واضح ہے کہ بائع ان چیزوں کا مالک ہے لیکن پھر بھی ان کی بیع کو ناجائز کہنے کی اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ یہ اشیاء "غیر مقدور التسلیم" ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صدیق الضریر لکھتے ہیں:-

الأحاديث التی تنهی عن بيع الآبق، وبيع السمک فی الماء فإنّ بيعها إنّما منع لعدم القدرة علی التسليم.[۱]

وہ احادیث جن میں بھگوڑے غلام اور پانی کے اندر مچھلی کی بیع سے منع کیا گیا ہے، ان میں ممانعت کی وجہ بیع کو سپرد کرنے کی قدرت کا نہ ہونا ہے۔

۲- وہ احادیث جن میں غرر کی ممانعت مذکور ہے، وہ ان صورتوں کو بھی شامل ہیں جن میں مبیع غیر مقدور التسلیم ہو اسلئے کہ جب بائع کو بیچی جانے والی چیز کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں تو اس عقد کا انجام نامعلوم اور غیر یقینی ہوگیا۔ اب کچھ معلوم نہیں کہ خریدار اس کو حاصل کرسکے گا یا نہیں۔ اور اسی غیر یقینی کیفیت کا نام غرر ہے۔[۲]

۳- کسی چیز کو خریدنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خریدار اسے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرے۔ جب بائع مطلوبہ چیز اسے سپرد کرنے پر قادر نہیں تو خریدار کے پاس اس کا آنا کیسے ممکن ہوگا۔ اور جب خریدار کو مطلوبہ چیز نہیں ملے گی تو اس کا مطلوبہ چیز خرید کرنے کا مقصد فوت ہوجائے گا۔[۳]

---

(۱) الغرر واثره في العقود ص: ۳۱۷.

(۲) المجموع شرح المهذب (۹/ ۲۸۳) ولا يجوز بيع ما لا يقدر علي تسليمه كالطير في الهواء أو السمک في الماء والجمل الشارد والفرس العائر والعبد الآبق والمال المغصوب في يد الغاصب لحديث أبي هريرةؓ أنّ النبي صلی الله عليه وسلم نهی بيع الغرر وهذا غرر ولهذا قال ابن مسعود لا تشتروا السمک في الماء فإنّه غرر.

(۳) بحواله بالا: ولأنّ القصد بالبيع هو التصرف وذلک لا يمكن فيما لا يقدر علی تسليمه.

غیر مقدور التسلیم مبیع کی چند مثالیں

اگرچہ غیر مقدور التسلیم اشیاء کی خرید و فروخت کی متعدد صورتیں ہیں جیسے بھگوڑے غلام کی بیع، ہوا میں موجود پرندے کی بیع، پانی میں موجود مچھلی کی بیع وغیرہ لیکن ذیل میں ہم چند معروف اور مروّجہ صورتوں پر قدرے تفصیلی بحث کریں گے۔ چنانچہ ذیل میں چند صورتیں اور مختلف مذاہب کی روشنی میں ان کا حکم ذکر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک غیر مقدور التسلیم اشیاء کی خرید و فروخت ناجائز ہے، اس لئے آئندہ آنے والی صورتوں کا اصل حکم ائمہ اربعہ کے نزدیک عدمِ جواز کا ہے البتہ انہیں میں سے بعض وہ صورتیں جائز ہیں جن کے اندر مذکورہ علّت موجود نہیں۔ لہٰذا ذیل میں جائز اور ناجائز دونوں صورتوں کو بیان کیا جائے گا۔

پانی میں موجود مچھلی بیچنے کی صورتیں اور ان کا حکم

قرآنِ حکیم میں پانی کے اندر موجود مچھلی کی خرید و فروخت کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں البتہ احادیث کے اندر اس کی ممانعت وارِد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:-

لا تشتروا السمک فی الماء فإنه غرر.[1]

ترجمہ:- پانی میں موجود مچھلی کو نہ خریدو کیونکہ یہ غرر ہے۔

صحابہ کرام میں سے عمر بن الخطابؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے یہی ہے کہ پانی میں موجود مچھلی کی بیع جائز نہیں۔[2] البتہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل

---

(۱) فی نیل الأوطار للشوکانی (۲۲۶/۵): حدیث ابن مسعود فی إسناد یزید بن أبی زیاد عن المسیب بن رافع عن ابن مسعود. قال البیهقی فیه إرسال بین المسیب وعبد الله والصحیح وقفه وقال الدارقطنی فی العلل اختلف فیه والموقوف أصح وکذلک قال الخطیب وابن الجوزی وقد روی أبو بکر بن أبی عاصم عن عمران بن حصین حدیثا مرفوعا وفیه النهی عن بیع السمک فی الماء فهو شاهد هذا.

... أیضا السنن الکبری مع الجوهر النقی، البیهقی (أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی المتوفی ۴۵۸ هـ) ملتان، نشر السنة (۳۴۰/۵).

(۲) بحواله بالا.

تھے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کتب إلى عمر بن عبدالعزیز لیسأله عن بیع صید الآجام فکتب الیه عمر: أن لا بأس به.[1]

ترجمہ:۔ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے عمر بن عبدالعزیز کی طرف خط لکھ کر دریافت کیا کہ کیا پانی میں موجود شکار (مچھلی) کی بیع جائز ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں لکھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

ائمہ اَربعہ اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کی بیع ناجائز ہے البتہ اگر دو شرطیں پائی جائیں تو اس کی خرید وفروخت کی اجازت ہے۔

۱۔ مچھلیاں بائع کی ملکیت میں ہوں۔

۲۔ بائع انہیں خریدار کے حوالے کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

البتہ ان شرائط کی روشنی میں بیان کردہ صورتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ

حنفیہ کے ہاں سمندر اور نہر میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت جائز نہیں البتہ مملوکہ تالاب میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت میں حنفیہ کے ہاں پہلی شرط کے اعتبار سے کل تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مچھلیاں پکڑ کر یا خرید کر تالاب میں چھوڑی جائیں، اس صورت میں وہ مچھلی اور اسکی نسل چھوڑنے والے کی ملکیت ہوجاتی ہے کسی دوسرے کے لئے اس کی اجازت کے بغیر پکڑنا جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مچھلیاں پکڑ کر یا خرید کر نہیں چھوڑیں لیکن انہیں تالاب

---

(۱) کتاب الخراج، أبو یوسف (قاضي أبو یوسف یعقوب بن إبراهیم المتوفی ۱۸۲ھ) بیروت، دار المعرفة ص:۸۷.

أنظر أیضا کتاب الأصل المعروف بالمبسوط (۵:۹۳).

میں لانے کے لئے کوئی خاص تدبیر کی مثلاً تالاب کے قریب نہر گزر رہی تھی وہاں سے چھوٹا سا راستہ تالاب کی طرف بنا دیا جس سے نہر کی مچھلیاں تالاب کی طرف آ گئیں یا خود بخود تالاب میں آ جانے کے بعد ان کے روک لینے کی کوئی تدبیر کی مثلاً جس راستے سے مچھلیاں تالاب میں داخل ہوئی تھیں، اسے بند کر دیا تو اس صورت میں بھی وہ ان مچھلیوں کا مالک بن گیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مچھلیاں قدرتی طور پیدا ہوگئیں یا خود بخود آ گئیں اس نے انہیں جمع کرنے کا کوئی اہتمام کیا، نہ روکنے کا کوئی انتظام کیا۔ اسکا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ ان مچھلیوں کو پکڑ نہیں لیگا، اس وقت وہ انکا مالک نہیں ہوگا۔

دوسری شرط کے اعتبار سے درج ذیل صورتیں ہیں:۔

جن صورتوں میں مچھلی ملکیت میں نہیں آئیں، ان صورتوں میں ان کو عملی طور پر پکڑنے کے بغیر ان کی خرید و فروخت جائز نہیں اور جن صورتوں میں ملکیت میں داخل ہوگئیں، اس کی دو صورتیں ہیں:۔

۱- اگر ان کے پکڑنے کے لئے کچھ حیلہ و تدبیر کی ضرورت ہے مثلاً جال لگا کر پکڑنا پڑتی ہیں تو ان کی بیع جائز نہیں کیونکہ بائع انہیں خریدار کے سپرد کرنے پر قادر نہیں۔

۲- اگر کچھ حیلہ و تدبیر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی تدبیر کے بغیر انہیں پکڑنا آسان ہے مثلاً کسی چھوٹے گڑھے یا برتن میں ہوں کہ ہاتھ ڈال کر انہیں پکڑا جاسکے تو پھر ان کی بیع جائز ہے۔

یہ تمام صورتیں علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں ذکر فرمائی ہیں۔ ذیل میں متعلقہ عبارت اور اس کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے:۔

بيع السمک في البحر أو النهر لا يجوز، فإن كانت له حظيرة فدخلها السمک فأمّا ان يكون أعدّها لذلک أو لا فإن كان أعدها لذلک فما دخلها ملكه وليس لأحدٍ أن يأخذه ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة اصطيادٍ جاز بيعه لأنّه

مملوک مقدور التسليم مثل السمكة في جب وإن لم يؤخذ إلّا بحيلة لا يجوز لعدم القدرة على التسليم عقيب البيع وإن لم يكن أعدها لذٰلك لا يملك ما يدخل فيها فلا يجوز بيعه لعدم الملک إلّا أن يسد الخطيرة إذا دخل فحينئذٍ يملكه ثم ينظر إن كان يؤخذ جاز بيعه لأنّه مملوك مقدور التسليم أو بحيلةٍ لم يجز لأنّه وإن كان مملوكا فليس مقدور التسليم.[1]

شافعیہ

شافعیہ کے ہاں حکم یہ ہے کہ اگر مچھلیاں کسی ایسے حوض میں ہیں کہ وہاں سے نکل نہیں سکتیں اور ان کو کسی محنت اور تدبیر کے بغیر نکالا جاسکتا ہے جیسے مثلاً چھوٹے سے حوض میں ہوں تو ان کی بیع جائز ہے بشرطیکہ وہ حوض بائع کی ملکیت ہو۔ اور اگر انہیں نکالنے میں مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے تو پھر حوض میں ہوتے ہوئے ان کی بیع جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

ولا يجوز بيع الطير في الهواء ولا السمک في الماء المملوكين ..... فلو باع السمک المملوک له وهو في بركة لا يمكنه الخروج منها أو طير في برج مغلق فإن أمكن أخذه بلا تعب كبركة صغيرةٍ وبرجٍ صغير جاز بيعه بلا خلاف وإن لم يمكن أخذه إلّا بتعب فوجهان مشهوران في كتب الخراسانيين أصحهما وبه قطع المصنف وآخرون.[2]

ترجمہ:- ہوا میں موجود مملوکہ پرندے اور پانی میں موجود مملوکہ مچھلی کو فروخت کیا جبکہ وہ ایسے حوض میں تھی کہ اسکا نکلنا ممکن نہ تھا یا پرندے

---

(۱) فتح القدير مع الهداية والعناية (۶/ ۳۹).

(۲) المجموع شرح المهذب (۹/ ۲۸۴).

کو فروخت کیا جبکہ وہ بند برج میں تھا تو اگر اسے مشقت کے بغیر پکڑنا ممکن ہو جیسے چھوٹا سا حوض ہو یا چھوٹا سا برج ہو تو بالاتفاق اسکی بیع جائز ہے اور اگر مشقت کے بغیر اسکا پکڑنا ممکن نہ ہو تو اسمیں دو قول ہیں، راجح قول یہ ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں، اسی کو مہذب کے مصنف اور دیگر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

حنابلہ

حنابلہ کے ہاں پانی میں موجود مچھلی کی بیع کے جواز کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱- مچھلی مملوک ہو۔

۲- پانی رقیق اور صاف ہو کہ جس کی وجہ سے مچھلیوں کا مشاہدہ بآسانی ہو سکے۔

۳- اس کا شکار کرنا اور اسے پکڑنا ممکن ہو۔

اگر یہ تینوں شرائط پائی جائیں تو پھر مچھلی کی خرید و فروخت جائز ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو پھر انکی بیع جائز نہیں۔

علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

لا يجوز بيعه في الماء إلّا أن يجتمع ثلاثة شروط. أحدها، إن يكون مملوكًا. الثاني أن يكون الماء رقيقاً لا يمنع مشاهدته ومعرفته. الثالث، أن يمكن اصطياده وإمساكه. فإن اجتمعت هذه الشروط جاز بيعه لأنّه مملوك معلوم مقدور على تسليمه فجاز بيعه كالموضوع في الطست وإن اختل شرط ممّا ذكر لم يجز بيعه.(۱)

ترجمہ:- پانی کے اندر موجود مچھلی کی بیع تین شرطوں کے ساتھ جائز

---

(۱) المغني لابن قدامة (۲۹۹/٦).

ہے۔مملوک ہو، پانی اتنا رقیق ہو کہ مچھلی کے مشاہدے اور پہنچانے سے مانع نہ ہو، اس کا شکار کرنا اور پکڑنا ممکن ہو۔ اگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو پھر مچھلیوں کی خرید وفروخت جائز ہے کیونکہ اس صورت میں وہ مملوک، معلوم اور مقدور التسلیم ہیں تو ان کی بیع جائز ہے جیسے طشت میں رکھی مچھلی کی بیع جائز ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو پھر یہ بیع جائز نہیں۔

ہوا میں موجود پرندے کی خرید وفروخت

ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں:-

۱- ہوا میں اڑنے والا پرندہ بیچنے والے کی ملکیت میں نہ ہو یعنی اس نے شکار کے ذریعے اسے پکڑا نہ ہو تو ایسے پرندے کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ یہ غیر مملوک کی بیع ہے۔

۲- ہوا میں اڑنے والا پرندہ بیچنے والے کی ملکیت میں ہو، اس کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ

حنفیہ کے ہاں بیع کی دوسری صورت بھی جائز نہیں کیونکہ یہ غیر مقدور التسلیم کی بیع ہے۔ علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:-

ولا (يجوز) بيع الطير في الهواء لأنّه غير مملوك قبل الأخذ وكذا لو أرسله من يده لأنّه غير مقدور التسليم.[1]

ترجمہ:- ہوا میں موجود پرندے کی بیع جائز نہیں کیونکہ پکڑنے سے پہلے تو وہ ملکیت میں نہیں آیا اور پکڑ کر ہوا میں چھوڑ دیا تو بھی اسکی بیع جائز نہیں کیونکہ یہ غیر مقدور التسلیم ہے۔

البتہ علامہ قاضی خان، علامہ عبدالحی لکھنوی اور دیگر بہت سے فقہائے کرام

(۱) الهداية (۵/۹۶، ۱۴۷).

فرماتے ہیں کہ اگر پرندے کی عادت یہی ہے کہ اسے اُڑایا جائے تو گھر آجاتا ہے اور اسے بلا تکلف پکڑنا ممکن ہے تو اس کی بیع جائز ہے۔ چنانچہ فتاوی قاضی خان میں ہے:-

وإن باع طيرًا له يطير في الهواء إن كان ذا جناح يعود إلىٰ بيته ويقدر على أخذه من غير تكلف جاز بيعه وإلا فلا۔[1]

علامہ فتح محمد لکھنویؒ کا رُجحان بھی اسی طرف ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

پالتو کبوتر جبکہ معمولی طور پر اُڑا دیئے جائیں تو مثل مقبوض کے ہیں اس لئے کہ ثابت بالعادت متیقن ہے۔[2]

علامہ ابنِ عابدینؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[3]

شافعیہ

شافعیہ کے ہاں شہد کی مکھی کے علاوہ دیگر پرندوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ہوا میں ہوتے ہوئے ان کی خرید وفروخت جائز نہیں، اگرچہ پرندے کی عادت واپس گھر آنے کی ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ پرندہ عقل نہیں رکھتا اس لئے ہوسکتا ہے کہ گھر واپس آنے کی عادت کے باوجود واپس نہ آئے، اس لئے اس میں غرر کا پہلو موجود ہے البتہ شہد کی مکھی کے بارے میں ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر مکھی کی ملکہ خلیہ کے اندر ہو تو پھر اس کی بیع جائز ہے اور اگر خلیہ سے باہر ہو تو بیع جائز نہیں کیونکہ جب ماں خلیہ کے اندر ہوتی ہے تو مکھی کا واپس آنا یقینی ہوتا ہے لہٰذا یہ غیر مقدور التسلیم کی بیع نہ رہی۔

---

(۱) فتاوی قاضیخان بهامش الفتاوى الهندية، الفرغاني (فخر الدين حسن بن منصور الأوزجندي الفرغاني المتوفى ٥٩٢ هـ) كوئٹه، المكتبة الرشيدية (١٥٢/٢).

.....حاشية الهداية، لكهنوى (العلّامة عبدالحي اللكهنوي المتوفى ١٣٠٣ هـ) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ١٤١٧ هـ (٩٦/٥)؛ ولو كان له وكر عنده يطير منه في الهواء ثم يعود إليه جاز لأنّه يمكن أخذه من غير حيلة.

..... انظر أيضًا تنوير الأبصار مع شرحه الدر المختار (٦١/٥).

(۲) عطر هداية، لكهنوى (علّامه فتح محمد لكهنوى)، ديوبند، مكتبة نشر القرآن ص: ٤١.

(۳) ردّ المحتار مع الدر المختار بحواله بالا

علامہ رملیؒ فرماتے ہیں:-

(فلا يصح بيع الضال) كبعير ند وطير في الهواء وإن اعتاد العود إلىٰ محلّه لما فيه من الغرر ولأنّه لا يوثق به لعدم عقله ..... وهذا إن لم يكن نحلًا أو كان وأمّه خارج الخليه فإن كانت فيها صح كما بحثه بعض المتأخرين للوثوق بعوده.(۱)

حنابلہ:

حنابلہ کے ہاں ہوا میں موجود پرندے کی بیع کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔

علامہ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں:-

إذا باع طائرًا لم يصح مملوكًا أو غير مملوك أمّا المملوك فلأنّه غير مقدور عليه وغير المملوك لا يجوز لعلتين: انّه غير مملوك والأصل في هٰذا نهي النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الغرر ..... ولا فرق بين كون الطائر يألف الرجوع أو لا يألفه لأنّه لا يقدر على تسليمه الآن وإنمّا يقدر عليه إذا عاد.(۲)

ترجمہ:- اگر کسی شخص نے ہوا میں موجود پرندے کی بیع کی تو یہ بیع صحیح نہیں خواہ وہ پرندہ اسکی ملکیت میں ہو یا نہ ہو، اگر ملکیت میں ہو تو اس لئے ناجائز ہے کہ مقدور التسلیم نہیں اور اگر ملکیت میں نہیں تو دو وجہ سے ناجائز ہے، ایک یہ کہ غیر مقدور التسلیم ہے، دوسرے یہ کہ وہ اس کی ملکیت میں نہیں اور ممانعت کی اصل وجہ وہ حدیث ہے جس میں

---

(۱) نهاية المحتاج إلىٰ شرح المنهاج للرملي (۳/۳۸۶)۔ نیز ملاحظہ فرمایئے: المجموع شرح المهذب للنووي (۹/۲۸۴)۔

(۲) المغني لابن قدامة (۲۹۰/٦)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''بیع الغرر'' سے منع فرمایا ...... پرندہ خواہ واپس آنے کا عادی ہو یا نہ ہو، حکم کے اعتبار سے اس میں کوئی فرق نہیں کیونکہ بائع فی الحال اسے سپرد کرنے پر قادر نہیں، وہ اس وقت قادر ہوگا جب پرندہ لوٹ آئے گا۔

دَین (قرض) کی بیع

غیر مقدور التسلیم اشیاء کی خرید و فروخت کی ایک صورت قرض کی بیع ہے جیسے عربی میں '' بیع الدین'' کہتے ہیں۔ اُردو زبان میں ہر قسم کے قرضوں کے لئے ''قرض'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جبکہ فقہی اعتبار سے ''قرض'' اور دَین (بفتح الدال) میں فرق ہے۔

جب کوئی شخص ابتداءً کسی پر احسان اور تبرع کرتے ہوئے اسے کوئی مثلی چیز دیتا ہے تو اسے قرض کہتے ہیں۔مثلاً زید نے عمرو سے ہزار روپے مانگے تو عمرو نے اس کے مانگنے پر اسے مطلوبہ رقم دے دی، یہ قرض ہے، اور جو چیز کسی معاملے کے نتیجے میں یا کسی کی چیز کو نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے وغیرہ کے نتیجے میں لازم ہوتی ہے، اسے ''دَین'' کہتے ہیں مثلاً زید نے عمرو سے ہزار روپے کے بدلے ایک من چاول خریدے اور قیمت فوراً ادا نہ کی تو زید ہزار روپے کا مقروض ہوگیا۔ یہ قرض ''دَین'' ہے۔ اسی طرح پہلی مثال میں عمرو نے زید کو جو رقم دی، وہ تو قرض ہے لیکن اُسی معاملے کے بدلے میں وہ جو چیز واپس کرے گا وہ ''دَین'' ہوگی کیونکہ اس کی ادائیگی عقد قرض کی وجہ سے اس کے ذمے لازم ہوئی۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ دونوں کے درمیان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

القرض: هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله ..... الدين ما وجب في الذمة بعقد أو استهلاك.[1]

ترجمہ:- قرض وہ معاملہ ہے جس میں ابتداءً کسی پر احسان اور تبرع

---

(۱) الدر المختار للحصكفي مع تنوير الأبصار للتمرتاشي (۵: ۱۵۲، ۱۶۱).

کرتے ہوئے اسے کوئی مثلی چیز دی جاتی ہے تا کہ وہ اس کی مثل لوٹائے اور جو چیز کسی معاملے کے نتیجے میں یا کسی کی چیز کو نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے وغیرہ کے نتیجے میں لازم ہوتی ہے، اسے ''دین'' کہتے ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی دَین کی مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

الدين: كثمن مبيع وبدل قرض ومهر بعد دخول بالمرأة أو قبل الدخول بها وأجرة مقابل منفعة وأرش جناية وغرامة متلف وعوض خلع ومسلم فيه.[1]

البتہ اُردو میں دَین کے لئے بھی قرض کا استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس باب میں دَین کا ترجمہ ''قرض'' سے کیا جائے گا لیکن قرض بمعنی دَین ہی کے اَحکام بیان ہوں گے۔

قرض بیچنے کی صورتیں

قرض بیچنے کی ابتداءً دو صورتیں ہیں:۔

۱۔ اُدھار پر بیچا جائے۔

۲۔ نقداً بیچا جائے۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ جس پر قرض ہے اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے اسے فقہی اصطلاح میں ''بیع الدین لمن علیہ الدین'' کہتے ہیں۔

۲۔ ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کیا جائے جس پر اس کا قرض نہیں اسے اصطلاح میں ''بیع الدین لغیر من علیہ الدین'' کہا جاتا ہے۔

بیع الکالئ بالکالئ

جہاں تک اُدھار پر قرض بیچنے کا تعلق ہے خواہ یہ معاملہ مقروض سے کیا جائے یا

---

(۱) الفقه الاسلامي وادلته (۴/۴۳۲).

غیر مقروض سے، ہر حال میں ناجائز ہے۔

مقروض سے معاملہ کرنے کی مثال جیسے زید بکر سے کہے کہ مجھے ہزار روپے قرض کے بدلے میں ایک من چاول فروخت کرو اور وہ قبول کرلے لیکن مجلس عقد میں کسی پر قبضہ نہ ہو، یہ "بیع الدین لمن علیہ الدین" کی ابتدائی صورت ہے۔ اس لئے اسے "ابتداء بیع الدین با لدین"[۱] بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک اور صورت یہ ہے کہ مثلاً زید نے بکر سے ایک من چاول خریدنے کے لئے بیع سلم کی یعنی قیمت تو ابھی ادا کردی جبکہ چاول چھ ماہ کے بعد لینے کا وعدہ تھا۔ جب چاول حوالے کرنے کی مدت آئی تو بکر نے کہا کہ میرے پاس چاول نہیں البتہ تم مجھے یہ چاول گیارہ سو روپے میں فروخت کردو اور میں یہ رقم ایک ماہ بعد ادا کروں گا، یہ بھی "بیع الدین لمن علیہ بالدین"[۲] کی صورت ہے۔ اسے "فسخ الدین بالدین" کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں مدیون نے اپنے واجب الاداء قرض کو ایک دوسرے قرض کے ذریعے منسوخ کیا ہے۔

غیر مقروض سے معاملہ کرنے کی مثال جیسے زید نے بکر سے ایک من چاول ایک ماہ بعد لینے ہیں۔ زید آج عمرو سے کہتا ہے کہ میں نے بکر سے جو چاول ایک ماہ بعد لینے ہیں، وہ تمہیں ایک ہزار روپے کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور تم یہ رقم مجھے دو ماہ بعد دے دینا۔ اسے "بیع الدین لغیر من علیہ الدین" کہا جاتا ہے۔ ان دونوں قسموں کو "بیع الکالئ با لکالئ" کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کے کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ:-

إنّ النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الكالئ با لكالئ.[۳]

---

(۱) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، الدسوقي (الشيخ محمد عرفه الدسوقي) بيروت، دار الفكر (۳/۶۱).

(۲) بحواله بالا.

(۳) سنن الدارقطني، الدارقطني (علي بن عمر الدارقطني ۳۰۶هـ-۳۸۵هـ) القاهرة، مصر، دار المحاسن الطباعة (۳/۷۱، ۷۲).

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا۔

اسی طرح حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:-

إن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الكالئ با لكالئ، دين بدين.[1]

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی یعنی دین کو دین کے بدلے فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کا مذہب بھی یہی ہے کہ یہ بیع ناجائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابن شاش لکھتے ہیں:-

ومنها: بيع الكالئ بالكالئ وهو الدين بالدين وهذا لا خلاف في فساده.[2]

ترجمہ:- اور ناجائز معاملات میں سے ایک بیع الکالی بالکالی یعنی بیع الدین بالدین ہے۔ اس کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

علامہ وہبۃ الزحیلی اپنی کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں فرماتے ہیں:-

اجمع الناس على أنه لا يجوز بيع دين بدين، ذلك سواء أكان البيع للمدين أم لغير المدين.[3]

ترجمہ:- اس بات پر فقہائے کرام کا اجماع ہے کہ بیع الدین بالدین جائز نہیں خواہ یہ بیع مقروض سے کی جائے یا غیر مقروض کے ساتھ۔

---

(۱) المعجم الكبير، الطبراني (أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني ۲۶۰ھ-۳۶۰ھ) بغداد، الدار العربية للطباعة (۳۱۷/۴).

(۲) عقد الجواهر الثمينة، ابن شاش (جلال الدين عبدالله بن نجم بن شاش المتوفى ۶۱۲ھ) بيروت، دار الغرب الإسلامي، الطبعة الأولى ۱۴۱۰ھ-۱۹۹۵م (۴۱۹/۲).

(۳) الفقه الإسلامي وأدلته (۴۳۲/۴).

قرض بیچنے کی دُوسری صورت

قرض بیچنے کی دُوسری صورت یہ ہے کہ اسے نقداً فروخت کیا جائے یعنی ایک طرف سے تو قرض ہو اور دُوسری طرف سے نقد رقم لی جائے۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ معاملہ مقروض کے ساتھ کیا جائے، دوسرے یہ کہ غیر مقروض کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔

پہلی صورت کی مثال اور اس کا حکم

پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ مثلاً زید نے بکر کی گھڑی غصب کی۔ کچھ دنوں بعد آکر اسے بتلا دیا کہ تمہاری گھڑی میرے پاس ہے لیکن میں وہ تمہیں واپس نہیں کرنا چاہتا، آپ ایک ہزار کے بدلے میں مجھے فروخت کردیں۔ بکر راضی ہوگیا۔ زید نے قیمت ادا کردی اور بیع مکمل ہوگئی۔

بیع کی اس صورت کے بارے میں ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ بیع جائز ہے کیونکہ اس میں بیع سے پہلے سے ہی خریدار کے پاس وہ چیز موجود ہوتی ہے لہٰذا ''غیر مقدور التسلیم'' ہونے کی خرابی لازم آنے کا شبہ ہی نہیں۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

ویجوز بیعه ممّن علیه الدین لأنّ المانع هو العجز عن التسلیم ولا حاجة إلی التسلیم ههنا ونظیره بیع المغصوب أنّه یصح من الغاصب.(۱)

ترجمہ:۔ اور مقروض کے ساتھ یہ بیع کرنا جائز ہے کیونکہ ناجائز ہونے کی وجہ ''غیر مقدور التسلیم'' ہونا تھی جبکہ یہاں سپرد کرنے کی ضرورت ہی نہیں جیسے مغصوب منہ اپنی غصب شدہ چیز کی بیع غاصب کے ساتھ کرے۔

---

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی (۱۴۸/۵).

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:-

وبیع الدین نقدًا في الحال: اختلاف الفقهاء في شأنه علی التفصیل الآتي. أوّلًا بیع الدین لمدین: أجاز الفقهاء أئمة المذاهب الأربعة بیع الدین لمن علیه الدین أو هبته، لأنّ المانع من صحة بیع الدین بالدین هو العجز عن التسلیم ولا حاجة إلی التسلیم هٰهنا.(۱)

ترجمہ:- بیع الدین نقداً کی صورت میں فقہاء کرام کا درج ذیل اختلاف ہے۔ پہلی صورت یعنی مدیون سے قرض کی بیع کرنا: مذاہبِ اربعہ کے جمہور فقہاء نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ بیع الدین بالدین کے ناجائز ہونے کی وجہ "غیر مقدور التسلیم" ہونا ہے جبکہ یہاں سپرد کرنے کی حاجت ہی نہیں۔

دُوسری صورت کا حکم

دُوسری صورت یہ ہے کہ غیر مقروض سے بیع الدین کی جائے جیسے زید نے بکر کی گھڑی غصب کی۔ اب زید عمرو سے کہتا ہے کہ میری گھڑی جو بکر کے پاس ہے، میں اسے ایک ہزار کے بدلے میں فروخت کرتا ہوں۔ اس کے حکم میں قدرے اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ بیع ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں فروخت کنندہ بیچی جانے والی چیز کو خریدار کے سپرد کرنے کی قدرت نہیں رکھتا لہٰذا "غیر مقدور التسلیم" ہونے کی خرابی لازم آرہی ہے جو کہ مفسدِ عقد ہے۔ اور اگر یوں کہا جائے کہ زید اس شرط پر یہ چیز بیچے کہ مبیع کی سپردگی مدیون (مذکورہ بالا مثال میں غاصب) کے ذمہ ہو تو یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ مبیع کو حوالے کرنا بائع کی ذمہ داری ہے، یہ ذمہ داری کسی اور کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) الفقه الاسلامي وادلته (۴/۴۳۳).

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:-

ولا ینعقد بیع الدین من غیر من علیه الدین لأنّ الدین إمّا أن یکون عبارة عن فعل تملیک المال وتسلیمه وکل ذٰلک غیر مقدور التسلیم فی حق البائع ولو شرط التسلیم علی المدیون لا یصحّ أیضًا لأنّه شرط التسلیم علیٰ غیر البائع فیکون شرطًا فاسدًا.(۱)

ترجمہ:- اور غیر مقروض سے بیع الدین کرنا جائز نہیں اس لئے کہ قرض یا تو ذمہ میں موجود حکمی مال کا نام ہے یا مال کی تملیک اور سپردگی کے فعل کا نام ہے اور دونوں چیزیں بائع کے حق میں غیر مقدور التسلیم ہیں اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ اس کی سپردگی مدیون کے ذمہ ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ بائع کے علاوہ کسی اور پر سپردگی کی شرط لگانا ہے جو کہ شرط فاسد ہے۔

ابن مفلح حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(ولا یجوز لغیره) أی لغیر من هو فی الذمه لأنّه غیر قادر علی تسلیمه فأشبه بیع الآبق.(۲)

ترجمہ:- اور غیر مدیون کے ساتھ قرض کی بیع کرنا جائز نہیں کیونکہ بائع اسے خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہیں تو یہ صورت بھگوڑے غلام کی مانند ہوگی۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں درج ذیل آٹھ شرائط کے ساتھ یہ بیع جائز ہے۔ ان میں سے چار

---

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی (۱۴۸/۵).

(۲) المبدع فی شرح المقنع ابن مفلح (أبو اسحاق برهان الدین إبراهیم بن محمد بن عبدالله بن مفلح المورخ ۸۱۶هـ-۸۸۴هـ) بیروت، المکتب الإسلامی، الطبعة الأولی (۱۹۸/۴).

شرائط کا تعلق مدیون سے ہے اور بقیہ چار شرائط کا تعلق مبیع سے ہے۔ مدیون کے اعتبار سے چار شرائط درج ذیل ہیں:۔

۱- مدیون قرض کا اقرار کرتا ہو۔

۲- غالب گمان یہ ہو کہ مدیون سے قرض لے لیا جائے گا مثلاً یہ کہ مدیون شہر میں موجود ہو تاکہ اس کی مالی حالت معلوم ہو کہ وہ تنگدست ہے یا مالدار ہے۔

۳- وہ قرض کو ادا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو، قرض ادا کرنے سے عاجز نہ ہو۔

۴- مقروض اور خریدار کے درمیان کوئی عداوت اور دشمنی نہ ہو کہ خریدار کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔

مبیع کے اعتبار سے بنیادی شرط یہ ہے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ربا یا غرر کی خرابی لازم آئے۔ چنانچہ اس خرابی سے بچنے کے لئے چار شرائط مقرر کی گئی ہیں:۔

۱- بیچی جانے والی چیز قرض کی جنس سے نہ ہو اور اگر اسی کی جنس سے ہو تو اس کے برابر ہو، کم وبیش نہ ہو تاکہ ربا کی خرابی لازم نہ آئے۔

۲- اگر قرض سونا یا چاندی ہے تو اس کی بیع سونے یا چاندی کے بدلے میں نہ کی جائے کیونکہ اس صورت میں ایک عوض پر مجلس میں قبضہ نہیں ہوتا جبکہ سونے چاندی کی بیع میں عوضین پر مجلس ہی میں قبضہ ضروری ہے۔

۳- قرض ایسی چیز کا ہو جس کی بیع قبل القبض جائز ہو، جیسے ان کے نزدیک طعام کے علاوہ اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

۴- جس چیز کے بدلے میں قرض فروخت کیا جائے اور اس پر اسی مجلس میں قبضہ ہو تاکہ بیع الکالی بالکالی کی خرابی لازم نہ آئے۔

اگر مذکورہ بالا چار شرطیں موجود ہوں تو پھر مالکیہ کے ہاں غیر مدیون سے قرض کی بیع کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔[۱]

---

(۱) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (۳/ ۶۱، ۶۲).

...... المنتقى شرح المؤطأ (۴/ ۷۶). ...... الفقه الإسلامي وأدلته (۴/ ۴۳۴).

شافعیہ:

شوافع کے ہاں اس بیع کی تین صورتیں ہیں۔ ذیل میں تینوں صورتیں اور ان کا حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت یہ کہ قرض مستقر ہو یعنی قرض خواہ کی اس پر ملکیت اور وصولیابی کا حق ثابت ہو چکا ہو تو راجح قول کے مطابق غیر مدیون کے ساتھ اس کی بیع جائز ہے کیونکہ اس صورت میں مقروض کسی انکار کے بغیر قرض خریدار کے حوالے کردے گا۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ قرض مستقر نہیں اور وہ قرض بیع سلم کے اندر مسلم فیہ[1] کی صورت میں ہے تو اس کی بیع جائز نہیں اس لئے کہ کبھی کبھی بیع سلم کو فسخ کرنے کی نوبت آتی ہے جس کی وجہ سے خود وہ شخص اس مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے محروم رہ جاتا ہے جس کی بیع آگے کر رہا ہے اس لئے اس کی آگے بیع کرنا گویا غیر مقدور التسلیم کی بیع کرنا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرض مستقر نہیں اور بیع کا ثمن ہے تو راجح قول کے مطابق اس کی بیع جائز ہے۔ علامہ شیرازی لکھتے ہیں:-

> **أمّا الديون فينظر فيها فإن كان الملك عليها مستقراً كغرامة المتلف و بدل القرض جاز بيعه ممن عليه قبل القبض لأنّ ملكه مستقر عليه فجاز بيعه كالمبيع بعد القبض وهل يجوز من غيره ففيه وجهان: أحدهما يجوز لأن ما جاز بيعه ممن عليه جاز بيعه من غيره كالوديعة. والثاني لا يجوز لعدم القدرة على التسليم، لأنّ المدين ربما منع الدين أو جحده وذٰلك غرر لا حاجة به إليه . والأوّل أظهر لأنّ الظاهر القدرة على التسليم من غير منع ولا جحود وإن كانت الدين نظرت فإن كان مسلمًا فيه لم يجز بيعه لما**

---

(۱) عام بیوع کے اندر جو چیز مبیع ہوتی ہے، بیع سلم کے اندر وہ ''مسلم فیہ'' کہلاتی ہے۔

روی أن ابن عباسؓ سئل عن رجل أسلف فی حلل دقاق فلم یجد تلک الحلل فقال آخذ منک مقام کل حلّة من الرقاق حلتین من الجل فکرهه ابن عباس وقال خذ برأس المال علفًا أو غنمًا ولأنّ الملک فی المسلم فیه غیر مستقر لأنه ربما تعذر فانفسخ البیع فلم یجز بیعه کالبیع قبل القبض وإن کان ثمنًا فی البیع ففیه قولان قال فی الصرف یجوز بیعه قبل القبض لماروی عن ابن عمر قال کنت أبیع الإبل بالبقیع بالدنانیز فآخذ الدراهم وأبیع الدراهم وآخذ الدنانیر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا بأس ما لم تتفرقا وبینکما شیء ولأنّه لا یخشی انفساخ العقد بالهلاک فصار کالمبیع بعد القبض.(۱)

ترجمہ:- دیون کے اندر دیکھا جائے گا کہ اگر ملکیت مستقر ہو (یعنی قرض خواہ کی اس پر ملکیت اور وصولیابی کا حق ثابت ہو چکا ہو) جیسے تلف کرنے والے پر ضمان اور قرض کا بدلہ تو مدیون کے ساتھ اس کی بیع جائز ہے کیونکہ اس اس کی ملکیت مستقر ہو چکی ہے۔ اور غیر مدیون کے بیع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک جائز ہے اور جس صورت میں مدیون کے ساتھ اس کی بیع جائز ہے اسی صورت میں غیر مدیون کے ساتھ بھی اس کی بیع جائز ہے جیسے ودیعت کی بیع۔ اور دوسری صورت مبیع کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے کیونکہ مقروض کبھی کبھی قرض نہیں دیتا یا انکار کر دیتا ہے اور یہ بلا وجہ کا غرر ہے۔ لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ قدرت علی

(۱) المهذب، الشیرازی (أبو إسحاق شیرازی) مصر، عیسی البابی الحلبی وشرکاه (۱/۲۶۳).
...الفقه الإسلامی وأدلته (۴/۳۳۴).

التسلیم کسی ممانعت یا انکار کے بغیر پائی جاتی ہے۔ اور اگر وہ قرض بیع سلم کے اندر مسلم فیہ کی صورت میں ہے تو اس کی بیع جائز نہیں جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے حلل (ریشمی لباس) کی سلم کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے ناپسندیدہ قرار دیا اور فرمایا کہ اپنا راس مال واپس لے لو اور دوسری بات یہ ہے کہ کبھی کبھی بیع سلم کو فسخ کرنے کی نوبت آتی ہے جس کی وجہ سے خود وہ شخص مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے محروم رہ جاتا ہے جو اس کی بیع آگے کر رہا ہے اس لئے اس کی آگے بیع کرنا گویا غیر مقدور التسلیم کی بیع کرتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرض بیع کا ثمن ہے تو اس میں دو قول ہیں (البتہ راجح قول کے مطابق اسکی بیع صرف میں قبل القبض جائز ہے جیسا کہ ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بقیع کے مقام پر دنانیر کے بدلے اونٹ بیچتا اور اس بدلے دراہم لیتا یا دراہم کے عوض بیچتا اور اس کے بدلے دینار لیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جدائی کے وقت کچھ لازم نہ ہو نیز اس میں عقد کے فسخ ہونے کا بھی کوئی خوف نہیں اس لئے گویا یہ بیع بعد القبض کی طرح ہوگئی۔

ابن القیمؒ کی رائے

ابن القیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ بیع کی مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی خواہ قرض بیچنے کا معاملہ مدیون سے کیا جائے یا غیر مدیون سے، دونوں صورتوں میں جائز ہے البتہ بیع الکالی بالکالی کی دونوں صورتوں کو وہ بھی ناجائز کہتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ "بیع الکالی بالکالی کے عدم جواز کے متعلق تو حدیث وارد ہوئی ہے اور اسکے ناجائز ہونے پر اجماع بھی ہو چکا ہے البتہ ان صورتوں خصوصاً غیر مقروض کے

نقد معاملے کے عدم جواز پر کوئی نص وارد نہیں ہوئی اور ہمارے شیخ امام ابنِ تیمیہ کا رُجحان بھی جواز کی طرف ہے اور ہم بھی اسے جائز سمجھتے ہیں اور اس کے جواز میں کوئی خرابی بھی نظر نہیں آتی اس لئے کہ نہ تو یہ ''بیع الکالی بالکالی'' ہے اور نہ اس جیسی صورت ہے اس لئے اسے ممنوع قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں''۔ (۱)

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی کی رائے

عصرِ حاضر کے مشہور محقق عالم دِین ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی کا خیال یہ ہے کہ مالکیہ کا مذہب دیگر مذاہب کے مقابلے میں راجح ہے چنانچہ آپ اس مسئلے پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

ويظهر لنا أن مذهب المالكية هو الراجح بين المذاهب. (۲)

پروفیسر ڈاکٹر الصدیق الضریر کی رائے

عصرِ حاضر کے ایک اور محقق پروفیسر ڈاکٹر الصدیق محمد امین الضریر کی رائے یہ ہے کہ قرض بیچنے کی تمام صورتیں جائز ہیں حتی کہ بیع الکالی بالکالی کی دونوں صورتیں بھی جائز ہیں بشرطیکہ ربا کی خرابی لازم نہ آئے۔ انکا کہنا ہے کہ بیع الکالی بالکالی کے متعلق جو روایات وارد ہوئی ہیں۔ یہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں لہٰذا ان کی بنیاد پر حرمت کا حکم لگانا مشکل ہے اور بیان کردہ ناجائز صورتوں میں ''غیر مقدور التسلیم'' ہونے کی جو خرابی ذکر کی گئی ہے، یہ بھی معتبر نہیں اس لئے کہ ہماری گفتگو اس قرض کے متعلق ہے جس کا مقروض اقرار کرتا ہے تو جب مقروض اسے تسلیم کرتا ہے تو اب بائع اس سے وہ قرض لے کر خریدار کے سپرد کرنے پر قادر ہے اور عصر حاضر میں ان معاملات سے بکثرت واسطہ بھی پڑتا ہے۔ اگر انہیں ناجائز قرار دیا جائے تو عوام کے لئے تنگی اور پریشانی کا باعث بنے گی اور یہ رائے اختیار کرنے میں فقہاء کے مذہب سے بالکلیہ اختلاف لازم نہیں آتا کیونکہ نقداً قرض کی

---

(۱) اعلام الموقعین (۱/ ۳۴۰).

(۲) الفقه الاسلامي وأدلته (۴/ ۴۳۵).

صورت میں تو اختلاف واضح ہے۔ اور یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اُدھار پر بیع الدین کرنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے اس لئے کہ مالکیہ نے بعض صورتوں کو چند شرائط کے ساتھ جائز کہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اجماع اس صورت میں ہو کہ جب یہ بیع اموال ربویہ میں ہو رہی ہو۔[1]

ترجیح

مذکورہ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس سلسلے میں حنفیہ کا مذہب راجح ہے۔ جہاں تک بیع الکالیٔ بالکالیٔ کی روایت کا تعلق ہے تو اگرچہ اس پر بعض محدثین جیسے دارقطنی اور ابن عدی وغیرہ نے کلام کیا ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ اس حدیث کو ناقابلِ استدلال کہنا درست نہیں اس لئے کہ حاکم نیشاپوریؒ نے اسے اپنی کتاب ''المستدرک'' میں نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ روایت امام مسلم کی شرائط پر اترتی ہے اور پھر علامہ ذہبیؒ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے جس سے اس کے معتبر ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ امام طحاویؒ نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں اس کو ذکر کر کے اسے دلیل کے طور پر بیان فرمایا ہے[2] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک بھی قابلِ استدلال ہے اور اگر یہ روایت متکلم فیہ بھی ہو تو عقلی قیاسات کے بجائے اس سے استدلال کرنا بہرحال بہتر ہے۔

عقلی اعتبار سے بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ "بیع الکالیٔ بالکالیٔ" کو ناجائز کہا جائے اس لئے کہ بیع کی حقیقت یہ ہے کہ متعاقدین رضامندی سے باہمی طور پر

---

(۱) الغرر وأثره في العقود ص: ۳۳۴: وأرى جواز بيع الدين مطلقًا أعني سواء بيع الدين للمدين أو لغيره بنقد أو بدين ما دام خاليًا عن الربا لأنه لم يرد نصّ يعتمد عليه في منع أي صورة من هذه الصور ودعوى عدم القدرة على التسليم غير مسلمة لأن كلامنا في دين معرف به لا فيما فيه خصومة، ثم إنّ بيع الدين قد تدعوا الحاجة إليه، وفيه مصلحة ظاهرة للمتعاقدين فلا يصح التضيق عليهم بمنعه وليس فيما ذهبت إليه خروج على رأى الفقهاء فقد رأينا اختلافهم في بيع الدين بالنقد وأمّا دعوى الإجماع على منع بيع الدين فغير مسلمة فقد جوزه المالكية بعض صوره كما ذكرنا ولعل الصورة المجمع على منعها في بيع الدين بالدين هي ما كان فيه الدين من الأموال الربوية.

(۲) شرح معاني الآثار، الطحاوي (أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي المصري الطحاوي ۲۳۹هـ-۳۲۱هـ) ملتان، مكتبة إمدادية (۲/ ۱۹۲).

مال کا تبادلہ کریں اور جس بیع کے اندر مال کا تبادلہ بالکل نہ ہو، نہ دونوں جانب سے اور نہ ایک جانب سے بلکہ محض زبانی جمع خرچ ہو تو اُس بیع کو جائز کہنا درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح بیع الدین نقداً کی صورت میں بھی غیر مقروض کے ساتھ معاملے کرنے کو جائز کہنا بھی مشکل ہے۔

موجودہ دور میں قرض بیچنے کی مختلف صورتیں

عصرِ حاضر میں قرض بیچنے کی متعدد صورتیں رائج ہیں۔ ان میں چند صورتیں اور ان کا حکم قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

ثمن بیچنے کی ایک صورت

قرض بیچنے کی ایک صورت ثمن بیچنے کی ہے۔ جس کو بذریعہ مثال یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ مثلاً زید نقد پر کھاد فروخت کرنے کی صورت میں پانچ سو روپے فی بوری کے حساب سے بیچتا ہے اور اُدھار کی صورت ساڑھے پانچ سو روپے پر۔ بکر اس کے پاس آیا اور کہا: میرے پاس نقد رقم موجود ہے، میں اس سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن میں خود کاروبار کرنا نہیں جانتا، میرے لئے نفع کمانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ زید اُسے کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو اُدھار پر کھاد کی بوری ساڑھے پانچ سو روپے میں فروخت کرتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ جب کوئی شخص مجھ سے اُدھار پر خریدنے آئے تو آپ مجھے پانچ سو روپے فی بوری کے حساب دے دیا کریں اور بعد میں اس سے ساڑھے پانچ سو وصول کر لیا کریں۔

فقہی اعتبار سے یہ صورت قرض کی بیع میں داخل ہے کہ زید کی جو رقم اس کے خریدار پر دو ماہ بعد ساڑھے پانچ سو روپے واجب تھی، اُسے زید نے پانچ سو روپے کے بدلے میں فروخت کر دیا۔ اور چونکہ یہ بیع غیر مقروض سے ہے اس لئے بیع الدین بنقد لغیر من علیہ الدین میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

جائز صورت

اس معاملے کی جائز صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بکر پہلے یہ سامان زید سے خریدے

اور خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعے اس پر قبضہ کرے اور پھر گاہک کو اُدھار پر زائد قیمت میں فروخت کردے۔

ملنے والی تنخواہ یا انعام کی بیع

قرض بیچنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے متعلقہ ادارے سے ملنے والی تنخواہ یا حکومت وغیرہ کی طرف سے ملنے والے انعام کو وصولی سے قبل فروخت کردے مثلاً زید کسی ادارے میں دس ہزار روپے پر ملازمت کرتا ہے۔ مہینہ پورا ہونے کے بعد کسی وجہ سے ادارہ تنخواہ کی فوری ادائیگی سے معذرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم آپ کو پندرہ روز بعد تنخواہ دے دیں گے۔ اُسے رقم کی فوری ضرورت ہے تو وہ بکر سے کہتا ہے کہ آپ مجھے میری ملنے والی تنخواہ کے بدلے میں ساڑھے نو ہزار روپے ابھی دے دیں اور میں اپنی تنخواہ کی رسید (Pay Check) پر دستخط کردیتا ہوں، پندرہ روز بعد آپ بینک جاکر پورے دس ہزار روپے وصول کر لیجئے گا۔ بکر اُسے قبول کر کے ساڑھے نو ہزار دے دیتا ہے اور پھر پندرہ روز بعد بینک سے پورے دس ہزار وصول کرتا ہے۔

یہ صورت "بیع الدین بنقد لغیر من علیه الدین" میں داخل ہونے کی سے ناجائز ہے۔ اس جیسی صورت کی ممانعت حدیث میں بھی مذکور ہے۔ مروان بن حکم کے دور میں ایک مرتبہ بعض لوگ سالانہ ملنے والے عطیات کی رسید فروخت کر رہے تھے تو حضرت ابوہریرہؓ نے اسے ناجائز قرار دیا جس کی وجہ سے مروان بن حکم نے ان رسیدوں کی خرید و فروخت پر پابندی لگادی۔[1]

اس کے علاوہ اس کی نظیر بیع الجامکیہ ہے جسے احناف نے ناجائز قرار دیا ہے۔ جامکیہ اس رقم کو کہا جاتا ہے جو سرکاری ملازمین کو بیت المال سے ملتی تھی۔[2]

---

(۱) الصحیح لمسلم، النیشابوری (ابوالحسن محمد بن حجاج بن مسلم القشیری النیشابوری) کراچی، قدیمی کتب خانه، الطبعة الثانیة ۱۳۷۵هـ-۱۹۵۶م (۵/۲): عن أبی هریرة أنه قال لمروان: أحللت بیع الصکاک وقد نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع الطعام حتی یستوفی، قال: فخطب مروان الناس فنهی عن بیعها. قال سلیمان: فنظرت الی حرس یاخذونها من أیدی الناس.

(۲) المنجد عربی اردو، کراچی، دارالاشاعت ص ۱۶۷۔

بیع الجامکیہ کی حقیقت اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

بیع الجامکیة: هو أن یکون لرجل جامکیة في بیت المال ویحتاج إلی دراهم معجلة قبل أن تخرج الجامکیة فیقول له رجل بعتني جامکیتک التي قدرها کذا وکذا أنقص من حقه في الجامکیة فیقول له: بعتک فهل البیع المذکور صحیح أم لا لکونه بیع الدین بنقد، أجاب: إذا باع من غیر من هو علیه کما ذکر لا یصح.[1]

ترجمہ:۔ بیع الجامکیہ یہ ہے کہ ایک شخص کی تنخواہ بیت المال کے ذمہ ہے لیکن اُسے تنخواہ ملنے سے پہلے اس کی ضرورت ہے تو کوئی اس سے کہتا ہے کہ آپ اپنی تنخواہ کی رقم اتنے روپے (جو تنخواہ سے کم ہوتے تھے) کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نے فروخت کی۔ کیا یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ حالانکہ یہاں قرض کی بیع نقد کی صورت میں ہو رہی ہے۔ جواب دیا کہ جب قرض کی بیع غیر مدیون سے کی جائے جیسا کہ مذکورہ صورت میں تو یہ صحیح نہیں۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اس کا اور ان جیسی دوسری صورتوں کا حکم بیان کرتے لکھتے ہیں:۔

الحقوق التي تثبت لصاحبها بعقود یعقدها هو أو غیرهٔ مثل رجل باع شیئًا فثبت له حق استیفاء الثمن أو أقرض أحدا، فثبت له حق استیفاء الدین أو أعلنت الحکومة له بجائزة فثبت له حق استیفاءِها فبیع مثل هذه الحقوق لیس بیعًا للحقوق في الحقیقة، وإنّما هو بیع لمال یتعلق به ذلک الحق وإنّه لا یجوز عند الحنفیة رحمہ اللہ تعالی لکونه بیع ما

---

(۱) ردّالمحتار للشامي مع التنویر وشرحه الدرالمختار (۵۱۷/۴).

لیس عند الإنسان ویدخل في هٰذا القسم بیع العطایا والارزاق والبرآآت وبیع حظوظ الأئمة وبیع الجامکیة.[1]

ترجمہ:- وہ حقوق جو کسی آدمی کے لیے کسی عقد وغیرہ کی وجہ سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً کسی آدمی نے کوئی چیز بیچی جس کی قیمت وصول کرنے کا اُسے حق ہے یا کسی کو قرض دیا جس کے واپس لینے کا اُسے حق ہے یا حکومت نے اس کے لیے کسی انعام کا اعلان کیا جس کے وصول کرنے کا اُسے حق ہے تو اِن جیسے حقوق کی بیع دراصل حقوق کی بیع نہیں بلکہ اس مال کی بیع ہے جو ان حقوق کے ساتھ متعلق ہے اور حنفیہ کے نزدیک ان کی بیع جائز نہیں اس لئے کہ یہ "بیع الدین من غیر من علیه الدین" یا "بیع ما لیس عند الانسان" (ایسی چیز کی بیع جو انسان کے پاس نہیں ہے، کی بیع) ہے۔ اور اسی قسم میں عطایا، تنخواہیں، براآت اور ائمہ کرام کے وظیفے اور جامکیہ کی بیع شامل ہے۔

سندات (Documents) کی خرید وفروخت

دَین کی خرید وفروخت کی ایک صورت دَین کی مختلف سندات (Documents) کی خرید وفروخت ہے۔ پہلے زمانے میں بھی ان کی خرید وفروخت کا رواج تھا۔ البتہ اس کا رواج کاروباری سطح پر نہ تھا بلکہ عام طور پر مختلف عاملین اپنے عطایا کی رسیدیں اور سندات دوسروں کو فروخت کر کے ان سے فوری رقم لے لیتے اور پھر ان سے خریدنے والا شخص وقت آنے پر بیت المال سے رسید پر درج عطیہ کی مقدار وصول کرلیتا۔ اس رسید یا سند کو عربی میں "صک" یا "براءۃ" کہتے ہیں۔

علامہ شامی اس کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:-

براآت جمع برائة، وهي الأوراق التي یکتبها کتّاب الدیوان

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/۳۶۲).

على العالمين على البلاد بحظ كعطاء أو على الأكارين بقدر ما عليهم وسميت براءة لأنه يبرأ بدفع ما فيها.[1]

ترجمہ:- براآت براءة کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ رسیدیں ہیں جو اصحاب الدیوان عاملین کے لیے کسی رقم مثلاً عطا لکھ کر بھیجتے یا کاشت کاروں کی طرف ان کے واجبات لکھ کر بھیجتے اور اسے براءة اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر درج رقم کو ادا کر کے آدمی بری ہوجاتا ہے۔

صک یا براءة کی خرید و فروخت بھی شرعاً ناجائز ہے اس لئے کہ یہ "بیع الدین من غیر من علیہ الدین" میں داخل ہے۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ اس کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

بيع البراآت التي يكتبها الديوان على العمال لا يصح.[2]

ترجمہ:- برآت کہ جنہیں اصحاب الدیون عاملین کے لئے لکھتے ہیں ان کی خرید وفروخت صحیح نہیں۔

بل آف ایکسچینج (Bill of Exchange) کی بیع

قرض کی خرید و فروخت کی ایک اہم مروجہ صورت بل آف ایکسچینج (Bill of Exchange) کی بیع ہے۔ بل آف ایکسچینج کو اُردو میں "ہنڈی" اور عربی میں "کمبیالة" کہتے ہیں۔

بل آف ایکسچینج ایک خاص قسم کی دستاویز ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی تاجر اپنا مال فروخت کرتا ہے تو خریدار کے نام بل بناتا ہے۔ بعض اوقات اس بل کی ادائیگی کسی آئندہ تاریخ میں واجب ہوتی ہے۔ اس بل کو دستاویزی شکل دینے کے لئے مدیون اس کو منظور کر کے اس پر دستخط کر دیتا ہے کہ میرے ذمے فلاں تاریخ کو اس بل کی

---

(۱) رد المحتار (۵۱۶/۴)۔

(۲) الدر المختار مع ردّ المحتار (۵۱۶/۴)۔

ادائیگی واجب ہے۔ اس بل پر ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوتی ہے، اس تاریخ کے آنے کو انگریزی میں (Maturity) اور عربی میں "نضج الکمبیالة" کہتے ہیں اور اس تاریخِ ادائیگی کو (Maturity Date) کہا جاتا ہے۔

بل آف ایکسچینج پر ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوتی ہے۔ بائع اسی تاریخ پر مدیون سے اپنا قرضہ وصول کرسکتا ہے لیکن اگر بائع کو رقم کی فوری ضرورت ہو تو وہ یہ بل کسی تیسرے شخص یا بینک کے پاس لے جاتا ہے۔ بینک اس پر لکھی ہوئی رقم میں کٹوتی کرتا ہے گویا بائع اس بل پر لکھی ہوئی رقم سے کم میں بینک کو فروخت کرتا ہے مثلاً اگر یہ بل سو روپے کا ہے اور ادائیگی کی تاریخ تین ماہ بعد ہے تو بینک اُسے پچانوے روپے میں خرید لیتا ہے۔ اس عمل کو اُردو میں ''بٹہ لگانا'' اور عربی میں "قطع الکمبیالة" اور انگریزی میں (Discounting of the Bill of Exchange) کہتے ہیں۔

پھر جب ادائیگی کی مدت کچھ قریب آتی ہے تو یہ بینک اسی بل کو کسی اور شخص یا بینک کے ہاں فروخت کردیتا ہے۔ ادائیگی کی مدت قریب ہونے کی وجہ سے دوسرا شخص یا بینک اُسے کچھ زیادہ قیمت دیتا ہے مثلاً مذکورہ مثال میں اُسے چھیانوے روپے میں خرید لیتا ہے۔ اسطرح ادائیگی کی تاریخ آنے سے قبل اس بل کی کئی مرتبہ بیع ہوتی ہے اور تاریخ ادائیگی جتنی قریب ہوتی ہے اتنی ہی اسکی قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے البتہ اس پر لکھی ہوئی قیمت سے بہرحال کم رہتی ہے۔

عام طور پر بینک بل آف ایکسچینج کی ڈسکاؤنٹنگ کرتے ہیں اور یہ بینکوں کے قصیر المعیاد قرضوں میں داخل ہوتا ہے اسلئے کہ اس بل کی ادائیگی کی تاریخ تقریباً تین ماہ سے چھ ماہ تک ہوتی ہے۔

یہ معاملہ بھی "بیع الدین لغیر من علیه الدین" میں داخل ہوکر ناجائز ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ فروخت کنندہ کچھ عرصہ بعد ملنے والی رقم کو کسی تیسرے کے ہاتھ کم قیمت پر نقد فروخت کردیتا ہے۔

جائز صورت:

بل آف ایکسچینج کی خرید وفروخت کے مذکورہ طریقۂ کار پر عمل کرنے کے بجائے ضرورت کے مواقع پر اسکی متبادل جائز صورت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

متبادل جائز صورت یہ ہے کہ تاجر خریدار سے اپنا دین (قرض) وصول کرنے کے لئے بینک کو وکیل بنائے اور اسے وکالت کی مقررہ اجرت دے پھر اس بینک سے بل پر لکھی ہوئی رقم کے بعد قرض لے لے اور بینک وکیل ہونے کی حیثیت سے قرضہ وصول کرنے کے بعد تاجر کو دیئے ہوئے قرض کے بدلے میں وصول کرلے۔

بیان کردہ اس صورت میں دو معاملات الگ الگ ہوں گے۔ پہلا معاملہ متعین اجرت کے بدلے میں بینک کو وکیل بنانے کا ہوگا اور دوسرا معاملہ بینک سے قرض لینے اور بینک کو خریدار سے ملنے والی رقم پر اپنے قرض کے بدلے میں قبضہ دینے کا اختیار ہوگا۔ البتہ یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی معاملہ دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہو کیونکہ اس صورت میں "صفقتان فی صفقةٍ" (یعنی ایک عقد میں دو معاملے کرنے) کی خرابی لازم آتی ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے۔ لہٰذا اس طرح دو جائز معاملے الگ الگ ہوں گے کیونکہ متعین اجرت پر کسی کو وکیل بنانا بھی جائز ہے اور بلا سود قرض لینا بھی جائز ہے۔[1] تنخواہ، قرض اور انعامات وغیرہ کی بیع میں اسی جائز صورت کو اپنایا جاسکتا ہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/۳۶۳): هذه المعاملة يمكن تصحيحها بتغير طريقها وذلك أن يؤكل التاجر البنك باستيفاء دينه من المشترى ويدفع إليه أجرة على ذلك، ثم يستقرض منه مبلغ الكمبيالة ويأذن له أن يستوفي هذا القرض مما يقبض من المشترى بعد نضج الكمبيالة، فيكون هناك معاملتان مستقلتان: الأولى معاملة التوكيل باستيفاء الدين بالأجرة المعينة، والثانية: معاملة الاستقراض من البنك والإذن باستيفاء القرض من الدين المرجو وصوله بعد نضج الكمبيالة، ولا يجوز أن تكون إحدى المعاملة شرطًا للأخرى لئلا تكون صفقة في صفقة، فتصح كلتا المعاملتين على أسس شرعية، أمّا الأولى فلكونها توكيلًا بالأجرة وذلك جائز وأمّا الثانية فلكونها استقراضًا من غير شرط زياده وهو جائز أيضًا.

ضروری وضاحت:

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ "بیع الدین" کی جتنی مروّجہ صورتیں ذکر کی گئی ہیں، ان کے ناجائز ہونے کی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ "**بیع الدین لغیر من علیہ الدین**" میں شامل ہیں بلکہ اس کے ساتھ ان تمام صورتوں میں نقد کو نقد کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنے کی خرابی بھی پائی جاتی ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے لہٰذا ایسا متبادل جائز تجویز کیا گیا ہے جس میں مذکورہ دونوں خرابیاں نہ ہوں۔

بابِ ششم
مبیع کے مبنی بر خطر ہونے کے اعتبار سے غرر

مبیع کے مبنی بر خطر ہونے کے اعتبار سے غرر کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں بنیادی صورتیں تین ہیں۔

۱......غیر مملوک کی بیع

۲......بیع قبل القبض

۳......بیع المعدوم

ذیل میں ان پر قدرے وضاحت سے بحث کی جاتی ہے۔

غیر مملوک چیز بیچنے کا حکم

غیر مملوک اشیاء کی خرید و فروخت کی حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں حکیم بن حزامؓ سے مروی ایک حدیث بمع ترجمہ یہ ہے:-

عن حكيم بن حزام قال: أتيت رسول صلى الله عليه وسلم فقلت: يأتيني الرجل ليسألني من البيع ماليس عندي. أبتاع له من السوق ثم أبيعه، قال: لا تبع ما ليس عندک.[1]

ترجمہ:- حکیم بن حزام فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک آدمی آ کر یہ کہتا

---

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عندک، حديث: ۱۲۳۲، سنن البيهقي الكبرىٰ (۵/۲۶۷) حديث: ۱۰۲۰۲، سنن أبي داوٗد، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، حديث: ۳۵۰۳.

ہے میں اسے وہ چیز بیچوں جو میرے پاس نہیں ہے (یعنی میری ملکیت میں نہیں) تو کیا میں ایسا کرسکتا ہوں کہ بازار سے کوئی چیز خرید کر پھر اسے بیچ دوں۔ آپ نے فرمایا: جو چیز تیرے پاس نہیں ہے اس کی بیع نہ کر۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ غیر مملوک اشیاء کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ اس بیع کے ناجائز ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

شرط انعقاد البیع أن یکون المبیع مملوکاً للبائع عند البیع، فإن لم یکن لاینعقد وإن ملکه بعد ذلک بوجه من الوجوه إلاّ السلم خاصة وهذا بیع مالیس عنده ونهی رسول صلی الله علیه وسلم عن بیع ما لیس عند الإنسان.[1]

ترجمہ:- بیع منعقد ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ بیع کے وقت بائع بیچی جانے والی چیز کا مالک ہو، اگر اس وقت وہ اس کا مالک نہ ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی، اگرچہ بعد میں کسی وجہ سے اس کا مالک بن گیا ہو البتہ صرف بیع سلم میں یہ شرط نہیں۔ اسے "بیع ما لیس عند الإنسان" (یعنی ایسی چیز کی بیع جو انسان کے پاس نہیں) کہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا ہے۔

علامہ باجی مالکیؒ فرماتے ہیں:-

یجب أن یکون (المبیع) معیناً ویکون فی ملکه فإن لم یکن فی ملکه وکان معیناً لم یصح لما فیه من الغرر لأنّه لا یمکنه تخلیصه وإذا لم یقدر علیٰ تخلیصه لم یمکنه تسلیمه وما لا یمکن تسلیمه لا یصح بیعه، لذٰلک لم یجز بیع العبد الآبق

(۱) بدائع الصنائع (۱۴۷/۵).

والجمل الشارد والطير في الهواء والسمک في الماء وغير ذٰلک مما لا يمکن تسليمه.[1]

ترجمہ:- بیع صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مبیع متعین ہو اور بائع اس کا مالک ہو اگر وہ بائع کی ملکیت میں نہیں لیکن معین ہے تو اسکی بیع صحیح نہیں کیونکہ اس میں غرر پایا جاتا ہے اس لئے کہ عقد کے وقت اسے دوسرے کی ملکیت سے چھڑانا ممکن نہیں اور جب اسے چھڑانا ممکن نہیں تو اسے خریدار کے سپرد کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس کی بیع صحیح نہیں اور جسے خریدار کے سپرد کرنا ممکن نہ ہو اس کی بیع صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھگوڑے غلام، سرکش اُونٹ، ہوا میں موجود پرندے اور سمندر میں موجود مچھلی اور اس جیسی دیگر اشیاء جن میں بائع مبیع سپرد کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ان کی بیع صحیح نہیں۔

علامہ شیرازیؒ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع ما لا يملکه من غير إذن مالکه لما روى حکيم بن حزام أنّ النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تبع ما ليس عندک ولأن ما لا يملکه لا يقدر على تسليمه فهو کالطير في الهواء أو السمک في الماء.[2]

ترجمہ:- غیر مملوک چیز کو مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں جیسا کہ حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو تمہارے پاس نہیں ہے، اسے مت بیچو'' اور اس لئے کہ جس چیز کا بائع مالک نہیں وہ اسے خریدار کے سپرد کرنے پر قادر نہیں تو یہ صورت ہوا میں موجود پرندے اور پانی میں موجود مچھلی کی بیع کی طرح ہوگئی۔

---

(۱) المنتقى شرح المؤطا (۲۸۶/۴).

(۲) المهذب (۲۶۲/۱).

علامہ ابنِ قدامہ عدم جواز کا حکم لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:-

ولا نعلم فی ذٰلک خلافًا.[1]

ترجمہ:- اس مسئلے میں کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں۔

گویا اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ غیر مملوک اشیاء کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

جواز کی صورتیں

۱- بیع الوکیل

البتہ اگر مالک کی طرف سے اجازت ہو اور بیچنے والا شخص اس کے وکیل ہونے کی حیثیت سے بیع کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ علامہ شیرازیؒ نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ صورۃً یہ غیر مملوک کی بیع ہے لیکن حقیقت میں یہ چیز اس کے اصل مالک کی طرف سے فروخت کی جارہی ہے اس لئے یہ بیع نافذ ہوجائے گی۔

۲- بیع الفضولی

اسی طرح اگر کوئی کسی کی کوئی چیز اس کی طرف سے اجازت ملنے سے پہلے فروخت کردے لیکن عقد ہونے کے بعد اصل مالک اس کی اجازت دے تو یہ بیع بھی نافذ ہوجائے گی اسے فقہ کی اصلاح میں ''بیع الفضولی'' کہا جاتا ہے۔

بعد میں مالک کا اس بیع کو جائز قرار دینا گویا خود بیع کرنا ہے اس لئے اس بیع کے جائز ہونے کے لئے یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ اصل مالک کی اجازت کے وقت بائع (فضولی) خریدار اور مبیع موجود ہوں، اور اگر اس کی قیمت سامان کی شکل میں ہے تو وہ بھی موجود ہو اس لئے کہ اصل بیع کے صحیح اور منعقد ہونے کے لئے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے لہٰذا مالک کی اجازت ملنے پر جو بیع حکماً ہو رہی ہے، اس میں بھی ان چیزوں کا ہونا ضروری ہوگا۔

---

(۱) المغنی (۳۵۹/٦).

علامہ تمرتاشیؒ اور علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:-

(وحكمه) أي بيع الفضولي ..... (مقبول الإجازة) من المالك (إذا كان البائع والمشتري والمبيع قائمًا) بأن لا يتغير المبيع بحيث يعد شيئًا آخر لأن إجازته كالبيع حكمًا (وكذا) يشترط قيام (الثمن) أيضًا (لو) كان عرضًا (معينًا) لأنه مبيع من وجهٍ.[1]

ترجمہ:- بیع فضولی کا حکم یہ ہے کہ یہ اصل مالک کی اجازت کو قبول کرتی ہے (یعنی مالک کی طرف سے اجازت ملنے پر اس کی طرف سے نافذ ہوتی ہے) بشرطیکہ بائع، مشتری اور مبیع موجود ہوں اور مبیع اس طرح خراب نہ ہوئی ہو کہ کوئی دوسری چیز سمجھی جانے لگے اور ان چیزوں کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ یہ اجازت ملنا ایسے ہی ہے جیسا کہ حکماً بیع کا ہونا۔ اسی طرح اگر قیمت متعین سامان کی شکل میں ہو تو اس کا موجود ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ بھی ایک طرح کا مبیع ہوتا ہے۔

۳- بیع سلم

اسی طرح بیع سلم کی صورت میں بھی غیر مملوک کی بیع کو استحساناً جائز قرار دیا گیا، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ کی ذکر کردہ عبارت میں اسکا اشارہ موجود ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس بیع میں فروخت کنندہ کو مبیع ایک عرصہ کے بعد خریدار کے حوالے کرنا ہوتی ہے۔ اگر اس وقت وہ اسکی ملکیت میں نہ بھی ہو تو بھی وہ مقررہ وقت پر اسے کہیں سے خرید کر مسلم الیہ کے حوالے کرسکتا ہے۔

---

(۱) تنوير الأبصار للتمرتاشي مع الدر المختار للحصكفي (۵: ۱۱۳)۔

غیر مقبوض چیز بیچنے کا حکم

دوسری صورت غیرِ مقبوض کی خرید وفروخت ہے۔ متعدد احادیث میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے خریدی گئی چیز کو آگے فروخت کرنا جائز نہیں۔ ذیل میں چند احادیث بمعہ ترجمہ تحریر کی جاتی ہیں۔

۱- عن ابن عباسؓ أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه. قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله.(۱)

ترجمہ:- ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کھانے کی چیز خریدی تو وہ اس کو اس وقت آگے فروخت نہ کرے جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ حکم ہر چیز کے بارے میں ہے۔

۲- عن ابن عمر: كنّا في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم نبتاع الطعام، فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله من المكان الّذى ابتعناه فيه الىٰ مكانٍ سواه قبل أن نبيعه.(۲)

ترجمہ:- ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب ما يذكر في الطعام والحكرة (۲/۲۸۶). الصحيح لمسلم، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض حديث ۳۸۱۰، سنن أبي داود، باب كراهية الطعام حتّى يستوفيه (۱/۱۵۵)، مسند أحمد في مسند ابن عباس (۱: ۳۵۲، ۲۷۰، ۲۸۵) سنن النسائي، باب بيع الطعام قبل أن يستوفي (۲/۲۱۸). نیز یہی روایت ابنِ عمرؓ سے بھی مروی ہے، ملاحظہ فرمایئے: الصحيح للبخاري بحواله بالا، سنن أبي داود بحواله بالا، الصحيح لمسلم كتاب البيوع، حديث: ۳۸۱۴.

(۲) الصحيح للبخاري، الصحيح لمسلم، حديث: ۳۸۱۵، سنن أبي داوٗد بحواله بالا، سنن النسائي باب النهي عن بيع ما اشترى من الطعام بكيل حتّى يستوفي (۲/۲۱۷)، مسند أحمد في مسند ابن عمر (۲: ۲۲، ۲۳، ۶۴).

زمانے میں کھانے کی چیز خریدتے تھے۔ آپ نے ایک آدمی کے ذریعے یہ حکم بھجوایا کہ ہم اس کو آگے فروخت کرنے سے پہلے اس جگہ سے کہیں اور منتقل کرلیں۔

۳- عن نافع عن ابن عمر أنَ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من اشترى طعامًا فلا يبعه حتّى يستوفيه. قال: وكنّا نشترى الطعام من الركبان جزافًا، فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نبيعه حتّى ننقله من مكانه.[۱]

ترجمہ:- ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کھانے کی چیز خریدے اسے اس وقت تک آگے نہ بیچے جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم باہر سے آنے والوں سے کھانے کی اشیاء خریدتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان چیزوں کو اپنے ہاں منتقل کرنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا۔

۴- عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ابتاع طعامًا فلا يبعه حتّى يكتاله. فقلت لابن عباس: لم فقال: ألا تراهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجأ.[۲]

ترجمہ:- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کھانے کی چیز خریدی وہ اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک اسے ناپ نہ لے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس طرح تو وہ گویا دینار کے بدلے دینار فروخت کرتے ہیں اور طعام

---

(۱) الصحيح لمسلم بحواله بالا.

(۲) الصحيح لمسلم، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، حديث: ۳۸۱۶.

مؤخر ہوتا ہے (جس کی وجہ سے گویا وہ درمیان سے نکل جاتا ہے)۔

۵- عن حکیم بن حزام قال: قلت یا رسول اللہ! إنی أبتاع هذه البیوع، فما یحل لی منها وما یحرم علی؟ قال: إذا اشتریت بیعاً فلا تبعه حتی تقبضه.[1]

ترجمہ:- حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خرید وفروخت کا معاملہ کرتا ہوں، میرے لئے کیا جائز اور کیا ناجائز ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تم کسی چیز کو خریدو تو اسے اس وقت تک فروخت نہ کرنا جب تک اس پر قبضہ نہ کرلو۔

بیع قبل القبض کے متعلق فقہائے کرام کے اقوال

مذکورہ بیع کے جواز اور عدمِ جواز کے متعلق فقہائے کرام کے کئی قسم کے اقوال ملتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنابلہ

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء (طعام) کی بیع تو قبل القبض ناجائز ہے البتہ باقی اشیاء کو قبضے سے پہلے فروخت کیا جا سکتا ہے۔اگر چہ امام احمد بن حنبل سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ تمام اشیاء کی بیع قبل القبض ناجائز ہے لیکن علامہ ابن قدامہ کی تصریح کے مطابق راجح روایت یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء کے علاوہ دیگر اشیاء کی خرید و فروخت بھی قبل القبض جائز ہے۔آپ لکھتے ہیں:-

وأما غیر ذلک فیجوز بیعه قبل قبضه فی أظهر الروایتین

---

(۱) مسند أحمد ابن حنبل (الإمام أحمد بن حنبل) بیروت، المکتب الاسلامی (۴۰۲/۳)۔ اور بیہقی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: یا ابن أخی لا تبیعن شیئاً حتی تقبضه (اے بھتیجے! تم ہرگز کسی چیز کو اس وقت تک فروخت نہ کرنا جب تک اس پر قبضہ نہ کرلو) ملاحظہ فرمائیے: السنن الکبری للبیهقی (۳۱۳/۵)۔

ویروی مثل ھذا عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وسعید بن المسیب والحکم وحماد والأوزاعی وإسحاق وعنہ روایۃ أخری وھو لا یجوز بیع شئ قبل قبضہ۔[1]

ترجمہ:- راجح قول کے مطابق طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے۔ اسی طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، الحکم، حماد، اوزاعی اور اسحاق رحمہم اللہ سے مروی ہے اور امام احمد سے ایک اور روایت مروی ہے کہ کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

جہاں تک کھانے کی اشیاء کے علاوہ دیگر اشیاء کی خرید و فروخت قبل القبض کا تعلق ہے تو وہ حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، اور وہ اس سلسلے میں درج ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں:-

۱......عن ابن عمر قال: کنت أبیع الابل بالبقیع بالدنانیر فآخذ الدراھم وأبیع الدراھم وآخذ الدنانیر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا بأس ما لم تتفرقا وبینکما شیء۔[2]

ترجمہ:- ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بقیع کے مقام پر دنانیر کے بدلے اونٹ بیچتا اور اس کے بدلے دراہم لیتا یا دراہم کے عوض بیچتا اور اس کے بدلے دینار لیتا۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جدائی کے وقت کچھ لازم نہ ہو۔

۲- عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر وکنت علی رکب صعب۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمر بعنیہ فباعہ۔ فقال النبی صلی اللہ

---

(۱) المغنی لابن قدامۃ (۶:۱۸۸، ۱۸۹)۔

...... انظر ایضًا فتح الباری (۵/۲۵۳)۔

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، جامع الترمذی، باب ماجاء فی الصرف (۱/۱۴۹)۔

علیہ وسلم ھو لک یا عبد اللہ.[1]

ترجمہ:- حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ساتھ تھا اور میں ایک اڑیل اُونٹنی پر سوار تھا۔ (یہ اُونٹنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا یہ مجھے بیچ دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: لے لیجئے، یہ آپ کی ہے یا رسول اللہ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر سے فرمایا: عبداللہ اب یہ تیری ہے۔

۳- عن عامر حدثني جابر بن عبدالله :أنه كان على جمل له قد أعيا، فأراد ان يسيبه، قال فلحقني النبي صلى الله عليه وسلم، فدعا لي، وضربه فسار سيرا لم يسر مثله، قال: بعنيه بوقية، قلت: لا، ثم قال: بعنيه بوقية، واستثنيت عليه حملانه إلى أهلي، فلما بلغت أتيته بالجمل، فنقدني ثمنه، فأرسل في إثري، فقال، أتراني ما كستك لآخذ جملك، خذ جملك ودراهمك ،فهو لك.[2]

۳...... حضرت عامر کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ (جنگ تبوک میں) ایک اڑیل اُونٹنی پر سوار تھے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، اسے مارا جس کی وجہ سے وہ اتنی تیز ہوگئی کہ کوئی اور اُونٹنی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) الصحيح للبخاري، البيوع، باب إذا وهب بعير الرجل وهو راكب فهو جائز، رقم الحديث: ۲۱۱۱.

(۲) الصحيح لمسلم، البيوع، رقم الحديث: ۳۰۶۱.

(۳) المغني (۲/ ۱۹۰).

نے فرمایا کہ مجھے یہ ایک اوقیہ کے بدلے فروخت کردو۔ میں نے انکار کیا۔ آپ نے دوبارہ پیشکش کی تو میں نے ایک اوقیہ کے بدلے اسے فروخت کر دیا اور یہ شرط لگائی کہ مدینہ تک تو میں اس پر سوار رہوں گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردوں گا۔ (آپ نے اس شرط کے ساتھ اُونٹنی خرید لی)۔ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے اُونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردی اور آپ نے اس کی قیمت بھی ادا کردی لیکن جب میں واپس لوٹا تو آپ نے بلوا کر فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھے تھے کہ میں تمہاری اُونٹنی روک لوں گا۔ اپنی اُونٹنی بھی لے لو اور اپنے دراہم بھی، یہ سب تمہارا ہے۔

پہلی روایت سے استدلال کرتے ہوئے علامہ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں:-

هذا تصرف في الثمن قبل قبضه وهو أحد العوضين.(۱)

ترجمہ:- یہ ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا ہے۔ حالانکہ ثمن بھی ایک عوض ہے۔ (تو جب ایک عوض پر قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے تو دوسرے پر بھی جائز ہوگا)۔

دُوسری روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

هذا ظاهره التصرف في المبيع بالهبة قبل قبضه.(۲)

ترجمہ:- حدیث کے ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے ہبہ کیا (تو معلوم ہوا کہ قبل القبض بیع بھی جائز ہے)۔

تیسری روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:-

واشترى من جابر جمله ونقده ثمنه ثم وهبه اياه قبل قبضه.(۳)

(۱) المغني (۶/۱۹۰).

(۲و۳) المغني بحواله بالا.

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے اُونٹ خریدا اور انہیں قیمت ادا کی اور پھر وہ قیمت واپس لے کر قبضہ کرنے سے پہلے ہی انہیں ہبہ کردی۔

۴- ان کے علاوہ شروع میں ذکر کردہ روایات میں سے جو احادیث کھانے کی اشیاء کی خرید وفروخت سے متعلق ہیں وہ ان کے مفہومِ مخالف سے استدلال کرتے ہیں، یعنی ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں، اس کے مفہومِ مخالف سے معلوم ہوا کہ طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے۔[1] اور بقیہ روایات کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ضعیف ہیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں:-

فأمّا أحاديثهم فقد قيل: لم يصح منها إلّا حديث الطعام وهو حجة لنا بمفهومه. فإنّ تخصيصه الطعام بالنهي عن بيعه قبل قبضه يدل علىٰ إباحةِ ذٰلك فيما سواه.[2]

ترجمہ:- جمہور نے جن احادیث سے استدلال کیا۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان میں طعام والی احادیث کے علاوہ باقی سب ضعیف ہیں اور ان احادیث کا مفہومِ مخالف ہماری دلیل ہے اس لئے کہ ممانعت کو طعام کے ساتھ خاص کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیگر اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

مالکیہ

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء میں سے بھی صرف ان چیزوں کی بیع قبل القبض ناجائز ہے جو مکیلی اور موزونی ہیں یعنی جنہیں ناپ کر یا تول کر بیچا جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی چیز انکل کے طور پر خریدی گئی تو مالکیہ کے ہاں اس کی بیع قبل القبض جائز ہوگی۔

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے روایت نمبر ۱ تا ۴۔

(۲) المغنی (۶/۱۹۰)۔

علامہ اُبّیؒ مالکیؒ لکھتے ہیں:-

ومنعه مالک في المكيل والموزون من الطعام خاصةً.[1]

اِمام مالک نے صرف کھانے کی اشیاء میں سے مکیلی اور موزونی اشیاء کی بیع قبل القبض کو ناجائز کہا ہے۔

اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں یہ ہے کہ ''جس نے کھانے کی چیز خریدی، وہ اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک اسے ناپ نہ لے۔''[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکیلی اشیاء کو قبل القبض فروخت کرنا جائز نہیں۔ اور چونکہ مکیلی اور موزونی اشیاء ایک ہی حکم میں ہیں اسلئے موزونی اشیاء کی بیع بھی قبل القبض ناجائز ہوگی۔ چنانچہ علامہ اُبّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وتعلق من منع في كل المكيلات والموزونات بقوله حتى يكتاله فجعل العلة الكيل، أجرى سائر المكيلات والموزونات مجرى واحد.[3]

ترجمہ:- مکیلی اور موزونی اشیاء کے اندر بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی علت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ''یہاں تک کہ وہ کیل کرلے'' آپ نے کیل کو علت قرار دیا اور مکیلی اور موزونی اشیاء دونوں ایک ہی حکم میں ہوتی ہیں۔

شوافع اور اِمام محمد کا مذہب

شافعیہ اور احناف میں سے اِمام محمد بن الحسن رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ تمام اشیاء میں بیع قبل القبض ناجائز ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

---

(۱) اكمال المعلم شرح صحيح مسلم، الأبيّ (ابو عبدالله محمد بن خلفة الوشتاني الأبيّ المتوفى سنة ۸۲۷ هـ) بيروت، المكتبة العلمية (۱۸۹/۳).

(۲) ملاحظہ فرمایئے روایت نمبر۲۔

(۳) إكمال اكمال العلم، شرح صحيح مسلم بحواله بالا.

إنّ مذهبنا بطلانه مطلقًا سواء كان طعامًا أو غيره وبه قال ابن عباس ثبت ذٰلک عنه ومحمد بن الحسن.[1]

ترجمہ:- ہمارا مذہب یہ ہے کہ بیع قبل القبض مطلقاً ناجائز ہے خواہ کھانے کی اشیاء میں ہو یا کسی اور چیز میں۔ یہی قول ابنِ عباسؓ سے مروی ہے اور یہی محمد بن الحسن کا قول ہے۔

ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے ہے:-

وأحسب كل شيء مثله.[2]

ترجمہ:- میرے نزدیک ہر چیز کا حکم یہی ہے (کہ ان کی بیع قبل القبض جائز نہیں)۔

امام شافعی رحمہ اللہ ابنِ عباسؓ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

وبهٰذا نأخذ، فمن ابتاع شيئًا كائنًا ما كان، فليس له أن يبيعه حتى يقبضه.[3]

ترجمہ:- ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں لہٰذا اگر کسی شخص نے کوئی بھی چیز خریدی تو اس کے لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔

نیز ان کا استدلال حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت سے بھی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کرنے سے پہلے ہر قسم کی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا۔[4]

---

(۱) المجموع شرح المهذب (۹/۲۷۰).

(۲) ملاحظہ فرمائیے روایت نمبر۴۔

(۳) كتاب الأم، الشافعي (الإمام محمد بن إدريس الشافعي ۱۵۰هـ-۲۰۴هـ) بيروت، دار قتيبة، الطبعة الأولىٰ ۱۴۱۶هـ-۱۹۹۶م (۲/۲۲۷).

(۴) ملاحظہ فرمائیے: روایت نمبر۵۔

امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کا مذہب

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ[1] کا مذہب یہ ہے کہ زمین کے علاوہ دیگر تمام اشیاء میں بیع قبل القبض مطلقاً ناجائز ہے اور زمین میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زمین ایسی ہو کہ جس کی ہلاکت کا اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً وہ کسی نہر کے کنارے ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں سیلاب آتا ہو تو ایسی زمین پر بھی قبضہ کرنے سے پہلے اسے آگے فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر ایسی زمین ہے کہ جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں تو اس کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

من اشترى شيئًا مما ينقل ويحول لم يجز بيعه حتّٰى يقبضه لأنه عليه الصلاة والسلام نهى عن بيع ما لم يقبض ولأنّ فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله لا يجوز.[2]

ترجمہ:۔ جس نے کسی منقولی چیز کو خریدا تو اس پر قبض کرنے سے پہلے اس کے لئے یہ چیز آگے بیچنا جائز نہیں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا نیز مبیع کے ہلاک ہونے کا چونکہ قوی احتمال ہے اس لئے اس میں عقد کے فسخ ہونے کا غرر پایا جاتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک زمین کی بیع قبل القبض جائز ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ منقولی اشیاء کی بیع قبل القبض کو ان روایات کی بنیاد پر ناجائز کہتے ہیں جن میں بیع قبل القبض سے منع کیا گیا اور اس کے ناجائز ہونے کی عقلی

---

(۱) انہیں ''شیخین'' کہا جاتا ہے۔

(۲) الهداية مع فتح القدير (۲-۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷).

دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں اس بات کا قوی احتمال موجود ہے کہ بیچنے والے شخص کے قبضے میں آنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہوجائے لہٰذا جب پہلا عقد ہی ختم ہوگیا تو اس عقد کی بنیاد پر بائع نے جو دوسرا عقد کیا تھا وہ بھی خود بخود باطل ہوجائیگا گویا اسطرح دوسرے عقد میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہوگئی جو کہ غرر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر سے منع فرمایا۔ البتہ ایسی زمین کی خرید وفروخت قبل القبض جائز ہے جن کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ اس صورت میں مذکورہ علت موجود نہیں لیکن اگر زمین ایسی ہو کہ جس کے بارے میں ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو جیسے نہر یا دریا کے کنارے کی زمین تو اس کی بیع قبل القبض ناجائز ہوگی۔ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

إنّ هلاک العقار نادر والنادر لا عبرة له ولا يبنى الفقه باعتبار فلا يمنع الجواز وهذا لا يتصوّر هلاكه إلا إذا صار بحرا أو نحوه حتّى قال بعض المشايخ أنّ جواب أبي حنيفة في موضعٍ لا يخشى عليه أن يصير بحرًا أو يغلب عليه الرمال فأمّا في موضع لا يؤمن عليه ذٰلک لا يجوز. [1]

ترجمہ:- زمین کا ہلاک ہونا نادر الوقوع ہے اور نادر الوقوع معاملات پر شرعی مسائل مبنی نہیں ہوتے لہٰذا اس کی بیع جائز ہوگی لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب اس زمین کا ہلاک ہونا متصور نہ ہو یہاں تک کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول اس زمین کے متعلق ہے جسکے سمندر میں تبدیل ہونے یا اس پر ریت کے غالب آنے کا اندیشہ نہ ہو اور جس زمین کے بارے میں یہ اندیشہ ہو، اسکی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

ترجیح:

مذکورہ تمام اقوال اور ان کے دلائل پر غور کرنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ اس

(۱) فتح القدير مع الهداية (۱۳۶/۵).

مسئلے میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک راجح ہے، اسلئے کہ شریعت کا یہ مسلّم اصول ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کو خریدنے کے بعد اسے اپنے ضمان میں نہیں لیتا، اس کے لئے اس پر نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "ربح ما لم یضمن" سے منع فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک خریدی گئی چیز خریدار کی ضمان میں نہ آئے اس وقت تک اس کے لئے اس پر نفع لینا جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی چیز کسی کی ضمان میں اسی وقت منتقل ہوتی ہے جب وہ اس پر قبضہ کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ حکم عام ہے اسلئے بیع قبل القبض کی ممانعت کو صرف کھانے کی اشیاء کیساتھ خاص کرنا درست نہیں خصوصاً جبکہ حضرت حکیم بن حزام کی روایت میں ممانعت کا یہ حکم تمام اشیاء کے متعلق ہے۔ نیز عصرِ حاضر میں جبکہ بیع قبل القبض کے متعدد مفاسد سامنے آرہے ہیں تو ایسی صورت میں بیع قبل القبض کی ممانعت کو صرف طعام کے ساتھ خاص کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ البتہ جس زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہواس کے اندر بھی اصولی طور پر تو بیع قبل القبض ناجائز ہونی چاہئیے لیکن اسے اس لئے جائز کہا جا سکتا ہے کہ قبضہ سے اصل مقصود ضمان کی منتقلی ہے یعنی خریدار کا اس ذمہ داری کو قبول کرنا ہے کہ وہ چیز اس کے پاس آنے کے بعد آگے فروخت ہونے سے پہلے اگر ہلاک ہو گئی تو یہ نقصان اس کا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ان چیزوں کے ساتھ ہے جن میں ہلاکت کا اندیشہ ہو اور جس زمین میں یہ اندیشہ نہیں، اس صورت میں قبضہ کو لازم قرار دینا بھی ضروری نہیں ہوگا۔ دوسری وجہ وہی ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ نے ذکر فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین کی بیع قبل القبض کے اندر غرر کی خرابی نہیں پائی جاتی۔[1] البتہ عصرِ حاضر میں جس طرح پلاٹوں کی خرید وفروخت کا انتہائی تیز رفتار کاروبار چل نکلا ہے ایسی صورت میں امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرنا بلاشبہ احتیاط پر مبنی ہے۔

---

(۱) الهداية مع فتح القدير (۱۳۶/۶) ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز.

عدم جواز کی علت کے بارے میں فقہاء کرام کی آراء

اس بات پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے، البتہ غیر مقبوض چیز کی بیع کے ناجائز ہونے کی علت میں قدرے اختلاف واقع ہوا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں اس کی ممانعت کی وجہ "ربا" سے بچانا ہے۔علامہ باجی لکھتے ہیں:۔

ومن جهة المعنى أن ذلك ممنوع حفظة وحراسة وتوقيه من الربا.[1]

ترجمہ:۔ اس کے ناجائز ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس عقد کو ربا سے بچایا جائے۔

اس علت کی بنیاد ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:۔

يتبايعون بالذهب والطعام مرجأ.[2]

ترجمہ:۔ دینار کے بدلے دینار فروخت ہوگا اور طعام مؤخر ہوگا۔

ظاہر ہے جب ایک شخص کوئی چیز آگے بیچے گا تو اس پر کچھ نفع بھی لے گا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق چونکہ رقم کے مقابلہ میں رقم ہے اس لئے یہ نفع سود بن جائے گا۔لہٰذا مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ اس سود سے بچانے کے لئے شریعت نے غیر مقبوض چیز کی خرید وفروخت سے منع فرمایا۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کی ممانعت کی علت وہ "غرر" ہے جو "عقد فسخ ہونے" کے نتیجے میں پیدا ہو یعنی اس بات کا قوی احتمال ہو کہ بائع کے "قبضہ" کرکے

---

(۱) المنتقى (۲۸۰/۴).

(۲) ملاحظہ فرمائیے: روایت نمبر۴۔

خریدار کو حوالے کرنے سے قبل وہ چیز ہلاک ہو جائے لہٰذا جب پہلی بیع ہی فسخ ہو جائے گی تو نئے خریدار کو مطلوبہ چیز کا ملنا غیر یقینی ہوگا۔ اس کا نام ''غرر'' ہے علامہ کاسانی فرماتے ہیں:-

من شروط الصحة، القبض في بيع المشتري المنقول فلا يصحّ بيعه قبل قبضه ولأنّه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه لأنّه إذا هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الأوّل، فينفسخ الثاني، لأنّه بناه على الأوّل وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع فيه غرر. (۱)

ترجمہ:- بیع صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ اگر مبیع منقولی ہو تو اس پر قبضہ کر لیا جائے لہٰذا ایسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں انفساخ عقد کا غرر پایا جاتا ہے اس لئے کہ اگر قبضہ کرنے سے پہلے وہ مبیع ہلاک ہوگئی تو پہلی بیع باطل ہو جائیگی نتیجتاً دوسری بیع بھی فسخ ہو جائے گی کیونکہ وہ پہلی بیع پر مبنی ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمادیا جس میں غرر ہو۔

علامہ شیرازی فرماتے ہیں:-

لأنه ربما هلك فانفسخ العقد، وذلك غرر من غير حاجة فلم يجز. (۲)

ترجمہ:- کیونکہ بعض مرتبہ مبیع ہلاک ہو جاتی ہے جس سے پہلا عقد فسخ ہو جاتا ہے اور یہ غرر ہے جو شرعی حاجت کے بغیر ہے، لہٰذا یہ بیع جائز نہیں۔

علامہ ابنِ قدامہؒ لکھتے ہیں:-

---

(۱) بدائع الصنائع (۱۸۰/۵).

(۲) المهذب (۲۶۲/۱).

لـٰـكن ما يتوهم فيه غرر الانفساخ بهلاک المعقود عليه لم يجز بناء على عقد آخر عليه تحرزًا من الغرر.(۱)

ترجمہ:- لیکن بیع کی جن صورتوں میں مبیع کے ہلاک ہونے پر عقد کے فسخ ہونے کا غرر لازم آتا ہے، وہ صورتیں جائز نہیں کیونکہ اس کی بناء ایک دوسرے عقد پر ہے اور یہ حکم اس لئے ہے تاکہ غرر سے بچا جا سکے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کی رائے

علامہ ابنِ تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ عدمِ جواز کی علت "غیر مقدور التسلیم" ہونا ہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلا بائع یہ چیز دوسرے بائع کے حوالے نہ کرے خصوصاً جبکہ اس کی یہ چیز زیادہ نفع پر بکنے لگے تو اس کی کوشش یہی ہوگی کہ اسے دوسرے شخص کے ہاتھوں فروخت کرے۔ لہٰذا ایسی صورت میں دوسرا بائع اس مبیع کو خریدار کے حوالے نہیں کر سکے گا۔(۲)

علامہ ابنِ تیمیہؒ کی بیان کردہ علت کا حاصل بھی "غرر" ہے اس لئے کہ مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا بھی "غرر" میں داخل ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں بھی عدمِ جواز کی علت غیر مقدور التسلیم ہونا ہی ہے اس لئے کہ پہلی بیع کے فسخ ہونے کا احتمال اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مبیع کی سپردگی غیر یقینی ہو۔ لہٰذا یوں سمجھا جائے گا کہ ان تمام حضرات کے نزدیک عدمِ جواز کی اصل علت تو "غیر مقدور التسلیم" ہونا ہے البتہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں اس کی وجہ پہلی بیع کے اندر "فسخ کا احتمال" ہے، جبکہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک "بائع اوّل کی طرف سے مبیع سپرد نہ کرنے کا احتمال" ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا لازم آتا ہے۔

---

(۱) المغنی (۶/۱۹۱)۔

(۲) الإختيارات العلمية لابن تيمية مع الفتاوى ص:۷۵، بحواله الغرر وأثره في العقود ص:۳۵۹۔

ایک مخصوص علت اور اس کی تطبیق

بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ "ربح مالم یضمن" ہے یعنی ایسی چیز پر نفع حاصل کرنا جو خود بائع کی ضمان میں نہیں آئی۔ ربح مالم یضمن کی ممانعت احادیث میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:-

لا یحل سلف وبیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح ما لم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک.[1]

ترجمہ:- بیع اور قرض (یا سلم) اور ایک بیع کے اندر دو شرطیں لگانا، ربح ما لم یضمن اور غیر مملوک کی بیع جائز نہیں۔

فقہائے کرام نے ایک قاعدہ ذکر فرمایا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

الغنم بالغرم.[2]

ترجمہ:- نفع بقدر غرامت (ضمان) ہوتا ہے۔

اس قاعدہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کا ضمان یا مؤنت برداشت نہیں کرتا اس کے لئے اس پر نفع لینا جائز نہیں۔ اس کی متعدد مثالیں ہیں، مثلاً:-

۱- شرکت کا عقد اس شرط کے ساتھ صحیح ہے کہ ہر شریک نفع اور نقصان میں برابر کا شریک ہو، لیکن اگر کوئی فریق نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو یہ عقد فاسد ہوجاتا ہے۔

۲- اسی طرح امانت سے نفع اٹھانا اس لئے ناجائز ہے کہ وہ چیز امین کے ضمان

---

(۱) الجامع للترمذی، باب کراهية بيع ما ليس عنده.

(۲) المبسوط للسرخسی، کتاب الولاء (۸/ ۸۱).

.....فيه أيضا باب العبد بين رجلين يأذن له أحدهما (۲۵/ ۴۳).

.....رد المحتار، مطلب في قولهم الغرم بالغرم.

..فيه أيضا كتاب الفرائض.

الهداية، كتاب الولاء.

میں نہیں آتی۔

چونکہ بیع قبل القبض میں یہ خریدار خریدی گئی چیز کا ضمان نہیں اُٹھاتا اس لئے کہ شرعاً اسے اس پر نفع لے کر آگے فروخت کرنے کا بھی حق نہیں۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم لکھتے ہیں:-

حدیث عبداللہ بن عمرو دلّ علی أنّ العلة فی النهی عن بیع المبیع قبل القبض هی أنّه یستلزم ربح مالم یضمن.[1]

ترجمہ:- عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضے سے پہلے مبیع کو فروخت کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں "ربح ما لم یضمن" کی خرابی پائی جاتی ہے۔

مختلف اشیاء میں قبضہ کی حقیقت

غیر مقبوض اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم ذکر کرنے کے بعد قبضہ کی حقیقت بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس بات کا فیصلہ کرنا آسان ہو کہ کون سے مقامات پر قبضہ پایا جاتا ہے اور کہاں قبضہ متحقق نہیں ہوتا۔

فقہائے کرام کی بیان کردہ تشریح کے مطابق قبضہ کے متحقق ہونے کے لئے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱- بائع مبیع اور خریدار کے درمیان ہر قسم کی رکاوٹ کو ختم کردے۔

۲- خریدار کو اس مبیع پر تصرف کرنے کا پورا اختیار ہو۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:-

التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن القبض بلا مانع ولا حائل.[2]

---

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/۳۵۳).

(۲) الدر المختار مع الرد (۴/۵۶۱).

ترجمہ:- تسلیم (سپرد کرنے) کی حقیقت یہ ہے کہ مبیع اور خریدار کے درمیان اس طرح تخلیہ ہو جائے کہ وہ کسی حائل اور مانع کے بغیر اس پر قبضہ کر سکے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

هو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلمًا للمبيع والمشتري قابضًا له.[1]

ترجمہ:- قبضہ یہ ہے کہ بائع خریدار اور مبیع کے درمیان حائل کو اس طرح ختم کر دے کہ خریدار کو اس پر تصرف کرنے کا پورا اختیار ہو۔ (جب یہ دونوں باتیں پائی جائیں گی تو) یوں سمجھا جائے گا کہ بائع نے مبیع اس کے حوالے کر دی اور خریدار نے اس پر قبضہ کر لیا۔

البتہ مختلف اشیاء کے اندر قبضہ کے متحقق ہونے کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں اس لئے فقہائے کرام نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے:-

قبض كل شيء بحسبه.[2]

ترجمہ:- ہر چیز کا قبضہ اس کی حقیقت کے مطابق ہوتا ہے۔

زمین پر قبضہ متحقق ہونے کی صورت یہ ہے کہ بائع خریدار کے لئے رکاوٹ کو ہٹا کر اس پر تصرف کرنے کا پورا اختیار دے دے۔ البتہ منقولات کے اندر قبضہ متحقق ہونے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے، جس کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع (۵/۲۴۴).

(۲) المغني (۶/۱۸۶).

انظر أيضا رد المحتار (۴/۵۶۱).

المجموع شرح المهذب (۹/۲۸۳).

المغني (۶/۱۸۷).

الإنصاف للمرادي (۴/۴۸۱).

حنفیہ

حنفیہ کے ہاں منقولات کے اندر بھی تخلیہ سے قبضہ متحقق ہوجاتا ہے۔تاہم اس تخلیہ کی کیفیت مختلف اشیاء میں مختلف ہوسکتی ہے۔

علامہ ابنِ عابدینؒ فرماتے ہیں:-

انّ التخلیة قبض حکمًا لو مع القدرة علیه بلا کلفة لٰکن ذٰلک یختلف بحسب حال المبیع ففی نحو حنطة فی بیتٍ مثلًا فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض وفی نحو دارٍ فالقدرة علی إغلاقها قبض أی بأن تکون فی البلد فیما یظهر، وفی نحو بقر فی مرعی فکونه بحیث یری ویشار إلیه قبض وفی نحو ثوب فکونه بحیث لو مد یده تصل إلیه قبض وفی نحو فرسٍ أو طیر فی بیت إمکان أخذه منه بلا مُعین قبض۔[1]

ترجمہ:-تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہے بشرطیکہ خریدار کو بلاتکلف اس کے استعمال کرنے کی قدرت حاصل ہو اور یہ مختلف اشیاء میں مختلف ہوتی ہے مثلاً اگر کسی کمرے میں رکھی ہوئی گندم کو فروخت کیا گیا تو بائع اس کمرے کی چابیاں خریدار کے حوالے کردے جن سے کسی مشقت کے بغیر دروازہ کھولا جاسکتا ہے تو یہ قبضہ ہے اور اگر گھر بیچا گیا ہے تو اس صورت میں تو خریدار کو اس کے تالا لگانے کی قدرت کا حاصل ہونا قبضہ ہے اور اس کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ وہ گھر شہر میں ہے اور چراگاہ میں موجود جانور پر قبضہ اس وقت سمجھا جائے گا کہ اسے دیکھا جائے اور اس کی طرف اشارہ کیا جائے اور کپڑے پر قبضہ اس وقت ہوگا اگر

(۱) ردّ المحتار مع الدر (۴/۵۶۲)۔

اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جائے تو وہ اس تک پہنچ جائے اور کسی مکان میں موجود گھوڑے یا پرندے پر قبضہ اس وقت متحقق ہوگا جب اسے کسی مددگار کے بغیر پکڑا جا سکے۔

امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ جب کسی چیز کو ممتاز کر کے اس کا تخلیہ کر دیا جائے تو اس پر قبضہ ہو جاتا ہے۔

علامہ ابنِ قدامہؒ فرماتے ہیں:۔

وقد روى أبو الخطاب عن أحمد روايةً أخرى، أنّ القبض في كل شيء بالتخلية مع التميز لأنه خلى بينه وبين المبيع من غير حائل فكان قبضًا له كالعقار. [1]

ترجمہ:۔ ابو الخطاب امام احمد سے ایک روایت نقل کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہر چیز پر قبضہ اس وقت متحقق ہو جاتا ہے جب اسے ممتاز کر کے اس کا تخلیہ کر دیا جائے کیونکہ اس صورت میں بائع نے مبیع اور خریدار کے درمیان کسی حائل کے بغیر تخلیہ کر دیا تو یہی اس چیز کا قبضہ ہے جیسے زمین (کا قبضہ)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں غیر منقولہ اشیاء کا قبضہ عرف پر مبنی ہے، عرف میں جس عمل کو قبضہ سمجھا جاتا ہے اس سے قبضہ متحقق ہو جائے گا۔

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:۔

والقبض في غيره أي غير العقار من حيوان وعرض يكون بالعرف. [2]

---

(۱) المغني (۱۸۶/۲).

(۲) الشرح الصغير، الدردير (أبو البركات أحمد بن محمد بن احمد الدردير) مصر، دار المعارف، الطبعة الأولى (۳: ۲۰۰). انظر أيضًا مواهب الجليل للحطاب (۴، ۴۸۸).

ترجمہ:- زمین کے علاوہ دیگر اشیاء جیسے حیوان اور سامان وغیرہ کا قبضہ عرف کے تابع ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

قال أصحابنا الرجوع فی القبض إلی العرف وهو ثلاثة أقسام (أحدها) العقار والثمر علی الشجر فقبضه بالتخلیة (والثانی) ما ینقل فی العادة كالأخشاب والحبوب والحیتان ونحوها فقبضه بالنقل إلٰی مكان لا اختصاص للبائع به نقل إلی ملک المشتری أو مواتٍ أو شارع أو مسجد أو غیره ..... (والثالث) ما یتناول بالید كالدراهم والدنانیر والمندیل والثوبِ والإناء الخفیف ونحوها فقبضه بالتناول.(۱)

ترجمہ:- ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ قبض کے سلسلے میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور وہ عرف تین طرح کا ہے: ۱-زمین اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں پر قبضہ تخلیہ سے سمجھا جائے گا۔ ۲-جن چیزوں کو عرفاً منتقل کیا جاتا ہے جیسے لکڑی اور مختلف اشیاء کے دانے، بیج اور کڑیاں وغیرہ تو انہیں منتقل کرنے سے قبضہ متحقق ہوگا اور اگر مبیع ایسی جگہ ہے جو بائع کے ساتھ خاص نہیں جیسے بے آباد زمین، مسجد یا سڑک وغیرہ یا ایسی جگہ ہے جو خریدار کے ساتھ خاص ہے تو اس صورت میں خریدار کی جگہ کی طرف منتقل کرنا کافی ہے۔ ۳-جن چیزوں کو ہاتھ میں دیا جاتا ہے تو ان پر ہاتھ میں دینے سے قبضہ متحقق ہوگا، جیسے دراہم، دنانیر، رومال کپڑے اور چھوٹے برتن وغیرہ۔

---

(۱) المجموع شرح المهذب (۹/۲۷۶).
أنظر أيضا روضة الطالبین (۳:۵۱۵).

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

قد ذكرنا أنّ القبض في العقار ونحوه بالتخلية وفي المنقول بالنقل وفي المتناول باليد بالتناول وبه قال أحمد. [1]

ترجمہ:- ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ قبض کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ زمین میں تخلیہ سے، منقولی اشیاء میں منتقل کرنے سے اور ہاتھ میں پکڑنے والی چیزوں میں ہاتھ میں دینے سے قبضہ متحقق ہوتا ہے اور یہی قول امام احمدؒ کا ہے۔

الانصاف میں ہے:-

ويحصل القبض فيما يباع بالكيل والوزن بكيله ووزنه وفي الصبرة وما ينقل بالنقل وفيما يتناول بالتناول وفيما عدا ذلك بالتخلية. [2]

ترجمہ:- کیلی اور موزونی چیزوں میں ناپنے اور وزن کرنے سے اور گندم کے ڈھیر اور منقولی چیز میں منتقل کرنے سے اور ہاتھ میں پکڑنے والی چیزوں میں ہاتھ میں دینے سے، ان کے علاوہ دیگر اشیاء میں تخلیہ سے قبضہ متحقق ہو جائے گا۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ زمین کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق یہ ہے کہ تخلیہ سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے البتہ منقولی اشیاء میں بھی احناف کا مذہب ''تخلیہ'' کا ہے تاہم مختلف اشیاء میں

---

(۱) المجموع (۹/۲۸۳).

...... انظر أيضا المغني (۴/۱۸۶).

...... المحرر في الفقه ص:۳۲۳.

(۲) الإنصاف، المرداوی (علاء الدين أبوالحسن علي بن سليمان المرداوی) بيروت، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الثانية، ۱۴۰۰ھ–۱۹۸۰م (۴/۴۸۰).

تخلیہ کی کیفیات مختلف ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان اشیاء کا قبضہ عرف کے تابع ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ احناف نے تخلیہ کو اصل بنیاد بنایا لیکن مختلف اشیاء کے اندر اس کی مختلف کیفیت کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ نے عرف کو بنیاد قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ عرفاً کسی چیز کا قبضہ متحقق ہونے کے لئے کم از کم تخلیہ ضروری ہے۔ لہٰذا یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے، حقیقی نہیں۔

قبضہ سے متعلق یہی بات هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية (AAOFI) کی ذیلی مجلس "المجلس الشرعي" کے تحت ان الفاظ میں طے ہوئی:-

إنّ كيفية قبض الأشياء تختلف بحسب حالها واختلاف الأعراف فيها يكون قبضًا لها، فكما يكون القبض حسيًّا في حالة الأخذ باليد أو النقل أو التحويل إلى حوزة القابض أو وكيله تحقيق أيضًا اعتبارًا حكمًا بالتخلية مع التمكين من التصرف ولو لم يوجد القبض حسًّا فقبض العقار يكون بالتخليه وتمكين اليد من التصرف، فإن لم يتمكن المشترى من البيع فلا تعتبر التخلية قبضًا، وأمّا المنقول فقبضه يكون حسب طبيعته.[1]

تخلیہ کی شرائط

فقہائے کرام نے تخلیہ کے متحقق ہونے کے لئے درج ذیل شرائط کو ضروری قرار دیا ہے:-

۱- بائع کی طرف سے مبیع پر قبضہ کرنے کی اجازت ہو اور یہ اجازت دینا مختلف طریقوں سے ہوسکتا ہے مثلاً زبان سے کہہ دے یا لکھ کر اجازت دے یا خریدار کے آگے

---

(۱) المعايير الشرعية، المعيار رقم: (۸) المرابحة للآمر بالشراء ص: ۱۲۲۔

رکھ دے وغیرہ۔ غرضیکہ عرف میں جس عمل کو اجازت دینا سمجھا جاتا ہے، وہ معتبر ہے۔

۲- مبیع خریدار کے سامنے ایسی جگہ موجود ہو کہ خریدار کسی مانع اور تکلیف کے بغیر اسے حاصل کر سکے البتہ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مبیع کچھ دور بھی ہو لیکن وہ اسے با آسانی حاصل کر سکے تو بھی تخلیہ پایا جائے گا۔

۳- مبیع کسی دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ اگر دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول ہو تو تخلیہ متحقق نہ ہوگا، مثلاً بیچی گئی گندم اگر بائع کی بوریوں میں ہے تو یہ تخلیہ معتبر نہیں کیونکہ یہ بائع کی چیز کے ساتھ مشغول ہے۔[1]

بیع قبل القبض کے نقصانات

شریعتِ مطہرہ نے بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیکر بہت سے مفاسد اور خرابیوں کا سدّ باب کیا ہے۔ عصرِ حاضر میں بہت سے ایسے معاملات وجود میں آچکے ہیں، جہاں بیع قبل القبض ہوتی ہے، جس کی وجہ سے معاشرے کو شدید نقصانات اور پریشانیوں کا سامنا ہے۔ بطور مثال چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

(۱) فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی الهندية، قاضي خان، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ (۲۵۸/۲): قال أبو حنيفة التخلية بين المبيع والمشتري تكون قبضا بشرائط ثلاثة: أحدها أن يقول البائع خليت بينک وبين المبيع فاقبضه ويقول المشتري قبضت، والثاني ان يكون المبيع بحضرة المشتري بحيث يصل إلى أخذه من غير مانع، والثالث أن يكون المبيع مفرزا غير مشغول بحق الغير فإن كان شاغلا في حق الغير كالحنطة، في جوالق البائع وما أشبه ذلک فذلک يمنع التخليه.

... في الدر المختار مع الرّد (۵۶۲/۴): أن يقول خليت بينک وبين المبيع.

. في ردالمحتار تحته: الظاهر أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية.

...... أنظر أيضًا: الشرح الصغير (۱۹۹/۳، ۲۰۰).

... روضة الطالبين (۵۱۵/۴).

...... الإنصاف للمرداوي (۴۸۱/۴).

۱- مہنگائی

بیع قبل القبض کا ایک بنیادی نقصان یہ ہے کہ اسکی وجہ سے معاشرہ مہنگائی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ درآمدات اور برآمدات کے کاروبار میں عام طور پر بیع قبل القبض کی جاتی ہے جس کی وجہ سے درآمد ہونے والی اشیاء مہنگے داموں مارکیٹ میں فروخت ہوتی ہے اور غریب عوام پر ناقابلِ برداشت بوجھ ڈالا جاتا ہے مثلاً ایک تاجر کسی ملک سے بحری جہاز کے ذریعے سیاہ مرچ منگواتا ہے جب اس نے یہ مرچ خریدی تو یہ سودا دو لاکھ میں طے ہوا۔ سودا ہونے کے بعد اور اس تک سامان پہنچنے سے پہلے درمیان میں کتنے مزید معاملات طے ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی اور تاجر اس سے یہی سامان ڈھائی لاکھ میں خرید لیتا ہے، اس سے تیسرا تاجر تین لاکھ میں اور پھر چوتھا تاجر ساڑھے تین لاکھ میں خریدتا ہے اس طرح اس کی بیع ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ درآمد کنندہ کے پاس سامان پہنچنے تک اس کی قیمت دس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

اب جب وہ سامان بندرگاہ پر پہنچتا ہے تو آخری تاجر دس لاکھ کے بدلے وصول کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اس پر کچھ منافع رکھ کر آگے مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے۔ تو وہ مال جس کی اصل قیمت دو لاکھ تھی مارکیٹ میں جانے سے پہلے پانچ گنا مہنگا ہوگیا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سیاہ مرچ جس کی بازاری قیمت پندرہ روپے فی کلو ہونی چاہئے تھی، اب بازار میں پچھتر روپے کلو کے حساب سے فروخت ہوتی ہے۔ اگر قبضے سے متعلق شریعت کے حکم کو مدِنظر رکھا جائے تو پہلا خریدار اس وقت تک اسے آگے فروخت نہیں کرسکتا جب تک وہ اس سامان پر قبضہ نہ کرے اور اس طرح کرنے سے عوام مہنگائی کے بوجھ سے بچ جائے گی۔[1]

۲- ربا اور غرر

عدمِ جواز کی علت کے ذیل میں گذرا ہے کہ اس بیع کی ناجائز ہونے کی وجہ

---

(۱) انظر: تکملة فتح الملهم (۳۵۴/۱).

مالکیہ کے ہاں ''ربا'' اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں ''غرر'' ہے۔ یہ دونوں عناصر معاشرے کے لئے انتہائی نقصان دہ اور مضر ہیں۔ شریعت نے بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دے کر ان دونوں مفسدات کا روک تھام کیا۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:۔

إنّ الحكمة في النهي أصلًا عن بيع ما لم يقبض: هي أنّ هذا البيع يشبه الربا إذ إنّ المشترى إذا دفع دراهمه إلى البائع في سلعته ثم عمد إليها، فباعها قبل أن يقبضها، فكأنمّا دفع دراهمه واستفاد بها ربحًا لمجرد دفعها إلى البائع دون القيام بعمل مّا وهٰذا شبيه بالربا، ثم إنّ في هذا البيع غررًا ناشئًا عن عدم القدرة على التسليم.(۱)

ترجمہ:۔ غیر مقبوض کی بیع کو بالکل ناجائز قرار دینے کی حکمت یہ ہے کہ یہ بیع سود کے مشابہ ہے اس لئے کہ اس میں خریدار بائع کو دراہم دے کر قبضہ کرنے سے پہلے آگے بیچ دے دیتا ہے چونکہ اس نے محض بائع کو دراہم دے کر یہ نفع حاصل کیا، عملی طور پر کوئی کام نہیں کیا تو یہ عمل سود کے مشابہ ہے اس کے علاوہ اس میں مبیع ''غیر مقدور التسلیم'' ہونے کی وجہ سے ''غرر'' کی خرابی پائی جاتی ہے۔

۳۔ مزدور طبقے کے لئے نقصانات

بیع قبل القبض کی وجہ سے ایک اور معاشی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس کی وجہ سے مزدور طبقے کو بے روزگاری اور مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ اگر مبیع پر قبضہ ضروری ہو تو خریدار مزدوروں کے ذریعے وہ چیز اُٹھوا کر اپنے قبضہ میں لائے گا لیکن اگر بڑی بڑی چیز کو آگے بیچا جاتا رہا تو اس طرح ان مزدوروں کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا روزگار اس کام کے ساتھ وابستہ ہے اور ملنے والا نفع سارا تاجر کی جیب میں جائے گا۔

---

(۱) الفقه الاسلام وأدلته (۴/ ۴۰۲ تا ۴)۔

ڈاکٹر صدیق الضریر لکھتے ہیں:

إنّ في بيع السلع قبل قبضها حرمانًا لعددٍ كبير من العمال الذين يقومون بالكيل والحمل، فإنّ التاجر يفضل أن يبيع السلعة وهي في مكانها ما دام يجد ربحًا، ثم إن لو أبحنا للتجار بيع السلع قبل قبضها، فإن أسعارها ترتفع فهي في مكانها فتعود الفائدة كلّها إلى طبقة التجار، ولا ينال العامل فائدة من هذه العمليات في حين أنّه يناله ضرر للعامل، أمّا منع بيع السلع قبل قبضها فإن فيه مصلحة للعمال ولا ضرر فيه على التجار.[1]

ترجمہ:- سامان کی بیع قبل القبض کرنے سے ان بہت سے مزدوروں کو روزگار سے محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ناپنے (تولنے) اور سامان کوایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا کام کرتے ہیں اس لئے کہ جب تاجر کواسی حال میں نفع ملنے کی توقع ہوتی ہے تو اسے وہیں رکھ کر بیچنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اب سامان کے اپنی جگہ پر ہونے کے باوجود اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے جس کا سارا فائدہ تاجر کو ہوتا ہے اور مزدوروں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ انہیں گرانی کے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس عمل میں مزدور کا نقصان ہے جبکہ بیع قبل القبض سے منع کرنے میں مزدور کا بھی فائدہ ہے اور تاجر کا کوئی نقصان نہیں۔

(۱) الغرر وأثره في العقود ص: ۳۵۹.

سٹہ (Speculation) اور اس کی حقیقت

سٹہ جو عصرِ حاضر میں بہت زیادہ رواج پکڑ چکا ہے اس کے اندر غیر مملوک کی بیع اور بیع قبل القبض کا دخل ہے۔ سٹہ دراصل اس معاملے کو کہتے ہیں کہ جس میں بائع اور خریدار میں سے کسی کا ارادہ عملاً مبیع پر قبضہ کرنے کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں قیمتوں کا فرق برابر کر کے نفع کمایا جاتا ہے۔

آج کل تجارتی کمپنیوں کے شیئرز میں یہ کاروبار کافی رواج پذیر ہے کہ ایک شخص کسی کمپنی کے شیئرز (Shares) جس کی فی الحال قیمت دس روپے فی شیئر ہے، ایک مہینہ ادائیگی کے وعدے پر گیارہ روپے میں خرید لیتا ہے، پھر قبضہ کرنے سے پہلے بارہ روپے فی شیئر فروخت کرتا ہے۔ دوسرا تاجر اسے آگے فروخت کرتا ہے اس طرح مقررہ تاریخ آنے تک کئی ہاتھوں میں اس کی بیع ہو جاتی ہے اور جب مقررہ تاریخ آتی ہے تو شیئرز حوالے کرنے کے بجائے اس دن شیئرز کی قیمت دیکھ کر قیمتوں کا فرق برابر کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح بعض کو محنت اور کسی چیز کا ضمان اٹھائے بغیر لاکھوں روپے کا نفع جبکہ بعض کو لاکھوں روپے کا خسارہ ہوتا ہے۔

سٹہ کا یہ طریقہ صرف تجارتی کمپنیوں کے شیئرز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام اجناس میں بھی جاری ہے مثلاً زید نے یہ حساب لگایا کہ آج گندم کی قیمت دس روپے فی کلو ہے اور آہستہ آہستہ اس کی قیمت گر رہی ہے لیکن وہ اپنے تجارتی تجربے کی بنیاد پر اندازہ لگاتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس کی قیمت زیادہ ہو جائیگی تو زید نے سوچا کہ ابھی گندم فروخت کردوں اور جب قیمت کم ہوگی تو دوبارہ خرید لوں گا۔ اس نے بکر سے کہا کہ میں دس روپے فی کلو کے حساب سے دو مہینے کی ادائیگی پر پچاس من گندم تمہیں فروخت کرتا ہوں حالانکہ

اس کے پاس گندم بالکل نہیں۔ بکر نے اسی تاریخ پر ساڑھے دس روپے فی کلو کے حساب سے یہ گندم خالد کو فروخت کر دی۔ اسی طرح سودے ہوتے رہے، جب ادائیگی کا وقت آیا تو سب نے مل کر حساب کیا کہ اس خرید و فروخت کے نتیجہ میں کس کو کتنا نقصان اور کتنا نفع ہوا۔ اور پھر اسی حساب سے لین دین کر لیا۔ اس عمل کو ''ڈیفرینس برابر کرنا'' کہتے ہیں۔[1]

سٹہ کے ناجائز ہونے کی وجوہات

سٹہ کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دو خرابیاں پائی جاتی ہیں

۱۔ غیر مملوک کی بیع

عام طور پر بیچی جانے والی چیز (مثلاً شیئرز یا گندم وغیرہ) فروخت کرنے والے شخص کے پاس مبیع موجود نہیں ہوتی لیکن وہ اسے اس امید پہ آگے فروخت کرتا ہے کہ جب دینے کا وقت آئے گا تو وہ اس وقت بازار سے خرید کر آگے دے گا۔ تو اس طرح یہ غیر مملوک کی بیع بن جاتی ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

۲۔ بیع قبل القبض

اس کے ساتھ ساتھ سٹہ کے جو معاملات ہوتے ہیں، وہ بیع قبل القبض کی صورت میں ہوتے ہیں کہ اس چیز پر قبضہ ہونے سے پہلے ہی وہ معاملات مکمل ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) تقریر ترمذی، عثمانی (مولانا محمد تقی عثمانی) کراچی، میمن اسلامک پبلشرز، طبع اول اپریل ۱۹۹۹م (۱/۱۰۶)۔

مستقبل کی تاریخ پرخرید وفروخت
(Future Sale)

مستقبل کی تاریخ پر خرید و فروخت کو عربی زبان میں "عقود المستقبلیات" اور انگریزی زبان میں "Future Sale" کہا جاتا ہے اس کی حقیقت بھی تقریباً وہی ہے جو سٹہ کی ہے اور نقصانات بھی اسی جیسے ہیں۔

"انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا" میں اس کی تعریف اس الفاظ میں کی گئی ہے:-

Commercial contracts calling for the purchase or sale of specfied quantities of commodities at specified future dates.(1)

ترجمہ:- یہ وہ عقدِ تجارت ہے جس کا مقصد کسی چیز کی معین مقدار کو مستقبل کی کسی معین تاریخ میں بیچنا یا خریدنا ہوتا ہے۔

عقود المستقبلیات (Future Sale)
اور غائب سودے (Forward Sale) میں فرق

عقودالمستقبلیات سے ملتی جلتی ایک اور صورت ہے جسے غائب سودا کہتے ہیں۔ بیع ہونے کے بعد مبیع کے قبضے کے لئے اگر مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہوجائے تو اصولی طور پر اسے عقودالمستقبلیات بھی کہتے ہیں اور غائب سودا بھی، لیکن آج کل عملی طور پر ان دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ عقودالمستقبلیات میں عام طور پر مبیع کی سپردگی اور اس پر قبضہ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد یا تو نفع کی امید پر اپنی رقم داؤ پر لگانا ہوتا ہے یا اس کے ذریعے کسی غائب سودے (Forward Sale) کی ضمانت مقصود ہوتی ہے جبکہ غائب سودے

(1) The new encylopedia , the university of chicago , chicago edition ,1988,v.5page .62

میں مستقبل کی تاریخ میں قبضہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔[1]

چنانچہ انسائیکلوپیڈیا میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

The term commodity is used to define the underlying asset ,even though the product is frequently divorced from the product ,It therefore differs from a simple forward purchase in the cash market , which involves actual delivery of the commodity at the agreed time in the future.[2]

عقود مستقبلیات (Future Sale) میں ''سلع'' (commodity) کی اصطلاح صرف اس لئے استعمال کی جاتی ہے تاکہ معاملے میں اس کو بنیاد بنایا جاسکے (ورنہ یہ چیزیں بذات خود مقصود نہیں ہوتیں) بلکہ عام طور پر یہ معاملہ اشیاء سے خالی ہوتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے عقود مستقبلیات اور غائب سودے آپس میں مختلف ہیں کیونکہ غائب سودے میں واقعۃً مستقبل کی متفقہ تاریخ پر سامان کی سپردگی اور قبضہ عمل میں آتا ہے (جبکہ یہاں ایسا نہیں ہوتا)۔

اس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ مثلاً زید بکر سے جنوری میں مارچ کی کسی تاریخ پر دس ہزار روئی کی گانٹھیں دس ہزار ڈالر کے بدلے میں خریدتا ہے یہ معاملہ ہونے کے بعد اب روزانہ بیع وشراء ہوتی رہتی ہے ۔بعض مرتبہ ایک دن میں دس دس مرتبہ بیع ہوتی ہے مثلاً زید بکر سے خرید کر خالد کو بیچتا ہے، خالد عمرو کو، عمرو حامد کو فروخت کرتا ہے ہر شخص اپنا نفع رکھ کر زیادہ دام میں آگے فروخت کرتا ہے قیمت خرید اور قیمتِ فروخت کے درمیان ہونے والا فرق اس شخص کا نفع ہوتا ہے اور اس بیع میں نہ تو خریدار کو پوری قیمت کا مطالبہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ بائع کے لئے مبیع کی سپردگی کی ضرورت ہوتی ہے

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت وتجارت، عثمانی (مولانا محمد تقی عثمانی) کراچی، ادارۃ المعارف، طبع جدید ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ مارچ ۱۹۹۹ء ص:۷۳۔

(2) The new encylopedia . the university of chicago . page .62

بلکہ درمیانی فرق کی ادائیگی کر دی جاتی ہے جیسے مثال مذکور میں زید نے بکر سے دس ہزار ڈالر کی روئی خریدی ہے۔ اگر یہ خالد کو گیارہ ہزار ڈالر میں فروخت کرے تو اب عقد ہونے کے بعد زید اس سے صرف ایک ہزار ڈالر وصول کرے گا۔

ان معاملات کو نمٹانے کے لئے بازارِ حصص میں ایک کمرہ مخصوص کردیا جاتا ہے، جسے ''کلیرنگ ہاؤس'' (Clearing House) کہا جاتا ہے بازار میں جتنے معاملات ہوتے ہیں، وہ سب اس کلیرنگ ہاؤس میں درج ہوتے ہیں اور شام کے وقت ان کا تصفیہ کیا جاتا ہے چنانچہ مذکورہ صورت میں خالد اسی روز شام کو اپنے نفع کے ایک ہزار ڈالر ''کلیرنگ ہاؤس'' سے وصول کر کے معاملے سے الگ ہو جاتا ہے۔ مارچ کا مہینہ آنے تک جتنے معاملات ہوتے ہیں، ان سودوں کی ترتیب یہی ہوتی ہے کہ روزانہ ان کا حساب ہو جاتا ہے، پھر جب مقررہ تاریخ آتی ہے تو اس وقت آخری خریدار کو اطلاع دی جاتی ہے کہ سپردگی کی تاریخ آرہی ہے، اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کیا تم اس تاریخ پر روئی پر قبضہ کرنا چاہتے ہو یا اس معاملے کو آگے فروخت کرنا چاہتے ہو اگر وہ روئی لینے کا خواہشمند ہو تو بائع اسے مطلوبہ روئی دے دیتا ہے۔ اسے ''غائب سودا'' کہتے ہیں اور اگر یہ روئی نہیں لینا چاہتا بلکہ اس عقد کی آگے بیع کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں سب سے آخری خریدار سب سے پہلے بائع کے ساتھ دوبارہ عقد کرتا ہے اور قیمت خرید وفروخت کے درمیانی فرق کے ذریعے تصفیہ کر لیا جاتا ہے۔ اسے ''Future Sale'' کہتے ہیں۔ عام طور پر یہی دوسری صورت پائی جاتی ہے اور پہلی صورت کی نوبت کم ہی آتی ہے۔

شرعی حکم

مستقبلیات کی بیع شرعاً ناجائز ہے اور اس کے ناجائز کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ غیر مملوک کی بیع ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں قبضہ سے پہلے آگے بیع کر دی جاتی ہے اور بیع قبل القبض شرعاً ناجائز ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:-

أما حكمها الشرعي، فكل من له إلمام بقواعد الشريعة ومصالحها، لا يشك بعد النظر في تفاصيل هذه العملية أنها عملية محرمة شرعًا ومصادمة لعدة أحكام الشريعة الغرآء. أمّا أوّلا، فلأنّه بيع لما لا يملكه الإنسان .... أما البيوع اللاحقة التي تتم خلال مدة التسليم، فإنها بيوع تتم قبل القبض على السلعة المبيعة.[1]

ترجمہ:- جہاں تک عقود المستقبلیات کے شرعی حکم کا تعلق ہے تو جو شخص شرعی قواعد اور مصالح کو جانتا ہے، اسے اس معاملہ کی تفصیل جاننے کے بعد ذرہ برابر بھی تردد نہ ہوگا کہ یہ بیع شرعاً حرام اور شریعت کے بہت سے احکام سے متصادم ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں ایسی چیز کی بیع ہوتی ہے جو ابھی انسان کی ملکیت میں نہیں ہے .....اور پھر اس کے بعد سپردگی کی مدت آنے تک جو معاملات ہوتے ہیں، وہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے ہوتے ہیں۔

کرنسی کی خرید وفروخت میں عقود المستقبلیات (Future Sale) کی ایک صورت

عقود المستقبلیات سے متعلق کرنسی کی خرید وفروخت کی ایک بین الاقوامی صورت ایسی ہے جو غالباً دُنیا میں سب سے زیادہ وقوع پذیر ہے۔ اس کا طریقہ کار اس طرح ہے کہ جو لوگ عام طور پر یہ کاروبار کرتے ہیں، وہ براہِ راست خرید وفروخت نہیں کرسکتے بلکہ کسی کمپنی کے ذریعے یہ کاروبار کرتے ہیں۔

اس کا عام اُصول یہ ہے کہ ایک لاٹ جس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے وہ کمپنی کے ذریعے خرید کر آگے فروخت کی جاتی ہے مثلاً ایک لاٹ اگر دو لاکھ ڈالر کی ہے تو کمپنی

(۱) بحوث في قضايا فقهية معاصرة ص: ۱۳۶.

اپنے عمیل (Client) سے 5% یعنی صرف ایک ہزار ڈالر لیتی ہے۔ایک ہزار ڈالر کا اکاونٹ کھلوا کر وہ شخص اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ بین الاقوامی مارکیٹ سے ایک لاٹ خرید سکے۔ زرضمانت کمپنی خود جمع کراتی ہے جس پر وہ فیس وصول کرتی ہے۔

اب یہ شخص کمپیوٹر اسکرین پر دنیا کے مختلف بینکوں کی طرف سے دی گئی کرنسی کی قیمتوں کا جائزہ لیتا رہتا ہے اور کرنسی کے ماہرین سے رابطہ کر کے معلوم کرتا ہے کہ آئندہ کس کرنسی کی قیمت بڑھنے یا کم ہونے کی توقع ہے نیز کمپیوٹر اسکرین پر بھی اس کرنسی کے مالی استحکام کا پتہ چلتا رہتا ہے جس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ آئندہ دنوں میں اس کی صورتحال کیا ہوگی۔

ان تمام قرائن کے بعد ایک رائے قائم کر کے کسی کرنسی کو خریدتا ہے مثلاً اسکرین پر اسٹرلنگ پاونڈ کی قیمت1.6400 پوائنٹ نظر آئی ہے تو وہ کمپنی کے ذریعے متعلقہ بینک سے اس قیمت کی تصدیق کراتا ہے کہ کیا اب بھی قیمت فروخت وہی ہے یا اس میں کچھ کمی وبیشی واقع ہوئی ہے۔ عام طور پر وہ قیمت میں معمولی فرق ظاہر کرتے ہیں۔ تصدیق کے بعد یہ پہلے زبانی معاہدہ کرتا ہے کہ ایک لاٹ ہم نے خریدلی پھر اسی معاہدہ کو تحریری شکل دے کر بذریعہ فیکس ان تک پہنچاتا ہے۔ کمپنی اس شخص کے اکاؤنٹ میں یہ بات درج کردیتی ہے کہ اس نے ایک لاٹ خریدی اور جب یہ شخص اسے آگے فروخت کرتا ہے تو اگر نفع ہو تو صرف نفع کی رقم اسے دے دی جاتی ہے اور اگر نقصان ہو تو اس سے وہ نقصان طلب کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً مثال مذکور میں اس نے 1.64 کے حساب سے پاونڈ خریدا اور پھر اسے 1.65 میں فروخت کردیا تو اسے 01. پوائنٹ نفع میں ملے۔ بین الاقوامی سطح پر ہر پوائنٹ کی قیمت مقرر ہوتی ہے مثلاً اگر پوائنٹ کی قیمت تیس (۳۰) ڈالر ہو تو اسے 3. ڈالر کا فائدہ ہوگا۔اور اگر قیمت گر جائے تو اسی طرح اسے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس کاروبار میں کمپنی بہت سی سہولتیں فراہم کرتی ہے مثلاً ٹیلی فون کے ذریعہ رابطہ، انٹرنیٹ سسٹم، دولاکھ ڈالر کا زرِضمانت وغیرہ، ان سہولیات کے فراہم کرنے پر کمپنی اس شخص سے کچھ کمیشن لی جاتی ہے یہ فیس ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہوتی ہے خواہ کاروبار کرنے

والے کو نفع ہو یا نقصان اور اسے یہ کرنسی آگے فروخت کرنے میں تاخیر ہو تو روزانہ کا کمیشن الگ سے ادا کیا جاتا ہے۔

شرعی حکم

مذکورہ کاروبار کی ذکر کردہ تفصیل کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ کاروبار درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر ناجائز ہے:-

۱- اس کاروبار میں جب کوئی شخص لاٹ خریدتا ہے تو وہ لاٹ خریدار کو متعین اور الگ کرکے حوالے نہیں کی جاتی بلکہ اس کے اکاؤنٹ میں درج کردی جاتی ہے اور پھر خرید وفروخت کے بعد نفع ونقصان کا فرق برابر کرلیا جاتا ہے تو یہ صورت سٹہ کی ایک قسم بن جاتی ہے۔

۲- اس میں لاٹ پر حقیقی یا حکمی قبضہ نہیں ہوتا، حقیقی نہ ہونا تو واضح ہے کہ خریدار ایک ملک میں ہے اور اس نے کسی دوسرے ملک میں لاٹ خرید رکھی ہے اور حکمی قبضہ (Constructive Possession) اس لئے نہیں ہوتا کہ حکمی قبضے کے لئے ضروری ہے کہ خریدی ہوئی کرنسی غیر خریدی ہوئی کرنسی سے بالکل ممتاز کرکے الگ کرلی جائے اور پھر خریدار یا تو خود اس پر قبضہ کرے یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف سے اسے اپنی تحویل میں اس طرح لے کہ اگر متعینہ کرنسی جل جائے یا چوری وغیرہ ہوجائے تو نقصان اس خریدار کے ذمہ سمجھا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت مذکورہ کاروبار میں نہیں۔

یہاں پر یہ بات عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ کرنسی اور دیگر اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہوسکتی ہیں لیکن کرنسی اس وقت تک متعین نہیں ہوتی جب تک کہ اس پر کوئی شخص خود یا اپنے کسی نمائندہ کے ذریعے قبضہ نہ کرے۔

۳- مذکورہ مثال میں لاٹ کی خریداری کے لئے خریدار صرف ایک ہزار ڈالر کی ادائیگی کرتا ہے اگرچہ باقی رقم کمپنی بطور زرضمانت جمع کراتی ہے مگر درحقیقت خریدار کے

کے ذمے دین (قرض) ہوتی ہے۔ دوسری طرف کرنسی بیچنے والا شخص خریدار کو اس شرعی طریقے پر قبضہ نہیں دیتا جس کی تفصیل اُوپر بیان ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کہ رقم دونوں کی طرف سے ''دَین'' ہوتی ہے، لہٰذا یہ "بیع الکالی بالکالی" میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

۴- درمیانی کمپنی جو کمیشن وصول کرتی ہے وہ یا تو ضمانت کی فیس یا اس رقم کا معاوضہ ہے جو کمپنی خریدار کی طرف سے بیچنے والے کو ادا کرتی ہے۔ پہلی صورت میں یہ ''اجرت علی الکفالہ'' ہے اور دوسری صورت میں یہ قرض پر سود ہے اور دونوں طریقے ناجائز ہیں۔[۱]

معدوم چیز بیچنے کا حکم
(البضائع المستقبلة)

مبیع کے مبنی برخطر ہونے کی صورتوں میں سے ایک صورت معدوم اشیاء کی خرید وفروخت کی ہے۔ یہاں پر معدوم سے مراد وہ اشیاء ہیں جو فی الحال موجود نہیں البتہ مستقبل میں ان کے وجود میں آنے کی اُمید تو ہے لیکن یقین نہیں، انہیں البضائع المستقبلة (Future Goods) کہا جاتا ہے۔ ائمہ اَربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معدوم اشیاء کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ کاسانیؒ بیع کی شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وأمّا الذی یرجع إلی المعقود علیه فأنواع: منها أن یکون موجودًا فلا ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم.[۲]

ترجمہ:- بیع صحیح ہونے کی جو شرائط مبیع سے متعلق ہیں، اس کی کئی

(۱) رجسٹر نقل فتاویٰ، جامعہ دار العلوم کراچی (۲۶۳/۲)۔

(۲) بدائع الصنائع (۱۳۸/۵).

قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مبیع عقد کے وقت موجود ہو لہٰذا معدوم چیز یا وہ چیز جو معدوم کے مشابہ ہو، اس کی بیع جائز نہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

بيع المعدوم باطل بالإجماع.[1]

ترجمہ:- معدوم کی بیع بالاجماع باطل ہے۔

علامہ ابن قدامہؒ حمل الحمل کی بیع کے عدمِ جواز کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

لأنّه بيع معدوم.[2]

ترجمہ:- کیونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے۔

علامہ وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:-

اتفق أئمة المذهب أنّه لا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كبيع نتاج النتاج ..... ومن الملحق بالمعدوم: بيع لؤلؤ في صدف، وبيع اللبن في الضرع وبيع الصوف على ظهر الغنم ومثله، بيع الكتاب قبل طبعه، فإن ذٰلك لا يجوز عند جمهور الفقهاء.[3]

ترجمہ:- ائمہ مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معدوم اور وہ چیز جو معدوم کے مشابہ ہو ان کی بیع جائز نہیں جیسے حمل الحمل کی بیع .....اور معدوم سے ملتی جلتی صورتیں جیسے صدف کے اندر موتی، تھن کے اندر دُودھ، بکری کی پشت پر اُون اور طبع ہونے سے پہلے کتاب کی بیع، یہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز نہیں۔

---

(۱) المجموع شرح المهذب (۹/۳۵۸).

(۲) المغنی (۶/۳۰۰).

(۳) الفقه الاسلامي وأدلته (۴/۴۲۸).

عدمِ جواز کے دلائل

قرآن وحدیث کے اندر کوئی ایسی صریح عبارت نہیں ملی جس میں صراحتاً بیع المعدوم کے الفاظ ذکر کر کے اس پر عدم جواز کا حکم لگایا گیا ہو البتہ فقہائے کرام نے مختلف روایات سے استدلال کرتے ہوئے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ان میں سے تین قسم کی روایات زیادہ واضح ہیں۔

الف-غرر کی ممانعت سے متعلق روایات

ان سے استدلال کرتے ہوئے علامہ شیرازی نے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع المعدوم كالثمرة الّتي لم تخلق لما روى أبوهريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر. [۱]

ترجمہ:- معدوم چیز جیسے وہ پھل جو ابھی تک پیدا نہ ہوئے ہوں، ان کی بیع جائز نہیں کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر والی بیع سے منع فرمایا۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

ومن جملة بيع الغرر بيع السمك في الماء ..... والمعدوم والمجهول. [۲]

ترجمہ:- بیع الغرر میں پانی کے اندر مچھلی کی بیع ......معدوم کی بیع اور مجہول چیز کی بیع شامل ہیں۔

---

(۱) المهذب (۲۶۲/۱).

(۲) نيل الأوطار (۱۲۵/۵).

ب- بیع المعاومہ سے ممانعت کے متعلق روایات

بیع المعاومہ کا مطلب یہ ہے کہ باغ کے پھل کو کئی سالوں تک کے لئے فروخت کردیا جائے۔ اس کو "بیـع السنین" بھی کہا جاتا ہے، شرعاً یہ بیع جائز نہیں۔ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے بھی فقہائے کرام نے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے اس لئے اس میں ان پھلوں کی بیع ہو جاتی ہے جو ابھی تک درختوں پر لگے نہیں ہوتے۔ چنانچہ علامہ شیرازیؒ نے بیع المعدوم کے عدمِ جواز کی دلیل کے طور پر بیع المعاومہ کی روایت کو بھی ذکر فرمایا ہے۔[1]

ج-حمل الحمل سے متعلق روایات

ان کے علاوہ وہ روایات جن میں حمل الحمل کی بیع کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے بھی فقہائے کرام نے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے۔[2]

علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ کی رائے

علامہ ابنِ تیمیہ اور ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ اگر معدوم چیز ایسی ہے کہ مستقبل میں عادۃً اس کے پائے جانے کا یقین یا غالب گمان ہے تو اس کی بیع جائز ہے اور اگر مستقبل میں بھی اس کا وجود میں آنا موہوم ہے تو اس کی بیع جائز نہیں۔[3]

انہوں نے اپنے مذہب کی تائید میں درج ذیل دو دلائل بیان فرمائے ہیں:-

۱- کسی چیز کی خرید وفروخت کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار اس بات پر نہیں کہ وہ موجود ہے یا معدوم بلکہ اصل مدار ''غرر'' ہے لہٰذا اگر ''غرر'' کی علت موجود چیز میں پائی

---

(۱) المهذب (۱/۲۶۲)۔

(۲) اس کے لئے ابنِ قدامہ اور وہبۃ الزحیلی کی ذکر کردہ عبارات ملاحظہ فرمایئے۔

(۳) الفقه الإسلامي وأدلته (۴/۴۲۹) ؛ أجاز ابن القيم وأستاذه ابن تيمية بيع المعدوم عندالعقد إذا كان محقق الوجود في المستقبل بحسب العادة .... بيع المعدوم إذا كان مجهول الوجود في المستقبل باطل.

جائے گی تو اس کی بیع ناجائز ہوجائے گی اور اگر معدوم میں ہوگی تو اس کی بیع بھی ناجائز قرار پائے گی۔

قرآن وسنت اور صحابہ کرام کے کسی قول سے علی الاطلاق بیع المعدوم کا ناجائز ہونا ثابت نہیں بلکہ صرف بعض مخصوص معدوم چیزوں کی خرید وفروخت کا ناجائز ہونا ثابت ہے اور یہ چیزیں وہ ہیں جن میں غرر (بوجہ غیر مقدور التسلیم ہونا) پایا جارہا ہے لہٰذا ان روایات کی بنیاد پر بیع المعدوم کو علی الاطلاق ناجائز کہنا درست نہیں۔ [1]

۲۔بعض مواقع پر شریعت نے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ درختوں پر پھلوں کے ظاہر ہونے اور بدوّ صلاح (پکنے) کے بعد ان کی بیع۔ حالانکہ اس کے بعد پھل بڑھتے ہیں لہٰذا یہ عقد موجود اور معدوم دونوں پر ہوا۔ [2]

ترجیح

ائمہ اربعہ اور امام ابنِ تیمیہ وابنِ قیم رحمہم اللہ کے مذاہب ودلائل پر غور کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ اختلاف حقیقی نہیں۔ائمہ اربعہ کے ہاں بیع المعدوم کے ناجائز ہونے کی وجہ بھی ''غرر'' ہے جیسا کہ علامہ شیرازی اور علامہ کاسانی کی ذکر کردہ عبارات میں اس کی تصریح ہے اور ابن تیمیہ وغیرہ کا کہنا بھی یہ ہے کہ عدم جواز کی علت ''غرر'' ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے ہاں ہر معدوم میں یہ علت موجود ہے جبکہ ابن تیمیہ اسے تمام معدومات کے اندر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔

---

(۱) إعلام الموقعين لابن القيم (۱: ۳۴۷، ۳۵۸)؛ ليس في كتاب ولا في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا في كلام من الصحابة أنّ بيع المعدوم لا يجوز لا بلفظ عام ولا بمعني خاص، وإنما في السنة النهي عن بيع بعض الاشياء الّتي هي معدومة كما فيها النهي عن بيع بعض الأشياءِ الموجودة فليست العلة في المنع لاالعدم ولا الموجود بل الذى وردت به السنة النهي عن بيع الغرر وهو ما لا يقدر على تسليمه سواء كان موجودًا أو معدومًا كبيع العبد الآبق والبعير الشارد وإن كان موجودًا إذ موجب البيع تسليم المبيع، فإذا كان البائع عاجزًا عن تسليمه فهو غرر.

(۲) بحواله بالا (الوجه الثانى) أن نقول بل الشرع صحح بيع المعدوم في بعض المواضع فإنّه أجاز بيع الثمر بعد بدوّ صلاحه والحب بعد اشتداده و معلوم أنّ العقد إنّما ورد على الموجود والمعدوم الذى لم يخلق بعد.

البتہ ائمہ اربعہ کی رائے اس اعتبار سے راجح معلوم ہوتی ہے کہ معدوم اشیاء کے اندر اصل "غرر" ہے کیونکہ بیع منعقد ہونے کے بعد بائع کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ فوراً مبیع خریدار کے حوالے کرنے پر قادر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جن چیزوں کی بیع کو "غیر مقدور التسلیم" ہونے کی وجہ سے ناجائز کہا گیا ہے ان سے مراد بھی یہ ہے کہ ان کی فوری سپردگی قدرت میں نہیں جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع یا پانی میں موجود مچھلی کی بیع[1] اگرچہ یہ ممکن ہے کہ کچھ دیر بعد انہیں پکڑ کر خریدار کے حوالے کیا جاسکے۔ لہٰذا اگر ایک موجود چیز کے اندر عقد کے فوراً بعد "غیر مقدور التسلیم" ہونا پایا جاسکتا ہے تو جو چیز عقد کے وقت وجود ہی میں نہیں آئی، اس کا عقد کے وقت غیر مقدور التسلیم ہونا تو اور واضح ہے۔

بیع الثمار قبل بدوّ الصلاح

(پھل پکنے سے پہلے اس کی خرید وفروخت)

بیع المعدوم کی ایک اہم صورت "بیع الثمار قبل بدوّ الصلاح" کی ہے۔ بدوّ کے لغوی معنی ہیں ظاہر ہونا[2] اور صلاح فساد کی ضد ہے۔ بدوّ صلاح سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر میں کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ بدوّ الصلاح کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

أن تأمن العاهة والفساد.[3]

ترجمہ:- بدوّ صلاح یہ ہے کہ پھل آفت اور خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے۔

---

(۱) ان کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

(۲) لسان العرب، ابن منظور (جمال الدين أبو الفضل المعروف بابن منظور ۶۳۰ھ-۷۱۱ھ) بيروت، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الأولى (المحققة) ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م (۳۴۷/۱): بدا: بدا الشي يبدو بدوّا بُدُوًّا وبدءً وبدأ الأخيرة عن سيبويه: ظهر.

انظر أيضا: تاج العروس للزبيدي (۳۱/۱۰).

(۳) فتح القدير، لابن الهمام (۴۸۹/۵).

علامہ رملیؒ فرماتے ہیں:-

بدوّ صلاح الثمر ظهور مبادی النضج والحلاوة.[1]

ترجمہ:- پھل کا بدو صلاح یہ ہے کہ اس پر پختگی اور مٹھاس کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوجائیں۔

ان دونوں کی تعریفوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے اور مراد یہ ہے کہ پھل کو پکنے سے پہلے فرخت کرنا جائز نہیں۔ البتہ پکنے کے آثار مختلف چیزوں میں مختلف ہوتے ہیں اس لئے تعریفوں میں لفظی اختلاف واقع ہوجاتا ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:-

اعلم أن بدوّ الصلاح متفاوت بتفاوتِ الآ ثار فبدو صلاح التين أن يطيب وتوجد فيه الحلاوة و يظهر السواد في أسوده والبياضِ في أبيضه وكذلك العنب الأسود بدو صلاحه أن ينحو إلى السواد وأن ينحو إلى البياض مع النضج وكذا الزيتون بدوصلاحه أن ينحو إلى السواد وبدو صلاح القثاء والفقوص أن ينعقد ويبلغ مبلغًا يوجد له طعم وأمّا البطيخ فأن ينحو ناحية إلى الإصفرار والطيب وأمّا اللوز فروى أشهب وابن نافع عن مالك أنّه يباع إذا بلغ في شجره قبل أن يطيب فإنّه لا يطيب حتى ينزع وأمّا الجذر واللفت والفجل والثوم والبصل فبدو صلاحه إذا استقل ورقه وتم وانتفع به ولم يكن في قلعه فساد.[2]

---

(۱) نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج الرملي (شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة ابن شهاب الدين الرملي المتوفى ۱۰۰۴ھ)، بيروت، دار إحياء التراث العربي (۱۳۸/۴).

(۲) عمدة القارى شرح صحيح البخارى، العينى (بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العينى المتوفى ۸۵۵ھ) بيروت، دارالفكر (۲۹۲/۱۱).

ترجمہ:- مختلف اشیاء میں ان کے پکنے کے آثار مختلف ہوتے ہیں چنانچہ انجیر کے آثار یہ ہیں کہ اس میں سے مٹھاس معلوم ہو، اس کا سیاہ حصہ سیاہی کی طرف اور سفید حصہ سفیدی کی طرف مائل ہو، انگور کے اندر بھی یہی نشانی ہے اور زیتون کے اندر نشانی یہ ہے کہ وہ سیاہی کی طرف مائل ہونے لگے۔ ککڑی اور فقوس (خربوزہ کی ایک قسم) کے اندر علامت یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائے۔ خربوزے کے اندر علامت یہ ہے کہ وہ زردی اور مٹھاس کی طرف مائل ہو، کیلے کے بارے میں امام مالک سے منقول ہے کہ جب وہ درخت پر کھڑے ہوئے اپنا پورا سائز اختیار کرلیں تو انہیں فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ درخت سے اتارے بغیر ان میں مٹھاس نہیں آتی۔ گاجر، شلغم، مولی، لہسن اور پیاز کی علامت یہ ہے کہ انکا چھلکا مضبوط ہو جائے اور اس سے انتفاع ممکن ہو اور اسے اکھاڑنے سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

پھلوں کی خرید وفرخت کی صورتیں اور ان کا حکم

پھل ظاہر ہونے سے پہلے بیع کرنا

اگر پھل درخت پر ظاہر ہی نہ ہوا ہو تو اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں:-

لا خلاف في عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر.[1]

ترجمہ:- پھلوں کے ظاہر ہونے سے قبل ان کی بیع کے ناجائز میں کوئی اختلاف نہیں۔

---

(۱) فتح القدیر لابن الهمام (۴۸۸/۵).

......انظر أیضا: المهذب الشیرازی (الإمام أبو اسحاق الشیرازی) مصر، عیسی البابی الحلبی وشرکاه (۲۶۲/۱).

علامہ شیرازیؒ اور علامہ کاسانیؒ اس بیع کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ بیع المعدوم ہے چنانچہ علامہ شیرازیؒ فرماتے ہیں:-

ولا يجوز بيع المعدوم كالثمرةِ التي لم تخلق.(۱)

ترجمہ:- معدوم چیز جیسے پیدا ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع کرنا جائز نہیں۔

اور علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:-

لا ينعقد بيع المعدوم ..... وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره لأنها معدوم.(۲)

ترجمہ:- بیع المعدوم منعقد نہیں ہوتی ......اسی طرح پھلوں اور کھیتی کی بیع بھی ان کے ظاہر ہونے سے قبل کر دی جائے تو وہ منعقد نہیں ہوتی کیونکہ یہ دونوں معدوم ہیں۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس بیع میں غرر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

شراء الثمر قبل أن يخرج وأشباهه فاسد لأنّه باع ما لم يكن بعد أو لم يدر ما هو وقد بلغنا عن رسول صلى الله عليه وسلم أنّه نهى عن بيع الغرر وهٰذا عندنا من الغرر.(۳)

ترجمہ:- پھل کے نکلنے سے پہلے اس کی بیع کرنا اور ان جیسے معاملات فاسد ہیں کیونکہ اس نے ایسی چیز بیچی، جو ہوسکتا ہے کہ بعد میں نہ ہو (اگر ہوتو) یہ معلوم نہیں کہ کتنی ہو۔ ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے غرر سے منع فرمایا اور یہ ہمارے

---

(۱) المهذب، بحواله بالا.

(۲) بدائع الصنائع للكاساني (۵/ ۳۸).

(۳) كتاب الأصل المعروف بالمبسوط، الشيباني (الإمام أبو عبدالله بن الحسن الشيباني ۱۳۲-۱۸۹هـ) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية (۵/۹۴).

نزدیک غرر ہے۔

ان دونوں اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے اس لئے کہ بیع المعدوم بھی دراصل بیع الغرر کی ہی ایک قسم ہے ممانعت کا یہ حکم عام ہے خواہ ایک سال کے لئے پھلوں کی بیع کی گئی ہو یا کئی سالوں کے لئے، دونوں صورتوں میں پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بائع ناجائز ہے۔

البتہ علامہ ابن رشد الحفیدؒ نے حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف اس کا جواز منسوب کیا ہے،[۱] لیکن ڈاکٹر صدیق الضریر کا کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔ اصل واقعہ جو علامہ ابنِ تیمیہ نے نقل فرمایا ہے، یہ ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر چھ ہزار دراہم کا قرضہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے قرض خواہوں کو بلایا اور انہیں یہ زمین کئی سالوں کے لئے دے دی حالانکہ اس میں کھجوریں اور دوسرے درخت بھی تھے۔ اگر اسی واقعہ کی بنیاد پر نسبت کی گئی ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ سے کسی طرح یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ بیع السنین کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے قرض کے بدلے قرض خواہوں میں انہیں زمین اور اس کے منافع دیئے تھے تاکہ اس کے ذریعے وہ اپنا قرض وصول کریں۔

موصوف لکھتے ہیں:۔

وقد قرأت في القواعد النورانية الفقهية خبرًا يبدو لي أنّه سبب هذه النسبة، وهذا الخبر هو ما رواه حرب الكرماني في مسائله عن سعيد بن منصور قال: حدثنا عباد بن عباد وعن هشام بن عروه عن أبيه: أن اسيد بن حضير توفي وعليه

---

(۱) بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ابن رشد الحفيد (أبو الوليد محمد بن أحمد بن أحمد بن رشد القرطبي الأندلسي الشهير بابن رشد الحفيد المتوفى ۵۹۵هـ) مصر، مطبعة محمد علي صبيح (۲/۱۲۲)۔

ستة آلاف درهم فدعا عمر غرمائه فأعطاهم أرضه سنين، وفيها النخل والشجر فإن صح أنّ هٰذا هو ما اعتمد عليه من نسب الجواز إلى عمر فإن هٰذه النسبة لا تكون مقبولة لأن الخبر لا يدل عليه هو أنّ عمر يجوز بيع السنين وكل ما يدل عليه هو أن عمر أعطى غرماء أسيد أرضه ينتفعون بها وبأثمار شجرها إلى أن يستوفوا ديونهم وليس هٰذا من بيع الثمر السنين المنهي عنه.[1]

پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کی صورتیں

پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کرنے کی ابتداءً دو صورتیں ہیں:-

۱- بیع قبل بدوّ الصلاح (پھل پکنے سے پہلے اس کی خرید و فروخت)۔

۲- بیع بعد بدو (الصلاح (پھل پکنے کے بعد اس کی خرید و فروخت)۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں:-

الف:- اس شرط کے ساتھ بیع کی جائے کہ خریدار یہ پھل خریدنے کے بعد فوراً کاٹ لے گا، اسے ''بیع بشرطِ القطع'' کہا جاتا ہے۔

ب:- اس شرط کے ساتھ بیع کی جائے کہ خریدار ان پھلوں کو درختوں پر رہنے دے گا،'' اسے بیع بشرطِ الترک'' کہتے ہیں۔

ج:- بیع کے دوران پھلوں کو کاٹنے یا درختوں پر چھوڑنے کی کوئی شرط نہ لگائی جائے۔ اسے'' بیع بدون شرطِ القطع والترک'' کہا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیع قبل بدوّ الصلاح کی بھی تین صورتیں ہیں اور بیع بعد بدوّ الصلاح کی بھی تین صورتیں ہیں۔ اس طرح کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ سب

---

(۱) الغرر وأثره في العقود ص: ۳۸۱.

... انظر أيضًا: القواعد النورانية الفقهية لشيخ الاسلام ابن تيمية (۶۶۱ – ۷۲۸هـ) القاهرة، مطبعة السنة المحمدية، الطبعة الأولى (۱۳۷۰هـ – ۱۹۵۱م) ص: ۱۳۰.

سے پہلے قبل بدوّ الصلاح کا حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

قبل بدوّ الصلاح بیع کا حکم

پہلی اور دوسری صورت

قبل بدوّ الصلاح کی صورت میں اگر بیع بشرطِ القطع ہوئی ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے اور اگر بیع بشرطِ الترک ہوئی ہو تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:-

اشتراه بشرطِ القطع يجوز وإن اشتراه بشرط الترك لا يجوز.[1]

علامہ دردیر مالکیؒ لکھتے ہیں:-

صح بيع ثمر ..... قبل بدوّ صلاحه بشرطِ قطعه في الحال أو في مدة قريبة لا ينتقل فيها الثمر أو الزرع من طور إلى آخر ..... ولا يصح بيع ما ذكر قبل بدو صلاحه على التبقية.[1]

ترجمہ:- قبل بدوّ الصلاح کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ خریدار اسے فوراً کاٹے گا یا اتنی مدت میں کاٹے گا جتنی دیر میں پھل یا کھیتی کوئی دوسرا رنگ اختیار نہیں کر پاتی ...... جبکہ بشرط الترک پھلوں کی بیع کرنا صحیح نہیں۔

علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:-

لا يخلو بيع الثمر قبل بدو صلاحها من ثلاثة أقسام أحدها:

---

(۱) كتاب المبسوط، السرخسي (شمس الدين السرخسي)، بيروت، دار المعرفة ۱۴۱۴هـ-۱۹۹۳م (۱۹۵/۱۲).

(۱) الشرح الصغير، الدردير (أحمد بن محمد بن أحمد الدردير)، مصر، دار المعارف (۳: ۲۳۳، ۲۳۴).

أن يشتريها بشرط التبقية، فلا يصح البيع إجماعًا لأنَّ النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع. (متفق عليه)[1] النهي يقتضي فساد المنهي عنه، أجمع أهل العلم على القول بجملة هذا الحديث. القسم الثاني، أن يبيعها بشرط القطع في الحال فيصح بالإجماع لأن المنع إنما كان خوفًا من تلف الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها بدليل ما روى أنس أنّ النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمار حتى يزهو. قال: "أرأيت إذا منع الله الثمرة، بم يأخذ أحدكم مال أخيه؟" رواه البخاري[2] وهذا مأمون فيما يقطع فصح بيعه كما لو بدأ صلاحه.[3]

ترجمہ:- قبل بدوّ الصلاح پھلوں کی خرید وفروخت کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ پھلوں کو بشرط الترک خریدا جائے یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کو بدوّ الصلاح سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، خریدار اور بائع دونوں کو منع کیا ہے۔ اور ممانعت عقد کے فاسد ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ ابنِ منذر کہتے ہیں کہ اہلِ علم نے بالاتفاق اس حدیث کے مضمون کے مطابق قول اختیار کیا ہے۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ پھل بیچا جائے کہ خریدار

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب البيوع حديث (۲۱۹۴)، صحيح مسلم، كتاب البيوع، حديث: (۳۸۶۵).

(۲) صحيح البخاري، حديث: (۲۱۹۸).

(۳) المغني لابن قدامة (۱۳۹/۶).

اسے فوراً کاٹے گا، یہ بیع بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ پہلی صورت میں ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ پھل ضائع ہونے یا اس پر کسی آفت کے آنے کا اندیشہ تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت انس نے نقل کیا ہے کہ ''دیکھتے نہیں، اگر اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک دے تو تم اپنے بھائی سے اس کا مال کس طرح لوگے؟'' اور بشرط القطع بیع کرنے سے آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

البتہ ابن ابی لیلیٰ، امام ثوریؒ[1] اور علامہ ابن حزمؒ[2] قبل بدوّ الصلاح کی بیع کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل بدوّ الصلاح پھلوں کی بیع کو ناجائز کہا ہے[3] لہٰذا ظاہر حدیث کا تقاضا یہی ہے کہ اسے ناجائز ہی کہا جائے۔

علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں:-

لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بدوّ الصلاح'' سے قبل پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا کہ اس صورت میں اس بات کا خوف رہتا ہے کہ بعد میں کوئی آسمانی آفت آجائے جس سے پھل ہلاک ہو جائے تو ایسی صورت میں خریدار کو نقصان پہنچے گا اور اس کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے جس میں آپ نے ممانعت کی علت ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک دے تو تم کس طرح اپنے بھائی کا مال لوگے''۔[4] اور بشرط القطع بیع کرنے کی

---

(۱) فتح الباري، لابن حجر (۳۹۴/۴)، اختلف في ذلك علي أقوال؛ فقيل يبطل مطلقا وهو قول ابن ابي ليلي والثوري.

(۲) المحلي، ابن حزم (أبو محمد علي بن أحمد سعيد بن حزم المتوفى ۴۵۶ھ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية. (۴۲۴/۸).

(۳) صحيح البخاري، كتاب البيوع، حديث: (۲۱۹۴)، صحيح مسلم، كتاب البيوع، حديث: (۳۷۷۵).

(۴) بخاري، البيوع، حديث: (۲۱۹۸).

صورت میں یہ خرابی نہیں پائی جاتی اس لئے یہ بیع جائز ہے۔[1]

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ بیع کے دوران پھلوں کو کاٹنے یا نہ کاٹنے کی کوئی شرط نہ لگائی جائے۔ یہ صورت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں ناجائز ہے۔

علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

القسم الثالث، أن يبيعها مطلقًا ولم يشترط قطعًا ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالک والشافعي وأجازه أبو حنيفة.[2]

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کے اندر تو قبل الصلاح پھلوں کی خرید و فروخت کو مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن ہم نے پہلی صورت کو اس لئے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کٹے ہوئے پھلوں کی بیع کیونکہ خریدار اسے فوراً کاٹ لیتا ہے لیکن متنازع فیہ صورت کو حدیث سے حکم سے خارج کرنا درست نہیں۔[3]

حنفیہ کا کہنا ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے تیسری صورت بھی پہلی صورت میں داخل ہے، اس لئے کہ اس میں صرف بیع کی حد تک اطلاق ہوتا ہے (یعنی صرف بیع کے اندر پھل کاٹنے یا نہ کاٹنے کا ذکر نہیں ہوتا) ورنہ بائع کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ خریدار کو فوراً پھل کاٹنے کا حکم دے اور اس کی وجہ سے خریدار پر اس پھل کو کاٹنا واجب ہو جائیگا تو گویا یوں سمجھا جائے گا کہ بیع کے اندر پھل کاٹنے کی شرط ملحوظ ہے اس لئے تو خریدار کے لئے پھل کاٹنا ضروری ہو گیا لیکن اگر بائع نے پھل کاٹنے کا حکم نہ دیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے تساہل سے کام لیا اور چشم پوشی کرتے ہوئے اپنا حق چھوڑ دیا۔ اس حقیقت کے بعد واضح ہو گیا کہ انجام کے اعتبار سے پہلی اور تیسری صورت ایک جیسی ہے اور جب پہلی صورت پہلی

---

(۱) المغني لابن قدامة (۲/ ۱۴۹).

(۲) المغني بحواله بالا.

(۳) المغني بحواله بالا.

بالاتفاق جائز ہے تو تیسری بھی جائز ہونی چاہیئے۔[1]

البتہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل اگرچہ پھل کاٹنے یا نہ کاٹنے کی شرط کے بغیر بیع ہوتی ہے لیکن عرف یہی ہے کہ بائع خریدار کو پھل کاٹنے کا حکم نہیں دیتا اور خریدار پھل کاٹنے کے بعد انہیں اتارتا اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا عرف ہو جائے وہ بھی مشروط کے حکم میں آتی ہے۔[2] لہٰذا یہ صورت بھی ''بیع بشرطِ الترک'' کی طرح ہوگئی، اس لئے اسے ناجائز قرار دینا چاہیئے۔

علامہ ابنِ عابدینؒ نے اسی قاعدہ کی وجہ سے عرف کی صورت میں اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔[3] لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ترک معروف بھی ہو جائے تو بھی یہ معاملہ جائز ہوگا۔ اس لئے کہ اگر شرط عقد کا حصہ نہ ہو اور بائع اسے پھل کاٹنے کا حکم نہ دے تو خریدار کے لئے زائد مقدار استعمال کرنا جائز ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی یہی حکم ہوگا اور خود اِمام صاحب سے بھی یہ حیلہ منقول ہے۔[4]

---

(۱) تكملة فتح الملهم، العثماني (محمد تقي العثماني) كراتشي، مكتبة دار العلوم كراتشي. الطبعة الأولى ١٤٠٦هـ ؛ ولنا أن صورة الإطلاق وهي الصورة الثالثة داخلة في الصورة الأولى في الحقيقة لأنه إطلاق في اللفظ فقط، فإن أمره البائع وجب عليه القطع في الحال فكأنه قد شرط فيه القطع، وأما إذا لم يأمره بالقطع فلا يجب على المشترى أن يقطع الثمار، لا لأن القطع ليس بمقتضى البيع، بل لأن البائع قد تساهل في أمره فصار كأنه باع بشرط القطع ثم تساهل ولم يأمره بالقطع. فلا فرق بين الصورة الأولى والثالثة في المآل.

(۲) الأشباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم المتوفى ٩٧٠هـ) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ (١/ ٢٧٩)؛ المعروف كالمشروط.

(۳) ردّالمحتار لابن عابدين (٤/ ٥٥٦)؛ تحت قول الحصكفي في الدرالمختار: لو شراها مطلقًا وتركها باذن البائع مع أنهم قالوا المعروف عرفًا كالمشروط نصا ومقتضاه فساد البيع وعدم حل الزيادة تأمّل.

(۴) فيض الباري، الكشميري (الشيخ محمد أنور شاه الكشميري المتوفى ١٣٥٢هـ) جنوبي أفريقا، دار المامون، الطبعة الأولى ١٣٥٧هـ-١٩٣٨م (٣/ ٢٥٦)؛ الحاصل أن الشرط إذا لم يكن في العقد، ولم يأمره البائع بالقطع طاب له تركه سواء كان معروفًا أو لا، ولا التفات إلى ما قاله الشامي: انّ المعروف كالمشروط بعد ما وجدت رواية عن الإمام عند الحافظ ابن تيمية في فتاواه والله تعالى أعلم.

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو لیکن اس کا عرف ہو جائے جس کی وجہ سے وہ باہمی نزاع کا باعث نہ رہے تو وہ معاملہ جائز ہو جاتا ہے جس کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ اگر خریدار اس شرط کے ساتھ جوتا خریدتا ہے کہ دکاندار اُسے تسمہ لگا کر بھی دے گا تو یہ شرط اگرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن عرف کی وجہ سے اُسے جائز قرار دیا گیا ہے۔[1] اسی طرح آج کل قالین وغیرہ اس شرط پر خریدے جاتے ہیں کہ دکاندار اُسے خریدار کے گھر میں بچھائے گا۔ اِسے بھی معاصر فقہائے کرام نے جائز کہا ہے۔[2] تو جب باہمی نزاع کا سبب نہ بننے کی وجہ سے اصل شرط کے ساتھ بیع جائز ہو جاتی ہے تو عرف جسے ہم شرط کے حکم میں قرار دے رہے ہیں اگر اُس کے اندر باہمی نزاع پیدا نہ ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

البتہ یہاں ایک اور سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ بعد بدوّ الصلاح پھلوں کی خرید و فروخت کی صورتوں میں بھی حنفیہ کے ہاں صرف بیع بشرط الترک والی صورت ناجائز ہے اور بقیہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ قبل بدوّ الصلاح پھلوں کو فروخت کا حکم بھی وہی ہے تو حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بدوّ الصلاح پھلوں کو فروخت کرنے کی جو ممانعت وارِد ہوئی ہے، اس کا کیا مطلب ہوگا؟

اس کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں قبل بدوّ الصلاح کی قید احترازی نہیں ہے کہ اس کے ذریعے بعد بدو الصلاح پھلوں کی خرید و فروخت کے احکام کو نکالا جائے بلکہ یہ قید اتفاقی اور عادت کی وجہ سے ہے کہ چونکہ اس وقت زیادہ رواج قبل بدو الصلاح بیع کرنے کا تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ قبل بدو الصلاح کے ذکر کرنے

---

(۱) حاشية الهداية، اللكهنوى (العلّامة عبدالحي اللكهنوى المتوفى ۱۳۰۳ هـ) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الاولى ۱۴۱۷ هـ (۱۲۱/۵)، "إلّا أن يكون متعارفًا" هذا استثناء من قوله يفسده أى إلّا إذا كان الشرط متعارفًا بين الناس كما لو اشترى نعلًا على أن يحذوه البائع أو يشركه فلا يفسد به البيع.

(۲) تقرير ترمذى (۹۴/۱).

کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس صورت میں خرید وفروخت کرنے سے دوخرابیاں لازم آتی ہیں:-

۱- غرر۔

۲- مقتضائے عقد کے خلاف لگائی گئی شرط۔

جبکہ بعد بدوّ الصلاح کی صورت میں صرف دُوسری خرابی لازم آتی ہے چونکہ حدیث کے ذریعے سے غرر سے بچنے کا حکم دینا مقصود ہے، اس لئے بطورِ خاص قبل بدوّ الصلاح والی صورت کو ذکر کیا گیا۔[۱]

امام طحاوی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ قبل بدوّ الصلاح پھلوں کی خرید فروخت سے ممانعت والی روایات کا تعلق بیع سلم سے ہے۔ چونکہ بیع سلم کے اندر مسلم فیہ کا عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک موجود ہونا ضروری ہے لہٰذا پھلوں کے اندر بیع سلم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بعد بدو الصلاح ہو تا کہ یہ کہا جا سکے کہ عقد کے وقت مسلم فیہ موجود ہے، اگر قبل بدوّ الصلاح بیع سلم کر دی گئی تو یہ جائز نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت پھل بمنزلہ معدوم ہوتے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ اپنے جواب کی تائید میں مختلف آثار ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

وإنّما الذی فی هٰذه الآثار هو النهی عن السلم فی الثمار فی غیر حینها فهٰذه الآثار تدلّ علی النهی عن ذٰلک.[۲]

---

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/ ۳۸۹) ؛ أجاب عنه الحنفیة بأنّ هٰذا القید لیس للإحتراز وإنّما هو خارج مخرج العادة، فإنّ الناس کانوا یتبایعون الثمار بشرط الترک قبل بدو صلاحها. والذی یظهر لهٰذا العبد الضعیف: أنّ النبی صلی الله علیه وسلم خصّ ههنا بیع ما لم یبدو صلاحه لأنّ فیه سببین للنهی، الأوّل: أنّه بیع وشرط والثانی أنه یتضمن غررًا فإنّه یحتمل أن لا تخرج هناک ثمرة بخلاف البیع بعد بدوّ الصلاح بشرط الترک فإنّه لا یتضمن الغرر وإنّما یحرم لکونه بیعًا و شرطًا فقط ولما کان المقصود فی حدیث الباب الإنذار عن الغرر واستمالة العواطف نحو المشتری المغرور، خصّ النبی صلی الله علیه وسلم البیع قبل بدو الصلاح بالذکر ولم یذکر حکم البیع بعد بدو الصلاح والله سبحانه وتعالٰی أعلم.

(۲) شرح معانی الآثار، الطحاوی (أبو جعفر احمد بن محمد الأزدی الطحاوی ۲۳۹ھ-۳۲۱ھ) ملتان. مکتبه امدادیة (۲/ ۱۹۵).

ترجمہ:- ان تمام آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ پھلوں کو ان کی مدت سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا یہی آثار مذکورہ روایت کے اندر موجود ممانعت کی علت پر دلالت کرتے ہیں۔

بدوّ الصلاح کے بعد پھلوں کی بیع کا حکم

بدوّ الصلاح کے بعد بھی پھلوں کی خرید وفروخت کی وہی تین صورتیں ہیں جو قبل بدوّ الصلاح کی حالت میں خرید وفروخت کی ہیں۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک بعد بدوّ الصلاح کی حالت میں پھلوں کی خرید وفروخت کی تینوں صورتیں جائز ہیں جبکہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بھی بشرط الترک بیع کرنا جائز نہیں البتہ امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر پھل کا سائز مکمل ہو چکا ہو اور مزید بڑھنے کا امکان نہ ہو تو اس صورت میں "بشرط الترک" بیع کرنا بھی جائز ہے۔

علامہ ابنِ قدامہ تمام مذاہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

إذا بدا الصلاح في الثمرة، جاز بيعها مطلقًا وبشرط التبقية إلى حال الجزار وبشرط القطع وبذلک قال مالک والشافعي وقال أبو حنيفة وأصحابه: لا يجوز بشرط التبقية إلّا أنّ محمدًا قال إذا تناهى عظمها جاز. [1]

---

(۱) المغني لابن قدامة (۱۵۵/۲)

...... انظر أيضا كتاب الأصل للإمام محمد بن الحسن الشيباني (۹۵/۵).

...... ردّالمحتار مع الدر المختار (۵۵۶/۴).

...... نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج (۱۳۱/۳).

...... الشرح الصغير للدردير (۲۳۳/۳).

أئمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قبل بدوّ الصلاح کی حالت میں پھلوں کی خرید وفروخت سے منع کیا ہے، لہٰذا اس کے مفہوم مخالف کا تقاضا یہ ہے کہ بعد البدوّ پھلوں کی بیع جائز ہو۔(۱)

حنفیہ کے نزدیک قرآن حدیث کے نصوص میں مفہوم مخالف معتبر نہیں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث سے بعد البدوّ کی کسی صورت کا حکم ثابت نہیں ہوتا(۲) کیونکہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا اس حکم کے ثبوت کے لئے ہم شرعی قواعد وضوابط کی طرف رجوع کریں گے۔ شرعی قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ بشرط الترک والی صورت ناجائز ہو کیونکہ یہ ایک ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے نیز اس میں دوسرے کی ملکیت سے فائدہ حاصل کرنے کی خرابی لازم آتی ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر بائع بقیہ مدت تک پھلوں کے باقی رہنے کا کرایہ وصول کرے تو یہ اجارہ ہے اور اگر نہ کرے تو یہ عاریت ہے اور یہ دونوں عقد ہیں اور اس سے پہلے عقد ہو چکا ہے لہٰذا اگر اس صورت کو جائز قرار دیا جائے تو ایک عقد میں دو معاملوں کا ہونا لازم آتا ہے جسے "صفقتان في صفقة" سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ لہٰذا بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وإن شرط تركها على النخيل فسد البيع لأنه شرط لا يقتضيه العقد وهو شغل ملك الغير أو هو صفقة في صفقة وهو إعارة أو إجارة في بيع.(۳)

البتہ پھلوں کا سائز مکمل ہونے کے بعد عرف کی وجہ سے امام محمدؒ نے بیع بشرط

---

(۱) المغني لابن قدامة (۱۰۲/۴)، ولنا أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها فمفهومه إباحة بيعها بعد بدو صلاحها والمنهي عنه قبل بدوّ الصلاح.

(۲) ردّ المحتار لابن عابدين مع الدر المختار (۱۱۰/۱)، والحنفية ينفون مفهوم المخالفة بأقسامه في كلام الشارع فقط.

(۳) الهداية للمرغيناني (۲۴/۵).

الترک کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(وقيل) قائله محمد (لا يفسد إذا تناهت) الثمرة للمتعارف.[1]

ترجمہ:- امام محمد کا قول یہ ہے کہ جب پھل کا سائز پورا ہو جائے تو پھر بشرط الترک بیع کرنا جائز ہے کیونکہ اس کا عرف ہے۔

اِمام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔[2]

خلاصہ

پھلوں کی خرید فروخت کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے اور قبل بدو الصلاح پھلوں کی بشرط الترک بیع کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ قبل بدو الصلاح کی بشرط القطع بیع کرنا اور بعد بدو الصلاح بشرط القطع اور بغیر کسی شرط کے بیع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ قبل بدو الصلاح بغیر کسی شرط کے بیع کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ بعد بدوّ الصلاح بشرط الترک بیع کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز جبکہ اِمام ابو حنیفہؒ اور اِمام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے البتہ اگر پھلوں کا سائز مکمل ہو تو اِمام محمدؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے۔

پھلوں کی خرید فروخت کی مروّجہ صورتیں اور اُن کا حکم

عصرِ حاضر میں باغات کے پھلوں کو عام طور پر درخت پر لگے ہوئی حالت میں ہی فروخت کیا جاتا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اس وقت تک پھل تھوڑے تھوڑے سے ظاہر ہوئے ہوتے ہیں اور پھر خریدار انہیں درختوں پر رہنے دیتا ہے، ان کی رکھوالی کرتا ہے۔ اور پکنے کے بعد انہیں فروخت کرتا ہے۔ اس اعتبار سے مروّجہ پھلوں کی خرید و فروخت کے

---

(۱) تنوير الأبصار للتمرتاشي مع الدر المختار للحصكفي (۵۵۶/۴).

(۲) حاشية ابن عابدين (۵۵۶/۴)، واختاره الطحاوي لعموم البلوى.

اعتبار سے دو الگ الگ مسئلے سامنے آتے ہیں:-

۱- پھلوں کی خرید و فروخت کس حالت میں جائز اور کس حالت میں ناجائز ہے؟

۲- خریدار کا پھلوں کو درخت پر رکھنا کیسا ہے؟

دُوسرے مسئلے کی تفصیل تو بیان ہو چکی ہے، اب ہم پہلے مسئلے کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

پانچ صورتیں

اس مسئلے کی کل پانچ صورتیں ہیں:-

۱- پھل ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بیع کر دی جائے، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے جیسے آجکل بعض علاقوں میں پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے اور بائع خریدار سے کہتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو بھی پھل آئے گا، میں اُسے آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔ اس کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع المعدوم ہے۔

۲- بعض مرتبہ لوگ اپنے باغ کو کئی سال کے ٹھیکے پر دے دیتے ہیں مثلاً پانچ سال یا دس سال وغیرہ کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ اتنے عرصے میں جو بھی پھل آئے گا وہ ہم نے تمہیں فروخت کیا۔ یہ صورت بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں معدوم چیز کی خرید و فروخت کی گئی ہے، اسے شریعت کی اصطلاح میں "بیع السنین" یا "بیع المعاومہ" کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت منقول ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:-

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع السنين.(۱)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع السنین سے منع فرمایا ہے۔

۳- بعض مرتبہ باغ کے پھلوں کی بیع ایسے وقت ہوتی ہے کہ جب کچھ پھل ظاہر ہو چکا ہوتا ہے اور کچھ پھل ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہوتا۔ اس کے حکم میں فقہاءِ حنفیہ کے

---

(۱) مسلم، البیوع، حدیث: (۳۷۹۵)، ابو داؤد، باب في بيع السنين، حديث: (۳۳۷۵)، النسائي، بيع السنين، حديث: (۴۶۲۶، ۴۶۲۷)، ابن ماجة، باب بيع الثمار سنين والجائحة، حديث: (۲۲۱۸).

درمیان قدرے اختلاف واقع ہوا ہے ظاہرِ مذہب کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ بیع ناجائز ہو کیونکہ اس میں مبیع کی کچھ مقدار معدوم ہے۔ لیکن علامہ شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ظاہر ہونے والے پھلوں کی تعداد زیادہ ہے تو پھر معدوم پھلوں کو ان کے تابع قرار دیا جائے گا۔ اس طرح تمام پھلوں کی بیع جائز ہوگی اور علامہ فضلی رحمہ اللہ کے نزدیک ظاہر شدہ پھلوں کی تعداد کا ظاہر ہونا ضروری بھی نہیں بلکہ مطلق ظاہر شدہ پھلوں کی موجودگی میں تمام پھلوں کی بیع جائز ہے ان کا کہنا ہے کہ ظاہر شدہ پھلوں کو اصل قرار دیا جائے گا اور جو بعد میں ظاہر ہونگے، وہ انہی کے تابع ہوں گے۔ علامہ فضلی رحمہ اللہ نے یہ قول عموم بلوئ کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ ابن الہمام کا رُجحان بھی اسی طرف ہے، امام محمد بن الحسن اور امام مالک رحمہما اللہ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے۔ (۱)

علامہ ابنِ عابدین رحمہ اللہ نے بھی ضرورت اور عموم بلوئ کی وجہ سے اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

لا يخفى تحقق الضرورة في زماننا ولا سيماً في مثل دمشق الشام كثير الأشجار والثمار فإنّه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن إلزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذكورة، وإن أمكن ذلك بالنسبة إلى بعض أفراد الناس، ولا يمكن بالنسبة إلى عامّتهم وفي نزعهم عن عادتهم حرج كما علمت ويلزم

---

(۱) فتح القدير لابن الهمام (۵/ ۲۹۲)، اذا حدث بعد القبض خروج بعضها اشتركا لما ذكرنا وكان الحلواني يفتي بجوازه في الكل وزعم أنه مروي عن أصحابنا وكذا حكي عن الإمام الفضلي وكان يقول الموجود وقت العقد اصل وما يحدث تبع. نقله شمس الأئمة منه ولم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد يكون اكثر بل قال عنه اجعل الموجود أصلاً في العقد وما يحدث بعد ذلك تبعًا وقال استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم في ذلك عادة ظاهرة وفي نزع الناس من عادتهم حرج وقد رءيتُ رواية في نحو هذا عن محمد رحمه الله وهو بيع الورد على الأشجار فان الورد متلاحق ثم جوز البيع في الكل بهذا الطريق وهو قول مالك رحمه الله.

تحریم أکل الثمار فی ھٰذا البلدان إذ لا تباع إلّا کذٰلک والنبی صلی اللہ علیہ وسلم إنّما رخّص فی السلم للضرورة مع انّہ بیع المعدوم، فحیث تحققت الضرورة ھٰھنا أیضًا أمکن إلحاقہ بالسلم بطریقِ الدلالة، فلم یکن مصادمًا للنص فلذا جعلوہ من الاستحسان لأنّ القیاس عدم الجواز.[۱]

ترجمہ:- ہمارے زمانے میں اس کی ضرورت (مجبوری) کا ہونا مخفی نہیں خصوصاً شام کے شہر دمشق میں جہاں پھلوں اور درختوں کی کثرت ہے۔ جہالت کی وجہ سے لوگوں سے مذکورہ تین طریقوں میں سے کسی طریقے پر عمل ممکن نہیں، اگرچہ بعض افراد کے اعتبار سے اس پر عمل ممکن ہے لیکن عمومی طور پر ایسا نہیں ہوسکتا اور لوگوں سے ان کی عادت چھڑانے میں بہت بڑا حرج لازم آتا ہے اور اسی حال میں بیع کو جائز قرار دیا جائے تو ان شہروں میں ان پھلوں کو ناجائز طریقے سے کھانے کی خرابی لازم آتی ہے کیونکہ یہاں اسی طریقے سے پھلوں کی خرید و فرخت ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ وہ بیع المعدوم ہے تو جب یہاں ضرورت پائی جا رہی ہے تو اسے بھی سلم کے ساتھ دلالۃ النص کے طور ملایا جاسکتا ہے، اس طرح اس کا جواز نص کے معارض بھی نہیں ہوگا، اسی لئے مجوزین نے اسے استحسان میں شمار کیا ہے کیونکہ قیاس کا تقاضا عدمِ جواز کا ہے۔

۴- اگر تمام پھل بھی ظاہر ہوگئے لیکن ابھی تک اس حالت میں نہیں کہ ان سے نفع اٹھایا جاسکے، نہ ان کو کھایا جاسکتا ہے اور نہ جانوروں کے کام آسکتے ہیں تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ قاضی خان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بہت سے حنفی فقہاء نے اسے ناجائز قرار

(۱) ردّ المحتار مع الدر المختار (۵۵۶/۴).

دیا ہے[1] البتہ ابن الہمام[2] اور علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے جواز کا قول اختیار کیا ہے۔[3]

۵- پھل ظاہر ہونے کے بعد اس قابل ہو چکے ہیں کہ انہیں کھایا جا سکتا ہے اور جانوروں کے استعمال میں بھی لائے جا سکتے ہیں تو ان کی خرید و فروخت بالاتفاق جائز ہے۔

البتہ مذکورہ صورتوں میں قبل بدوّ الصلاح اور بعد بدوّ الصلاح کے اختلاف کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

---

(۱) فتاوی قاضي خان بهامش الفتاوى الهندية، قاضي خان (فخر الدين حسن بن منصور الأوزجندي الفرغاني المعروف بقاضي خان المتوفى ۵۹۲هـ) كوئٹه، مكتبه ماجدية، الطبعة الثانية ۱۴۰۳هـ-۱۹۸۳م (۲/۳۵۰)، وعامة المشايخ لم يجوزوا بيع الثمار قبل أن تصير منتفعًا به لنهي النبي عليه الصلاة والسلام عن بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها.

(۲) فتح القدير (۵/۴۹۱).

(۳) الهداية (۵/۲۳).

حصص کی خرید وفروخت کی مختلف صورتوں میں غرر کا جائزہ

آج کل سٹاک ایکسچینج میں جس طرح حصص (شیئرز) کی خرید وفروخت ہو رہی ہے، اس کی بہت سی صورتوں میں مبیع کی سپردگی کے اعتبار سے غرر کی خرابی لازم آتی ہے۔ بعض صورتوں میں غیر مملوک کی بیع جبکہ بعض صورتوں بیع قبل القبض کی خرابی پائی جاتی ہے۔ اس کا غرر کے حوالے سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ذیل میں اسے قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے لیکن اس سے قبل درج ذیل تمہیدی باتیں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱- شیئر (Share) جسے اُردو میں ''حصہ'' اور عربی میں ''سہم'' کہتے ہیں، دراصل کسی مشترکہ جائیداد میں ایک مشاع (مشترک) حصے کا نام ہے لیکن تجارتی عرف کی وجہ سے بعد میں اس کا اطلاق اس کاغذ (سرٹیفکیٹ) پر ہونے لگا جو اس مشاع حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔[1]

۲- بازار حصص (اسٹاک ایکسچینج) میں ان کی بیع کا مطلب کمپنی کے مشاع (مشترک) حصوں کی بیع ہے لہٰذا یہ ''بیع المشاع'' ہے۔

۳- وہ کمپنیاں جن کا کاروبار شرعاً حلال نہیں جیسے سودی بینک یا کونشنل انشورنس کمپنیاں ان کے حصص کی خریداری جائز نہیں خواہ اس کے اندر بیع کی تمام شرائط ملحوظ رکھی جائیں۔

---

(۱) الشركات في الشريعة الإسلامية والقانون الوضعي، الخياط (الدكتور عبدالعزيز الخياط) بيروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳م (۹۴/۲).

..... انظر أيضا موسوعة الإصطلاحات الإقتصادية ص: ۲۵۴.

حصص کی خرید وفروخت کی اگر چہ مختلف صورتیں ہیں لیکن بنیادی طور پر دوصورتیں اہم اور ہمارے موضوع سے براہ راست متعلق ہیں:۔

الف:۔فوری سودے (Spot Trading)۔

ب:۔مستقبل کے سودے (Futures)۔

فوری سودے (Spot Trading)

فوری سودوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کمپنی کے حصص خریدتا ہے تو اس خریداری کا اندراج فوری طور پر اسٹاک ایکسچینج میں ہونے والے سودوں کے کمپیوٹرائزڈ سسٹم ''سی ڈی سی (C.D.C) میں ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے اسٹاک ایکسچینج ان سودوں میں فریقین کی ذمہ داریوں کی ضمانت دیتا ہے۔ ہمارے ہاں آج کل ان سودوں میں ہر سودے کے تین دن بعد خریدار کو طے شدہ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے اور بیچنے والے کو بیچے ہوئے حصص کی ڈیلیوری (Delivery) دینی ہوتی ہے۔حصص کی بیع میں ڈیلیوری کا مطلب یہ ہے کہ جس کمپنی کے حصص بیچے گئے ہیں، اس کمپنی کے ریکارڈ میں ان حصص کی منتقلی خریدار کے نام ہوجاتی ہے۔

یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ خریداری اور ڈیلیوری کے درمیان جو تین دن کی درمیانی مدت ہے۔ کیا اس میں خریدار اپنے خریدے ہوئے حصص کسی اور شخص کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس بات کا جواب اس پر موقوف ہے کہ شریعت کی نظر میں شیرز پر قبضہ کب متحقق ہوتا ہے۔اگر ڈیلیوری کو شرعی قبضہ قرار دیا جائے تو ڈیلیوری سے پہلے فروخت کرنا بیع قبل القبض قرار پائیگا اور ناجائز ہوگا لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ شرعی قبضہ '' ڈیلیوری'' ہونے پر موقوف نہیں، بلکہ اس خریداری کا فوری طور پر سی ڈی سی (.C.D.C) میں اندراج ہوتے ہی قبضہ ہوجاتا ہے کیونکہ خریداری کے فوراً بعد خریدے ہوئے حصص کے جملہ منافع اور نقصانات خریدار کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں یعنی اگر خریداری اور ڈیلیوری کی درمیانی مدت

میں کمپنی کو کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان خریدار ہی برداشت کرتا ہے اور اگر کمپنی کو نفع ہو جائے تو اس کے نفع کا فائدہ بھی خریدار ہی کو پہنچتا ہے اور کسی چیز کی بیع قبل القبض اس لئے ناجائز ہوتی ہے کہ قبضے کے بغیر اسکا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا لہٰذا اگر وہ خریدی ہوئی چیز پر قبضہ سے پہلے نفع پر آگے بیچتا ہے تو یہ "ربح مالم یضمن" میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے لیکن اگر ضمان حسی اور حقیقی قبضے کے بغیر تخلیہ کے ذریعے مشتری کی طرف ضمان منتقل ہو جائے تو پھر چونکہ "ربح مالم یضمن" کا اندیشہ نہیں اس لئے مشتری کے لئے اسے آگے بیچنا جائز ہونا چاہئے کیونکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:-

وأجمعوا على أن التخلية في البيع الجائز تكون قبضًا، وفي البيع الفاسد روايتان والصحيح أنها قبض ..... رجل باع خلاً في دنّ في بيته، فخلّى بينه وبين المشترى فختم المشترى على الدنّ وتركه في بيت البائع فهلك بعد ذلك فانه يهلك من مال المشترى في قول محمد، وعليه الفتوىٰ.[1]

ترجمہ:- اس بات پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ جائز بیع میں تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہے اور بیع فاسد میں دو روایتیں ہیں، صحیح یہ کہ اسمیں بھی تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہے .....ایک آدمی نے کسی مٹکے میں موجود سرکہ کو فروخت کیا اور اس مٹکے اور خریدار کے درمیان تخلیہ کر دیا خریدار نے اس پر اپنی مہر لگا دی اور اسے بائع کے گھر چھوڑ دیا، اگر اسی حال میں وہ ہلاک ہو گئی تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق وہ خریدار کا نقصان ہو گا اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية (۳: ۱۶)۔

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ کسی کمپنی کے حصص کی بیع کا مطلب اس کمپنی کے مشاع حصوں کی بیع ہے لہذا یہ "بیع المشاع" ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاع کی بیع میں قبضہ کیسے متحقق ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں فقہائے کرام نے یہی فرمایا ہے کہ مشاع کی بیع میں تسلیم اور قبض کا تحقق تخلیہ ہی سے ہوتا ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ اجارۃ المشاع اور بیع المشاع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

وهذا بخلاف البيع، لأن التسليم هناك بالتخلية يتم وذلك في الجزء الشائع يتم.(۱)

ترجمہ:- اجارہ مشاعہ کے برعکس بیع میں تسلیم اور قبض کا تحقق تخلیہ ہی سے ہوتا ہے اور یہ مشاع کی بیع میں ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے اس فرق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-

ولأبي حنيفة أنه آجر ما لا يقدر على تسليمه فلا يجوز، وهذا لأن تسليم المشاع وحده لا يتصور، والتخلية اعتبرت تسليمًا لوقوعه تمكينًا، وهو الفعل الذي يحصل به التمكن، ولا تمكن في المشاع، بخلاف البيع لحصول التمكن فيه.(۲)

اس کا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اجارہ میں چونکہ مقصود صرف انتفاع ہوتا ہے، ملک نہیں، اور مشاع حصے میں بغیر تمکین انتفاع نہیں ہوسکتا، اس لئے اس میں تخلیہ متصور نہیں ہے۔ اس کے برخلاف بیع میں مقصود ملک ہوتی ہے، لہٰذا تخلیہ کے ذریعے اس میں تمکین ہوسکتی ہے، چنانچہ صاحبِ عنایہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:-

بخلاف البيع فإن المقصود به ليس الانتفاع، بل الرقبة،

---

(۱) المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة (۱۵/۱۴۶)۔

(۲) الهداية مع فتح القدير (۸/۴۱، ۴۲)۔

ولهٰذا جاز بيع الجحش، فكان التمكن بالتخلية فيه حاصلًا.(۱)

اور صاحبِ کفایہ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

إن التخلية اعتبرت تسليمًا إذا كان تمكينًا من الانتفاع، وإنما يكون تمكينًا إذا حصل بها التمكن، والتمكن لا يحصل به فلم يعتبر تمكينًا بخلاف البيع، لحصول التمكن ثمه من البيع والإعتاق وغير ذٰلك.(۲)

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء نے بھی مشاع کی بیع میں تخلیہ کے پائے جانے کو قبضہ کے قائم مقام قرار دیا۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:-

ويجوز رهن الشقص من الدار والشقص من العبد ومن السيف ومن اللؤلؤة ومن الثوب كما يجوز أن يباع هٰذا كله، والقبض فيه أن يسلم الىٰ مرتهنه لا حائل دونه كما يكون القبض فيه في البيع.(۳)

ترجمہ:- گھر کے کسی حصے، اسی طرح غلام، تلوار، موتی اور کپڑے کے کسی حصے کو رہن رکھنا جائز ہے اور اس میں قبضہ یہ ہے کہ وہ چیز مرتہن کو اس طرح سپرد کی جائے کہ درمیان میں کوئی رُکاوٹ باقی نہ رہے جیسا کہ بیع میں قبضہ ہوتا ہے۔

یہی تفصیل علامہ بہوتی رحمہ اللہ نے "كشاف القناع"(۴) میں اور علامہ ابنِ قدامہ نے "المغنی"(۵) میں بیان کی ہے۔

(۱و۲) فتح القدير مع العناية والكفاية، باب الاجارة الفاسدة (۸/ ۴۱، ۴۲).

(۳) كتاب الأم، كتاب الرهن، باب ما يكون قبضًا في الرهن وما يجوز أن يكون رهنا. (۱٦/۷).

(۴) كشاف القناع (۳/ ۳۱۸).

(۵) المغنی (٦/ ۴۵٦).

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ مشاع میں حسی قبضہ کے بغیر تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوجاتا ہے اور مشتری کے لئے اس میں ملک کے تصرفات کرنا جائز ہوجاتا ہے جن میں اسے آگے فروخت کرنا بھی شامل ہے۔ لہٰذا مشتری کے لئے اس تخلیہ یا تمکین کے بعد اس مشاع چیز کو آگے فروخت کرنا بھی جائز ہوجاتا ہے۔

حصص کا قبضہ کب متحقق ہوتا ہے؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ حصص کی بیع میں بائع کی طرف سے تمکین اور تخلیہ کا تحقق کب ہوتا ہے؟

یہ بات اپنی جگہ دُرست ہے کہ اگرچہ سودا ہوتے ہی بیچے ہوئے شیئرز کے حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں گویا شیئرز خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں (اور اس لحاظ سے اگر خریدار انہیں آگے بیچے تو "ربح ما لم یضمن" کی خرابی لازم نہیں آتی) لیکن غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبضہ شرعی کا تحقق ڈیلیوری سے پہلے نہیں ہوتا، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- یہ بات پیچھے گذر چکی ہے کہ قبضہ کے بارے میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ "قبض کل شیء بحسبہ" یعنی ہر چیز کا قبضہ اس شئ کی نوعیت کے لحاظ سے عرفاً مختلف ہوتا ہے۔ شیئرز کے بارے میں عرف عام یہی ہے کہ سودے کے وقت محض سی ڈی سی کے فوری اندراج کو قبضہ نہیں کہا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ ''ڈیلیوری'' تین دن بعد ہوگی، ڈیلیوری کے معنی ہی قبضہ دینے کے ہیں، لہٰذا عرف نے اسی کو قبضہ قرار دیا ہے۔

۲- اسٹاک ایکسچینج میں شارٹ سیل (Short Sale) کا رواج عام ہے جس میں بائع ایسے شیئرز کو آگے فروخت کرتا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہوتے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی شیئرز کے حقوق والتزامات خریدار کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں یا خریدار کے ضمان (Risk) میں آجاتے ہیں وہ یہ بات شرعی مفہوم میں نہیں کہتے، کیونکہ یہ بات وہ شارٹ سیل کی صورت میں بھی کہتے ہیں، حالانکہ شرعی

مفہوم میں شارٹ سیل کی صورت میں ضمان منتقل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب شیئرز بائع ہی کی ملکیت میں نہیں ہیں تو وہ خریدار کو تمکین یا تخلیہ کیسے کرسکتا ہے؟ اور اس سے شرعی مفہوم میں ضمان کیسے منتقل ہوسکتا ہے؟

۳- کراچی اسٹاک ایکسچینج کے حاضر سودوں کے قواعد وضوابط (Rules For Ready Delivery Contracts) میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام حاضر سودوں کا تصفیہ آئندہ ہفتے میں پیر کے دن ہونا ضروری ہے یعنی پیر کے دن بائع شیئرز کی ڈیلیوری دے گا، اور خریدار اس کی قیمت بائع کو ادا کرے گا، لیکن اگر بائع نے مقررہ وقت تک ڈیلیوری نہ دی تو خریدار کو حق ہوگا کہ کسی کمپنی کے جتنے شیئرز اس نے بائع سے خریدے تھے، وہ بازار سے خرید لے (جس کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں (Buy in) کہا جاتا ہے) اور ایسی صورت میں اگر خریدار کو بازار سے خریداری کرنے میں کوئی نقصان ہو (مثلاً وہ شیئرز بازار سے زیادہ قیمت میں ملیں) تو بائع کا فرض ہوگا کہ وہ خریدار کے نقصان (Damages) کی تلافی کرے۔[1]

اس قاعدے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سودے کے وقت قبضہ نہیں ہوا تھا کیونکہ بائع کی طرف سے ڈیلیوری نہ دینا دو ہی صورتوں میں ممکن ہے:-

(۱) بائع نے شارٹ سیل کی ہو، یعنی شیئرز کے ملکیت میں آنے سے پہلے انہیں آگے فروخت کردیا ہو، اس صورت کا باطل ہونا اُوپر نمبر۲ میں گزر چکا ہے۔

(۲) اس نے شارٹ سیل نہ کی ہو، مگر خریدار سے سودا کرنے کے بعد اس کی رائے بدل گئی اور اس نے وہ خود رکھنے یا کسی اور کو بیچ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ تو جب اس کے لئے رائے بدل کر شیئرز خود رکھ لینا یا کسی اور کو بیچنا ممکن ہے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سودے کے وقت اس نے خریدار کو تمکین کردی ہے یا اس کے حق میں تخلیہ کردیا ہے؟ نیز اس صورت میں اسٹاک ایکسچینج کے قواعد یہ نہیں کہتے کہ جو شیئرز فروخت کئے گئے تھے، بائع کو

---

(1) Rules For Ready Delivery Contracts of The Karachi Stock Exchange (Guarantee) Limited. Section 1 a.b.c.(Delivery And Payment) Page.1

ان کی ڈیلیوری دینے پر مجبور کیا جائے۔ بلکہ خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بائع کو ڈیلیوری پر مجبور کرنے کے بجائے بازار سے اسی کمپنی کے اسی مقدار میں دُوسرے شیئرز خرید لے، اور اس خریداری میں اسے کوئی نقصان ہو تو بائع کو اس کی تلافی پر مجبور کرے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بیع یک طرفہ طور پر فسخ کرے اور کسی تیسرے شخص سے نئی بیع کرے۔

۴- اس سارے مجموعے جو بات واضح ہورہی ہے، وہ یہ ہے کہ جس چیز کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں حاضر سودا کہا جا رہا ہے، اس میں سودے کے وقت شرعی مفہوم میں قبضہ متحقق نہیں ہوتا، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی تمام حقوق والتزامات خریدار کی کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں، وہ اس معنی میں کہتے ہیں کہ اسٹاک ایکسچینج معاملہ کو انتہا تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اور شیئرز کی قیمت بڑھے یا گھٹے، بائع اسی قیمت پر شیئرز کی ڈیلیوری کرنے کا، اور خریدار وہی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے، اور اگر کوئی فریق اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کرے اور خریدار کی عدمِ ادائیگی کی صورت میں بائع کو بازار میں شیئرز فروخت کرنے (Sale Out) میں اور بائع کے قبضہ نہ دینے کی صورت میں خریدار کو بازار سے شیئرز خریدنے میں جو نقصان ہو، دُوسرا فریق اس کی تلافی کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہوا کہ قبضۂ شرعی کا تحقق ڈیلیوری سے پہلے نہیں ہوتا، لہٰذا شیئرز کے خریدار کے لئے اس وقت تک شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو ڈیلیوری نہ مل جائے۔ اگر بیچنے والے نے شارٹ سیل کی ہے، یعنی شیئرز ملک میں لائے بغیر فروخت کئے ہیں تو یہ بیع ہی باطل ہے، اور اگر شیئرز بائع کی ملک میں تھے، اور عقدِ بیع کے ارکان بھی متحقق ہوگئے تھے تو یہ بیع دُرست ہے، لیکن خریدار کے لئے آگے بیع کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اسے باقاعدہ ڈیلیوری مل جائے، اس سے پہلے شیئرز آگے بیچنا شرعاً جائز نہیں کیونکہ اس میں بیع قبل القبض کی خرابی لازم آتی ہے۔

مستقبل کے سودے (Futures)

حاضر سودوں اور مستقبل کے سودوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ حاضر سودوں میں ڈیلیوری جلدی ہوجاتی ہے، اور مستقبل کے سودوں میں دیر سے ہوتی ہے۔ البتہ اس کی مزید کئی صورتیں ہیں۔ ہر صورت کا حکم الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز نہیں ہیں اور وہ شارٹ سیل کررہا ہے تو یہ "غیر مملوک کی بیع" ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے۔

۲- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز ہیں اور وہ انکی ڈیلیوری بھی لے چکا ہے، اور آئندہ کی تاریخ کیلئے آج ہی ایجاب وقبول کے ذریعے بیع کی تکمیل کررہا ہے جسے (Forward Sale) کہا جاتا ہے، یعنی بیع آج ہی مکمل ہوگئی ہے، لیکن وہ بیع آئندہ تاریخ کے لئے ہے تو یہ بیع "مضاف إلى المستقبل" ہے اور بیع کی اضافت الی المستقبل نہیں ہوسکتی۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وما لا تصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته وفسخه، والقسمة والشركة والهبة والنكاح والصلح عن مال والإبراء عن الدين لأنها تمليكات للحال،فلا تضاف كما لا تعلق بالشرط.[1]

---

(۱) الدرالمختار (۲۵۶/۵).

..... انظر أيضا تبيين الحقائق (۱۶۲/۲).

العناية على هامش الهداية مع فتح القدير، البابرتي (أكمل الدين محمد بن محمود البابرتي المتوفى ۷۸۶هـ) كوئٹه، مكتبة رشيديه، الطبعة القديمة (۳۳۳/۳).

ترجمہ:- وہ معاملات جن کی مستقبل کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی، دس ہیں۔ بیع، اس کی اجازت دینا، اسے فسخ کرنا، قسمت (اشیاء کی تقسیم) شرکت، ہبہ، نکاح، رُجوع عن الطلاق، مال کے بدلے صلح کرنا اور قرض سے بری کرنا۔ (ان میں اضافت کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے) یہ ایسے معاملات ہیں جن سے فوری ملکیت کا انتقال وجود میں آتا ہے لہٰذا ان کی مستقبل کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی جیسے انہیں کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں کیا جاسکتا۔

لہٰذا یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ شیئرز بیچنے والے کی ملکیت اور قبضہ میں ہیں (یعنی وہ ان کی ڈیلیوری لے چکا ہے) اور بیع آئندہ تاریخ کے لئے نہیں، بلکہ آج ہی کی تاریخ کے لئے ہوئی ہے، البتہ قیمت ادھار رکھی گئی ہے کہ خریدار قیمت آئندہ کسی تاریخ پر ادا کرے گا، تو اس صورت میں شیئرز کی ڈیلیوری خریدار کو دینی ہوگی، اور قیمت کی وصولی کیلئے ڈیلیوری دیئے بغیر شیئرز اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہے اور اس میں ثمن کی وصولی کے لئے مبیع کو روکا جارہا ہے حالانکہ بیع مؤجل میں بائع کو "حبس المبیع لاستیفاء الثمن" یعنی ثمن کی وصولی کے لئے مبیع کے روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:-

قال أصحابنا رحمهم الله تعالى: للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن إذا كان حالًا، كذا في المحيط، وإن كان مؤجلًا، فليس للبائع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده، كذا في المبسوط.[1]

ترجمہ:- ہمارے فقہائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ بیع معجّل میں بائع کو "حبس المبیع لاستیفاء الثمن" کرنا یعنی ثمن کی وصولی کے لئے مبیع

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب البيوع (۱۵/۳).

کو روکنا جائز ہے لیکن بیع مؤجل میں ثمن کی وصولی کے لئے مبیع
روکنے کا حق حاصل نہیں۔

۴- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ آج کی تاریخ ہی کے لئے خریدار کو بیچ رہا ہے اور ان کی ڈیلیوری بھی خریدار کو دیدیتا ہے، لیکن قیمت آئندہ تاریخ کے لئے اُدھار رکھی گئی ہے اور خریدار کو ڈیلیوری دینے کے بعد پھر وہی شیئرز جو خریدار کے نام منتقل ہو چکے ہیں، اپنے پاس گروی رکھ لیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے کیونکہ اس صورت میں مذکورہ بالا خرابی نہیں پائی جاتی۔

۵- پانچویں صورت یہ ممکن ہے کہ بیچنے والے کی ملک اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ بیع ابھی نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص قیمت پر آئندہ بیچنے کا وعدہ کرتا ہے، اور خریدار آئندہ اس قیمت پر خریدنے کا صرف وعدہ کرتا ہے۔ پھر جب وعدے کی تاریخ آتی ہے تو اس وقت عملاً بیع ہوتی ہے۔

اس صورت کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ کیا وعدہ ملزمہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پہلے باب کی فصلِ اول میں "ہائر پرچیز" کے عنوان کے تحت یہ بات گزر چکی ہے کہ عام حالات میں تو وعدہ کو پورا کرنا لازم نہیں البتہ اگر کہیں اس کے پورا کروانے کی واقعی حاجت ہو تو اس وقت اسے لازم قرار دیا جا سکتا ہے یہ مسلک متاخرین فقہائے حنفیہ نے اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

المواعيد قد تكون لازمةً فيجعل لازمةً لحاجة الناس.[1]

ترجمہ:- کبھی کبھی وعدے لازم ہوتے ہیں پس لوگوں کی حاجت کے

---

(۱) رد المحتار (۳۵۳/۴).

انظر أيضا الفتاوى الخانية (۱۶۵/۲).

شرح المجلة، الأتاسي (محمد خالد الأتاسي) كوئته، المكتبة الاسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۳ھ (۴۱۵/۲).

شرح الأشباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين إبراهيم الشهير بابن نجيم) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ الفن الثاني، كتاب الحظر و الإباحة (۱۱۰/۲).

پیشِ نظر انہیں لازم قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور مذکورہ صورت میں کوئی ایسی حاجت نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے کوئی حرجِ عام لازم آئے، بلکہ اسٹاک ایکسچینج میں سٹہ بازی کے رجحان کو روکنے کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ''وعدہ'' غیر ملزم ہی رہے، لہٰذا اگر دونوں فریق وعد غیر ملزم (Non- Binding Promise) کرلیں تو یہ جائز ہے، اس صورت میں اگر کوئی فریق وعدے کو پورا نہ کرے تو وہ دیانۃً تو گناہ گار ہوگا، لیکن قضاءً اسے مجبور نہ کیا جاسکے گا۔

فاریکس (Forax) کا کاروبار

آج کل فاریکس (Forax) کے نام سے بین الاقوامی سطح پر ایک کاروبار مروّج ہے۔ اس مارکیٹ یا کاروبار کو (Forax) مارکیٹ یا کاروبار کہتے ہیں۔ اس مارکیٹ میں کپاس، گندم، مختلف جوس، کوکو، کافی، خام تیل، سونا، چاندی، کاپر، نیچرل گیس، جانور، کرنسی اور دیگر بہت سی اشیاء کا کاروبار ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اس میں خریدار اپنی رقم لے کر اس مارکیٹ کے ان نمائندوں سے رابطہ کرتا ہے جو کہ لاکھوں ڈالر کی ادائیگی کے بعد اس انٹرنیشنل مارکیٹ میں رکن بنے ہوتے ہیں۔ وہی نمائندے انٹرنیشنل مارکیٹ میں کاروبار کی سہولت مہیا کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر اس مارکیٹ کے حوالے سے مختلف اشیاء کے ریٹ آرہے ہوتے ہیں، اور لحہ بہ لحہ کم زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص اس مارکیٹ کے ذریعے کوئی چیز خریدتا ہے، اور پھر ریٹ بڑھتے ہی اسے آگے فروخت کر کے نفع کماتا ہے، اور اگر قیمت گرجاتی ہے تو یہ اس کا نقصان شمار ہوتا ہے، کمپنی ایک ٹریڈ مکمل ہونے پر اپنا طے شدہ کمیشن وصول کرتی ہے، اور اگر مقررہ وقت پر سودا مکمل نہ ہوسکے تو کمپنی اس کے بعد مزید چارجز بھی وصول کرتی ہے، جب خریدار کوئی چیز خرید لیتا ہے تو پانچ سے دس منٹ کے اندر انٹرنیشنل مارکیٹ میں ادارے کا نمائندہ خریداری کی رسید کمپیوٹر کے ذریعے ارسال کردیتا ہے کہ فلاں چیز فلاں نے اتنی قیمت میں خریدی۔ جتنی مالیت کی چیز خریدی جاتی ہے اتنے ہی پیسے کمپنی کے اکاؤنٹ سے پہلے ہی وصول کرلئے جاتے ہیں رسید

بعد میں بھیجی جاتی ہے۔ گاہک چاہیں تو وہ جنس اپنے ملک میں بھی منگوا سکتے ہیں لیکن بحری جہاز کا کرایہ اور دیگر اخراجات ادا کرنے کے بعد وہ چیز بہت مہنگی پڑتی ہے۔ اس لئے اسے اسی دن یا کچھ دنوں کے بعد خریداری کے طریقے پر ہی اسی مارکیٹ میں اس کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ نمائندہ خریدار کو فروخت کی رسید ارسال کر دیتا ہے۔ اگر خریدار کو نفع ہوا ہو تو اس کا اندارج بھی ہو جاتا ہے۔ اگر نقصان ہوا ہو تو اس کے پیسے بھی خریدار کے اکاؤنٹ سے کٹنے کے بعد اس کا بقایا حساب اسے بتا دیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ کاروبار بین الاقوامی سطح پر ہوتا ہے اس لئے یہ تقریباً چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے یہ آپ کی اپنی مرضی ہے کہ آپ آسٹریلیا کی مارکیٹ میں صبح تین بجے خریداری کریں یا دوپہر کو برطانیہ کی مارکیٹ میں خرید و فروخت کریں یا پھر رات کو امریکہ یا دیگر ممالک میں کاروبار کریں۔ کاروبار کرنے والا جب اپنے وقت میں سہولت دیکھتا ہے اسی وقت اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کام کرتا ہے۔ ان اداروں کو فاریکس آفس اور بروکیج ہاؤس کہتے ہیں جو کہ عالمی منڈی میں اپنی فیس کے عوض آپ کو کاروبار کی سہولت مہیا کرتے ہیں۔

عام طور پر کسی شخص کا کوئی چیز خریدنا اور فروخت کرنا سب کا غذی کاروائی ہوتی ہے، خریدی ہوئی اشیاء پر نہ قبضہ ہوتا ہے اور نہ قبضہ کرنا مقصود ہوتا ہے، بلکہ محض نفع ونقصان برابر کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں تو عموماً "بیع قبل القبض" ہوتی ہے اور اس مارکیٹ کے ذریعے "سٹہ" کھیلا جاتا ہے۔ اس لئے یہ صورت جائز نہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص خریدی گئی چیز پر قبضہ کرنے کے بعد اسے آگے فروخت کرے نیز وہ چیز ایسی ہو کہ اس کا کاروبار کرنے کی شرعاً اجازت ہو تو وہ جائز ہے۔

مصادر ومراجع

(Bibliography)

١۔ القرآن الکریم

(الف)

٢۔ الإجماع: ابن المنذر (محمد بن ابراھیم بن المنذر المتوفی ٣١٨ھ) قطر: رئاسة معالم الشرعیة والشئون الإسلامیة، الطبعة الثانیة، ١٤٠٧ھ

٣۔ أحکام القرآن: ابن العربي (أبو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی ٤٦٨ھ-٥٤٣ھ) بیروت، دار المعرفة

٤۔ أحکام القرآن: العثماني (العلامة ظفر أحمد العثماني) کراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٧ھ-١٩٨٧م

٥۔ الجامع لأحکام القرآن المعروف بتفسیر القرطبي: القرطبي (أبو عبد اللہ محمد بن أحمد الانصاری القرطبي) القاھرة، مطبعة دار الکتب المصریة، ١٣٥٦ھ-١٩٣٧م

٦۔ أحکام المعاملات الشرعیة: الخفیف (الاستاذ الشیخ علی الخفیف، البحرین، بنك البرکة الإسلامی للاستثمار)

٧۔ الإحکام فی أصول الأحکام: الآمدی (سیف الدین أبو الحسن علی بن أبي علی بن محمد الآمدی) القاھرة، موسسة الحلبی و شرکاہ، الطبعة ١٣٨٧ھ-١٩٦٧م

٨۔ الاختیار لتعلیل المختار: الموصلی (عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی) مصر، مطبعة مصطفی البابي الحلبی وأولادہ، الطبعة الثانیة ١٣٧٠ھ-١٩٥١م

٩۔ الاستذکار: ابن عبدالبر (الحافظ أبو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمری الأندلسی ٣٦٨ھ-٤٦٣ھ) القاھرة، دار الوعی، الطبعة الأولیٰ، محرم ١٤١٤ھ

۱۰۔ اسلام اور جدید معیشت وتجارت، عثمانی (مولانا محمد تقی عثمانی) کراچی، ادارۃ المعارف، طبع جدید ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ - مارچ ۱۹۹۹ء

۱۱۔ أسنى المطالب، الأنصاري (القاضي أبو يحيٰى زكريا الأنصاري المتوفي ۹۳۶ھ) بيروت، دارالكتب العلمية، الطبعة الأولىٰ ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱م

۱۲۔ الأسواق المالية، بحث في مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد السادس، الجزء الثاني ۱۴۱۰ھ - ۱۹۹۰م

۱۳۔ أسهل المدارك، الكشناوي (العلامة أبوبكر بن حسن الكشناوي) بيروت، دار الفكر

۱۴۔ الأشباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم المتوفي ۹۷۰ھ) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولىٰ، ۱۴۱۸ھ

۱۵۔ الأشباه والنظائر، السيوطي (جلال الدين عبد الرحمن السيوطي المتوفي ۹۱۱ھ) مصر، مصطفىٰ البابي الحلبي وأولاده، الطبعة ۱۳۵۶ھ - ۱۹۳۸م

۱۶۔ إعانة الطالبين، الدمياطي (السيد البكري بن السيد محمد الدمياطي) بيروت، دارالفكر

۱۷۔ إعلاء السنن، العثماني (العلامة ظفر أحمد العثماني) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ

۱۸۔ أقرب الموارد في فصيح العربية والشوارد، الشرتوني (العلامة سعيد الخوري الشرتوني) ايران، دارالأسوة للطباعة والنشر، الطبعة الأولىٰ ۱۳۷۴ھ - ۱۴۱۶ھ

۱۹۔ إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، الأبيّ (أبو عبيد الله محمد بن خلفة الوشتاني الأبيّ المتوفي سنة ۸۲۷ھ) بيروت، المكتبة العلمية

۲۰۔ امداد الفتاوی، تھانوی (مولانا اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع پنجم، ۱۴۰۶ھ

۲۱۔ امداد المفتیین، شفیع (مفتی محمد شفیع المتوفی ۱۳۹۶ھ) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی

۲۲۔ الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، المرداوي (علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي) بيروت، داراحياء التراث العربي، الطبعة الثانية ۱۴۰۰ھ - ۱۹۸۰ء

۲۳- أنيس الفقهاء في تعريفات الألفاظ المتداولة بين الفقهاء، القونوي (الشيخ قاسم القونوي المتوفى ۹۷۸ھ) السعودية، جدة، دار الوفاء للنشر والتوزيع، الطبعة الأولى، ۱٤۰٦ھ –۱۹۸٦م

(ب)

۲٤- بدائع الصنائع، الكاساني (علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني المتوفى ۵۸۷ھ) كراجي، ايچ ايم سعيد كمپني، الطبعة الأولى ۱۳۲۸ھ –۱۹۱۰م

۲۵- البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المتوفى ۹۷۰ھ) بيروت دار الكتب العلمية، ۱٤۱۸ھ –۱۹۹۷ھ

۲٦- البحر الزخار، المرتضى (أحمد بن يحيى بن المرتضى المتوفى ۸٤۰ھ) صنعاء، دار الحكمة ايمانية، الطبعة الأولى ۱۳٦٦ھ –۱۹٤۷م

۲۷- البحر المحيط، العلامة ابو حيان (۷۵٤ھ) القاهرة، مطبعة السعادة ۱۳۲۸ھ

۲۸- بحوث في قضايا فقهية معاصرة، العثماني (مولانا محمد تقي العثماني ب۱۹٤۳ء) دمشق دار القلم ۱٤۱۹ھ –۱۹۹۸م

۲۹- بداية المجتهد، ابن رشد الحفيد (أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الأندلسي الشهير بابن رشد الحفيد المتوفى ۵۹۵ھ) مصر، مطبعة محمد على صبيح، الطبعة الأولى

۳۰- بذل المجهود في حل أبي داود، السهارنپوري (مولانا خليل أحمد السهارنپوري ۱۳٤٦ھ) القاهرة، المطبعة السلفية، الطبعة الأولى ۱۳۹۳ھ

۳۱- البناية في شرح الهداية المشهور بعيني شرح الهداية، العيني (العلامة بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني ۷٦۲ھ –۸۵۵ھ) مكة المكرمة، المكتبة الإمدادية، الطبعة الأولى ۱۳۹٦ھ

۳۲- البهجة في شرح التحفة، التسولي (العلامة أبو الحسن على بن عبد السلام التسولي) بيروت، لبنان، دار المعرفة، الطبعة الثالثة، ۱۳۹۷ھ –۱۹۷۷م

۳۳- بيان القرآن، تهانوی (مولانا اشرف علی تهانوی ۱۳٦۲ھ) كراجي، ايچ ايم سعيد كمپني

٣٤- بيع العربون، المنيع (عبدالله سليمان المنيع) بحث لمجمع الفقه الإسلامي (العالمي) جدة، الدورة الثامنة

٣٥- بيع العربون، المصري (الدكتور رفيق يونس المصري) بحث لمجمع الفقه الإسلامي (العالمي) جدة، الدورة الثامنة

٣٦- بیمہ زندگی، شفیع (مفتی محمد شفیع) کراچی، دارالاشاعت، اشاعت اول، اکتوبر ۱۹۷۲ء

٣٧- بیمہ کی حیثیت اسلام کی نظر میں، رحمانی (مولانا عبد اللہ رحمانی) المکتبة السلفیة، طبع اول، اکتوبر ۱۹۶۶ء

(ت)

٣٨- التاج والإكليل لمختصر خليل، المواق (أبو عبد الله محمد بن يوسف بن أبي القاسم الشهير بالمواق المتوفى ٨٩٨هـ) بيروت، دارالفكر الطبعة الثانية ١٣٩٨هـ-١٩٧٨م

٣٩- تاج العروس، الزبيدي (السيد محمد مرتضى الزبيدي) بيروت، دار صادر، ١٣٨٦هـ-١٩٦٦م

٤٠- تاريخ ابن معين، (يحيى بن معين) مكة المكرمة، مركز البحث العلمي واحياء التراث العلمي، الطبعة الأولى ١٣٩٩هـ-١٩٧٩م

٤١- التامين وإعادة التامين، الزحيلي (الدكتور وهبة الزحيلي) بحث لمجمع الفقه الإسلامي (العالمي) العدد الثاني، الجزء الثاني، ١٤٠٧هـ-١٩٨٦م

٤٢- التامين الإسلامي بديل للتامين المعاصر، جناهي (عبد اللطيف عبدالرحيم جناهي) بحث غير مطبوع

٤٣- تبيين الحقائق، الزيلعي (الإمام فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي المتوفى ٧٤٣هـ) بتحقيق الشيخ أحمد عزّو عناية، بيروت، لبنان، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ

٤٤- تدريب الراوي، السيوطي (العلامة جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي المتوفى ٩١١هـ) مصر، مطبعة الخيرية ١٣٠٧هـ

٤٥- تدريب السالك إلى أقرب المسالك، المبارك، (عبد العزيز بن أحمد المبارك) القاهرة، مطبعة المدني، الطبعة الثانية ١٣٩١هـ-١٩٧٢م

٤٦- الترغيب والترهيب، المنذرى (الحافظ زكي الدين عبدالعظيم المنذرى المتوفي ٦٥٦هـ) مصر، دار الكتب المصرية الطبعة الاولى ١٣٥٦هـ-١٩٣٣م

٤٧- التعريفات، الجرجاني (السيد شريف علي بن محمد) ايران، تهران ١٣٠٦هـ

٤٨- التعليق الميسر على ملتقى الأبحر، الألباني (وهبي سليمان غاوجي الألباني) بيروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الاولى، ١٤٠٩هـ-١٩٨٩م

٤٩- تطبيقات الإجارة والجعالة على عقود الصيانة (البحث) قاسم (الاستاذ الدكتور يوسف قاسم، كلية الحقوق جامعة القاهرة للدراسات العليا والبحوث واستاذ الشريعة بها، الطبعة الاولى ١٤١٩هـ-١٩٩٨م

٥٠- التعليق على تحرير الفاظ التنبيه أو لغة الفقه، النووى (محي الدين يحيى بن شرف النووى) بيروت، دار القلم، الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ-١٩٨٨م

٥١- التفسيرات الأحمدية في بيان الآيات الشرعية، ملاجيون، (الشيخ أحمد المدعو بملا جيون) بمبئي، المطبع الكريمي

٥٢- تقريب التهذيب، العسقلاني (أحمد بن علي بن حجر العسقلاني ٧٧٣-٨٥٢هـ) المدينة المنورة، المكتبة العلمية

٥٣- تقرير ترمذى، عثماني (مولانا محمد تقي عثماني) كراچي، ميمن اسلامك پبلشرز، تاريخ اشاعت ١٩٩٩ء

٥٤- تكمله رد المحتار، آفندى (العلامة محمد علاء الدين آفندى) كراتشي، ايچ ايم سعيد كمپني، ١٤٠٦هـ-١٩٨٦م

٥٥- تكملة المجموع شرح المهذب المطيع (محمد نجيب المطيع) مصر، مطبعة الإمام

٥٦- تكملة فتح الملهم، العثماني (مولانا محمد تقي العثماني) كراتشي، مكتبه دارالعلوم كراتشي، الطبعة الأولى ١٤٠٥هـ

٥٧- تلخيص الطبري، أبو العباس أحمد بن أبي احمد الطبري مكة المكرمة-رياض- مكتبة نزار مصطفى الباز

۵۸- التمهید، ابن عبدالبر (أبو عمر یوسف بن عبد الله بن عمر بن عبد البر) مكة المكرمة، المكتبة التجارية

۵۹- التهذیب، البغوی (الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ) بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م

۶۰- تهذیب التهذیب، العسقلانی (أحمد بن علی بن حجر العسقلانی ۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) حیدرآباد دکن، دائرة المعارف النظامیه

۶۱- تهذیب الفروق علی هامش الفروق (الشیخ محمد علی بن الشیخ حسین مفتی المالکیة) بیروت، دار المعرفة

۶۲- تهذیب الکمال فی أسماء الرجال، المزی (جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزی ۶۵۴-۷۴۲ھ) بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولیٰ ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م

(ج)

۶۳- الجامع لأحکام القرآن، القرطبی (أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاری القرطبی، القاهرة، مطبعة دارالکتب العربیة، الطبعة الأولیٰ ۱۳۰۱ھ-۱۹۳۳م

۶۴- جامع الأصول فی أحادیث الرسول، ابن الأثیر (مجدالدین أبوالسعادات المبارک بن محمد ابن الأثیر الجزری ۵۵۴-۶۰۶ھ) مکتبة دارالبیان، الطبعة الأولیٰ ۱۳۸۹ھ-۱۹۶۹م

۶۵- جامع الترمذی، الترمذی (أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی المتوفی ۲۹۷ھ) بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م

۶۶- جامع الفصولین، ابن قاضی سماوة (الشیخ محمود بن اسماعیل الشهیر بابن قاضی سماوة) کراتشی، اسلامی کتب خانه، مطبوعة ۱۴۰۲ھ

(ح)

۶۷- حاشیة الباجوری علی ابن قاسم الغزی، الباجوری (الشیخ إبراهیم الباجوری) مصر، عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاه

۶۸- حاشیة البجیرمی، البجیرمی (سلیمان بن عمر بن محمد البجیرمی) ترکیا، دیار بکر، المکتبة الإسلامیة

٦٩- حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، الدسوقي (شمس الدين الشيخ محمد عرفه الدسوقي) بيروت، دار الفكر

٧٠- حاشية تبيين الحقائق، الشلبي (الإمام الشيخ محمد الشلبي ١١٩٠هـ-١٢٦٢هـ) بيروت لبنان، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م

٧١- حاشية الجمل على شرح المنهج، الجمل (سليمان بن عمر بن منصور العجيلي المصري الشافعي المعروف بالجمل المتوفى ١٢٠٤هـ) بيروت، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ-١٩٩٦م

٧٢- حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الطحطاوي (أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي المتوفى ١٢٣١هـ) مصر، مكتبة البابي الحلبي، الطبعة الثالثة ١٣١٨هـ

٧٣- حاشية على الهداية، اللكهنوي (أبو الحسنات محمد عبد الحي اللكهنوي) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية الطبعة الأولى ١٤١٧هـ

٧٤- الحاوي الكبير، الماوردي (أبو الحسن علي بن محمد بن حبيب الماوردي)بيروت .... لبنان، دار الكتب العلمية الطبعة الأولى ١٤١٤هـ

٧٥- الحجة، الشيباني (الإمام محمد بن الحسن الشيباني المتوفى ١٨٩هـ) بيروت، دار عالم الكتب، الطبعة الثالثة ١٤٠٣هـ

٧٦- حكم الإسلام في التامين، علوان (عبد الله ناصح علوان) القاهرة، دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع، الطبعة الرابعة ١٤٠٤هـ-١٩٨٤م

٧٧- حكم الشريعة الإسلامية في عقود التامين، حسان (الدكتور حسين حامد حسان) القاهرة دار الاعتصام

٧٨- حلية العلماء في معرفة مذاهب الفقهاء، القفال (سيف الدين أبو بكر محمد بن أحمد الشاشي القفال) المملكة الأردنية الهاشمية، عمان، مكتبة الرسالة الحديثة، الطبعة الاولىٰ ١٩٨٨م

(خ)

٧٩- الخرشي على مختصر سيدي خليل، الخرشي (العلامة محمد الخرشي مالكي) بهامش الشيخ على العدوي بيروت، دار صادر

(د)

۸۰- الدرر الاحکام فی شرح غرر الحکام، ملاخسرو (القاضی ملا خسرو الحنفی) کراچی، میر محمد کتب خانہ

۸۱- الدر المختار، الحصکفی (محمد بن علی محمد الملقب بعلاء الدین الحنفی الدمشقی المعروف بالحصکفی المتوفی ۱۰۰۸ھ) کراتشی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعۃالأولی ۱٤۰٦ھ

۸۲- الدر المنتقیٰ فی شرح الملتقیٰ، الحصکفی (محمد بن علی محمد الملقب بعلاء الدین الحنفی الدمشقی المعروف بالحصکفی المتوفی ۱۰۰۸ھ) بیروت، لبنان دارالکتب العلمیۃ، الطبعۃ الأولیٰ ۱٤۱۹ھ

(ذ)

۸۳- الذخیرۃ، القرافی (شہاب الدین أحمد بن إدریس القرافی المتوفی ٦۳٤ھ) بیروت، دارالغرب الإسلامی، الطبعۃ الأولیٰ ۱۹۹٤م

(ر)

۸٤- ربا اور مضاربت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۸۵- رجسٹر نقل فتاویٰ (غیر مطبوعہ)، جامعہ دارالعلوم کراچی

۸٦- ردّ المحتار، الشامی (العلّامۃ محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی) کراتشی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعۃالأولی ۱٤۰٦ھ

۸۷- رسائل ابن عابدین ابن عابدین الشامی (السید محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی) لاھور، سہیل اکیڈمی الطبعۃ الأولی ۱۳۹٦ھ-۱۹۷٦م

۸۸- روح المعانی، الآلوسی (العلامۃ أبو الفضل محمود الآلوسی ۱۲۷۰ھ) لاھور، المکتبۃ الرشیدیۃ

۸۹- الروض المربع، البہجاوی (شرف الدین أبو النجاموسی بن أحمد البہجاوی) بیروت، لبنان دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃالتاسعۃ ۱٤۰۸ھ-۱۹۸۸م

(ز)

۹۰- زاد المحتاج، الکوھجی (الشیخ عبداللہ بن شیخ حسن الحسن الکوھجی) قطر،

الشؤون الدينية، الطبعة الأولى ١٤٠٢هـ-١٩٨٢م

٩١- الزواجر عن ارتكاب الكبائر، الهيتمي (العلامة ابن حجر المكي الهيتمي المتوفي ٩٧٤هـ) مصر، مكتبة مصطفى البابي، الطبعة الأولى ١٣٧٠هـ

(س)

٩٢- سبل السلام، الصنعاني (الإمام محمد بن اسماعيل اليمني الصنعاني المتوفي ١١٨٢هـ)مصر مطبعة مصطفى البابي الحلبي

٩٣- سنن ابن ماجة، القزويني (الحافظ أبو عبدالله محمد بن يزيد القزويني المتوفي٢٧٣هـ) رياض، شركة الطباعة العربية، الطبعةالثانية ١٤٠٤هـ-١٩٨٤م

٩٤- سنن أبي داود، السجستاني، (أبو داود سليمان ابن اشعث السجستاني المتوفي ٢٧٥هـ) بيروت، دار احياء السنة النبوية، الطبعة الأولى ١٣٩٦هـ

٩٥- سنن البيهقي الكبرى، البيهقي (أحمد بن حسين بن علي بن موسى أبوبكر ٣٨٤هـ-٤٥٨هـ) مكة المكرمة، مكتبة دارالباز ١٤١٤هـ-١٩٨٤م

٩٦- سنن الدارقطني (الحافظ علي بن عمر الدارقطني المتوفي ٣٨٥هـ بيروت، دارالمعرفة، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م

٩٧- سنن الدارمي، الدارمي (الإمام عبدالله الدارمي ٢٥٥هـ) دمشق، دار القلم الطبعة الأولى١٤١٧هـ

٩٨- سنن سعيد بن منصور (الإمام سعيد بن منصور ٢٢٧هـ) المملكة العربية السعودية، دار الصميعي الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ

٩٩- سنن النسائي، النسائي (الإمام أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب النسائي٣٠٣هـ) حلب، مكتب المطبوعات الإسلامية، الطبعة الثانية ١٤٠٦هـ-١٩٨٦م

١٠٠- سير أعلام النبلاء، الذهبي (الإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي المتوفي ٧٤٨هـ) بيروت، المؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ١٤٠٢هـ-١٩٨٢م

(ش)

١٠١- شرح الزرقاني على مختصر خليل، الزرقاني (العلامة السيد عبد الباقي الزرقاني) بيروت، دارالفكر، الطبعة الأولى ١٤١٢هـ-١٩٩١م

١٠٢- شرح زبد ابن أرسلان، الرملي (محمد بن أحمد الرملي ٩١٩-١٠٠٤هـ)
بيروت، دارالمعرفة

١٠٣- شرح صحيح البخاري، ابن بطّال (أبوالحسن علي بن خلف بن عبدالملك المعروف بابن بطّال) رياض، مكتبة الرشد، الطبعة الأولى١٤٢٠هـ-٢٠٠٠ م

١٠٤- شرح الصغير، الدردير (أبو البركات أحمد بن محمد بن أحمد الدردير)
مصر، دارالمعارف

١٠٥- شرح عقود رسم المفتي، الشامي (السيد محمد أمين الشهير بابن عابدين الشامي) كراتشي، قديمي كتب خانه

١٠٦- شرح العناية على الهداية، البابرتي (أكمل الدين محمد بن محمود البابرتي٧٨٦هـ)كوئٹه، مكتبة رشيدية

١٠٧- الشرح الكبير مع المغني، المقدسي (شمس الدين أبو الفرج عبد الرحمٰن بن أبي عمر محمد بن أحمد بن قدامة المقدسي) بيروت، دارالكتاب العربي، الطبعة الجديدة ١٣٩٢هـ-١٩٧٢م

١٠٨- شرح معاني الآثار، الطحاوي (أبو جعفر أحمد بن محمد المصري الطحاوي ٢٣٩هـ-٣٢١هـ) بيروت دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م

١٠٩- شرح المجلة، الأتاسي (محمد خالد الأتاسي) كوئٹه، مكتبة اسلامية، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٣هـ

١١٠- شرح منتهى الإرادات، البهوتي (العلامة منصور بن يونس بن إدريس البهوتي) بيروت، دارالفكر

١١١- شركات التكافل اور درپيش مسائل كا شرعي جائزه، شامزئي (ڈاكٹر مفتي محمد نظام الدين شامزئي) مقاله غير مطبوعه

١١٢- شركة العنان، الفاضل (ابراهيم الفاضل) عمان، مكتبة الأقصى ١٤٠٣هـ

١١٣- الشركات في الشريعة الإسلامية والقانون الوضعي، الخياط (الدكتور عبدالعزيز عزت الخياط) بيروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية، ١٤٠٣هـ-١٩٨٣م

١١٤- الشركات في الفقه الإسلامي، الخفيف (الشيخ علي الخفيف) مخطوطة

فی المکتبۃ العلمیۃ، جامعہ دارالعلوم کراتشی

۱۱۵- شرکۃ المساھمۃ فی النظام السعودی، المرزوقی (الدکتور صالح بن زابن المرزوقی) مکۃ المکرمۃ، مطابع الصفا، المطبوعۃ ۱۴۰۶ھ

۱۱۶- شرکت ومضاربت عصر حاضر میں، عثمانی (مولانا محمد عمران اشرف عثمانی) کراچی ادارۃ المعارف، طبع اول محرم الحرام ۱۴۲۱ھ-اپریل ۲۰۰۰م

۱۱۷- شعب الإیمان، البیہقی (أحمد بن حسین بن علی بن موسیٰ أبوبکر ۳۸۴ھ-۴۵۸ھ) مکۃ المکرمۃ، مکتبۃ دارالباز ۱۴۱۰ھ

(ص)

۱۱۸- الصحاح، الجوھری (اسماعیل بن حماد الجوھری) مصر، دارالکتاب العربی الطبعۃ الأولی ۱۳۷۵ھ-۱۹۵۶م

۱۱۹- صحیح ابن حبان، التمیمی (محمد بن حبان بن أحمد أبوحاتم التمیمی المتوفی ۳۵۴ھ) بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م

۱۲۰- صحیح البخاری، البخاری (الإمام أبو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری) بیروت، دار ابن کثیر، الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م

۱۲۱- صحیح لمسلم، النیشابوری (أبو الحسین مسلم بن حجاج القشیری النیشابوری ۲۰۶ھ-۲۶۱ھ) بیروت، داراحیاء التراث العربی

(ط)

۱۲۲- طلبۃ الطلبۃ فی اصطلاحات الفقھیۃ، النسفی (الشیخ نجم الدین بن حفص النسفی المتوفی ۵۳۷ھ) بیروت، لبنان، دارالقلم، الطبعۃ الأولیٰ ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶م

۱۲۳- الطبقات الکبریٰ، ابن سعد (العلامۃ محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ) بیروت، دار بیروت، ۱۳۷۷ھ

(ع)

۱۲۴- عارضۃ الأحوذی شرح جامع الترمذی، ابن العربی (الإمام أبوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی) بیروت، داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الأولی ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م

۱۲۵- عجالة المحتاج إلى توجيه المنهاج' ابن الملقن (عمر بن علي بن أحمد المشهور بابن الملقن المتوفى ۸۰۴ھ) اردن' دار الكتاب' الطبعة الاولى ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱م

۱۲۶- عدالتی فیصلے' عثمانی (مولانا محمد تقی عثمانی) لاہور' ادارہ اسلامیات' اشاعت دوم ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق مارچ ۲۰۰۰ء

۱۲۷- العمدة شرح العمدة' المقدسي (العلامة بهاء الدين عبد الرحمٰن بن إبراهيم المقدسي) قطر' المطبعة السلفية ومكتبتها

۱۲۸- العربون' الزحيلي (الدكتور وهبة مصطفى الزحيلي) بحث لمجمع الفقه الإسلامي (العالمي) جدة

۱۲۹- عطر ھدایہ' لکہنوی (علامہ فتح محمد لکہنوی) دیوبند' مکتبہ نشر القرآن

۱۳۰- عقد الجواهر الثمينة' ابن شاش (جلال الدين عبدالله بن نجم بن شاش المتوفى ۶۱۶ھ) بيروت' دار الغرب الإسلامي' الطبعة الأولى ۱۴۱۰ھ-۱۹۹۵م

۱۳۱- عقود التامين وإعادة التامين في الفقه الإسلامي' الفرفور (الدكتور محمد عبد اللطيف الفرفور) بحث لمجمع الفقه الإسلامي' العدد الثاني' الجزء الثاني

۱۳۲- عقود الصيانة وتكفيبها الشرعي' الضرير (الدكتور الصديق محمد الأمين الضرير) بحث لمجمع الفقه الاسلامي' العالمي' للدورة الحادية عشرة ۲۵-۳۰ رجب ۱۴۱۹ھ/ ۱۴-۱۹ نومبر ۱۹۹۸م المنامة (البحرين)

۱۳۳- عقود الصيانة (الدكتور منذر قحف) بحث لمجمع الفقة الإسلامي للدورة الحادية عشرة ۲۵-۳۰ رجب ۱۴۱۹ھ/ ۱۴-۱۹ نومبر ۱۹۹۸م المنامة (البحرين)

۱۳۴- عقود الصيانة' الجعي' (الاستاذ الدكتور أحمد الجعي' الأستاذ في جامعة دمشق' خبير بالموسوعة الفقهية وزارة الأوقاف الشوؤن الاسلامية' دولة الكويت

۱۳۵- عمدة القاری شرح صحیح البخاری' العینی (بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني المتوفى ۸۵۵ھ) بيروت' دار الفكر

۱۳۶- العناية على هامش فتح القدير' البابرتي (الإمام أكمل الدين محمد بن محمود البابرتي المتوفى ۷۸۶ھ) كوئٹه' مكتبة رشيدية' الطبعة الاولى' ۱۳۹۷ھ

(غ)

۱۳۷- الغرر وأثره في العقود، الضرير (الدكتور الصديق محمد الأمين الضرير)
طبعه المؤلف بنفسه، الطبعة الثانية ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م
۱۳۸- الغرر في العقود وآثاره في التطبيقات المعاصرة، الضرير (الدكتور الصديق محمد الأمين الضرير) جدة، المعهد الإسلامي للبحوث و التدريب، الطبعة الأولى ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م
۱۳۹-غمز عيون البصائر على الأشباه والنظائر، الحموى (الشيخ أحمد بن محمد الحموى) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى، ۱۴۱۸ھ

(ف)

۱۴۰- فتح باب العناية بشرح النقاية، على القارى (الإمام نور الدين أبو الحسن على بن سلطان محمد الهروى القارى المتوفى ۱۰۱۴ھ) بيروت، شركة دار الأرقم، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸م
۱۴۱- فتاوى الأنقروية، الأنكورى (محمد بن حسين الأنكورى) بولاق، المطبعة المصرية، الطبعة ۱۲۸۱ھ
۱۴۲- الفتاوى البزازية، الكردرى، (الإمام محمد بن محمد شهاب المعروف بابن البزاز الكردرى الحنفى المتوفى ۸۲۷ھ) كوئٹہ، مكتبة ماجدية، الطبعة الثالثة ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶م
۱۴۳- الفتاوى التاتارخانية، الأندريتى (العلامة عالم بن العلاء الأنصارى الأندريتى الدهلوى المتوفى ۷۸۶ھ) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۱م
۱۴۴- فتاوى قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية، الفرغانى (فخر الدين حسن بن منصور الأوزجندى الفرغانى المتوفى ۲۹۵ھ)
۱۴۵- الفتاوى المهدية، المهدى (محمد العباسى الأزهرى المهدى) مصر، المطبعة الازهرية، الطبعة الأولى ۱۳۰۱ھ
۱۴۶- الفتاوى الهندية المعروف بالفتاوى العالمگيريه، نظام (الشيخ نظام وجماعة

من علماء الهند من القرن الحادی عشر) کوئٹہ، مکتبة ماجدية، الطبعة الثانية، ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م

۱۴۷- فتح الباری، ابن حجر (شیخ الإسلام حافظ ابن حجر العسقلانی) دارنشر کتب الاسلامية، لاهور

۱۴۸- فتح العزيز مع المجموع، الرافعی (الإمام أبو القاسم عبدالكريم بن محمد الرافعی المتوفی ۶۲۳ھ) بیروت دارالفکر

۱۴۹- فتح العلی المالك، علیش (أبو عبدالله الشیخ محمد أحمد علیش المتوفی ۱۲۹۹ھ) بیروت-لبنان، دار المعرفة

۱۵۰- فتح القدير، ابن الهمام (کمال الدين محمد بن عبد الواحدبن عبدالحمید بن مسعود الاسکندری المعروف ابن الهمام المتوفی ۸۶۱ ھ) کوئٹہ، مکتبة رشيدية (۲۰۶/۶)

۱۵۱- فتح الوهاب بشرح منهج الطلاب، الأنصاری (شیخ الإسلام زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاری) بیروت-لبنان، دار الکتب العلمية، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸م

۱۵۲- الفروق، القرافی (أبو العباس شهاب الدين الصنهاجی المشهور بالقرافی) بیروت، دارالمعرفة

۱۵۳- الفقه الإسلامی وأدلته، الزحيلی (الدكتور وهبة الزحيلی) بیروت، دارالفکر الطبعة الأولی ۱۴۰۴ھ-۱۹۸۴م

۱۵۴- فیض الباری، الکشمیری (العلامة محمد انور شاه الکشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ) جوهانسبرج (جنوبی افریقیا) مطبع دارالمامون، الطبعة الأولیٰ ۱۳۵۷ھ-۱۹۳۸م

(ق)

۱۵۵- القاموس الجدید، کیرانوی (مولانا وحیدالزمان قاسمی کیرانوی) لاهور، اداره اسلامیات، طبع اول ذیقعده ۱۴۱۰ھ-جون ۱۹۹۰م

۱۵۶- القاموس العصری (عربی، انگریزی) الیاس (الیاس انطون الیاس) Cairo (U.A.R) Elias Modren الطبعة الثامنة ۱۹۶۰م

۱۵۷- القاموس الفقهي لغة وعادة، أبو حبيب (سعدي أبو حبيب) دمشق، دار الفكر، الطبعة الأولى ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م

۱۵۸- القاموس المحيط، فيروزآبادي (محمد بن يعقوب فيروز آبادي) بيروت، دار احياء التراث العربي، الطبعة الأولى ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۱م

۱۵۹- القاموس المدرسي (عربي انگريزي مع انگريزي عربي) الياس انطون الياس، كراچي، دار الاشاعت، الطبعة الأولى ۱۳۹۶ھ

۱۶۰- المقرب الموارد في فصيح العربية الشوارد، اللبناني (سعيد الخوارزي الشرتوتي اللبناني) ايران، در الأسوة للطباعة والنشر، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ

۱۶۱- القواعد النورانية الفقهية، ابن تيمية (شيخ الإسلام أبو العباس تقي الدين أحمد بن عبدالحليم الدمشقي المعروف بابن تيمية ۶۶۱ھ -۷۲۸ھ) القاهرة، مطبعة السنة المحمدية، الطبعة الأولى ۱۳۷۰ھ

(ک)

۱۶۲- الكافي، ابن قدامة (أبو محمد موفق الدين عبد الله بن قدامة المقدسي المعروف بابن قدامة) بيروت، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م

۱۶۳- الكافي، القرطبي (أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد الله القرطبي) الرياض، مكتبة الرياض، الطبعة الثانية ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰م

۱۶۴- كتاب الأصل المعروف بالمبسوط، الشيباني (الإمام محمد بن الحسن ۱۳۲ھ-۱۸۹ھ) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية

۱۶۵- كتاب الأم، الشافعي (الإمام محمد بن إدريس الشافعي ۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) بيروت، دار قتيبة، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ

۱۶۶- كتاب التعريفات، الجرجاني (علي بن محمد بن علي ابو الحسن الحسيني الجرجاني المتوفى ۸۳۶ھ) بيروت، دار الفكر، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م

۱۶۷- كتاب المبسوط، السرخسي (العلامة شمس الدين محمد بن أبي سهل السرخسي) بيروت، دار المعرفة ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م

۱۶۸- كتاب الأموال، أبو عبيد (الحافظ الحجة القاسم بن سلام المعروف بأبي عبيد

المتوفى ۲۲۴ھ) بیروت-لبنان، دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶م

۱۶۹- کتاب الحجة على أهل المدینة، الشیبانی (الإمام محمد بن الحسن الشیبانی المتوفى ۱۸۹ھ) لاهور، دار المعارف العمانیة

۱۷۰- کتاب الخراج، أبو یوسف (قاضی أبو یوسف یعقوب بن إبراهیم المتوفى ۱۸۲ھ) مصر، دار الإصلاح الطبعة الأولى ۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸م

۱۷۱- کتاب العین، الفراهیدی، (ابو عبد الرحمٰن خلیل بن أحمد الفراهیدی ...۱۰۰ھ-۱۷۵ھ) ایران مؤسسة دار الهجرة، الطبعة الثانیة ۱۴۱۰ھ

۱۷۲- کتاب الفقه على المذاهب الأربعة، الجزیری (عبدالرحمٰن الجزیری) مصر المکتبة التجاریة الکبریٰ، الطبعة السادسة ۱۳۹۲ھ

۱۷۳- کتاب المغرب فی ترتیب المعرب، الخوارزمی (الإمام أبو الفتح ناصر بن عبد السید بن علی المطرزی الخوارزمی ۵۳۸ھ-۶۱۶ھ) بیروت، دار الکتب العربی

۱۷۴- کتاب المغرب فی ترتیب المعرب، المطرزی (ابو الفتح عبدالرشید بن علی المطرزی ۵۳۸ھ-۶۱۶ھ) بیروت لبنان، دار الکتاب العربی

۱۷۵- کتاب المؤطأ (الإمام مالک بن أنس) کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت

۱۷۶- کتب ورسائل وفتاوی لابن تیمیة، ابن تیمیة (أحمد بن عبد الحلیم المعروف بابن تیمیة ۶۶۱ھ-۷۲۸ھ) مکتبة ابن تیمیة

۱۷۷- کشاف القناع عن متن الإقناع، البهوتی (منصور بن یونس بن إدریس البهوتی ...۱۰۰ھ-۱۰۵۱ھ) مکة المکرمة، مطبعة الحکومة الطبعة الأولیٰ ۱۳۹۴ھ

۱۷۸- کشف الحقائق، الأفغانی (العلامة عبد الحکیم الأفغانی المتوفی ۱۳۵۱ھ) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الإسلامیة، الطبعة الأولیٰ ۱۹۹۵م

۱۷۹- کشف المغطا عن وجه المؤطا على هامش مؤطا للإمام مالک، کاندهلوی (محمد اشفاق الرحمٰن کاندهلوی) کراچی، نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب

۱۸۰- الکفایة مع فتح القدیر، الخوارزمی (مولانا جلال الدین الخوارزمی) کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ

(ل)

١٨١- اللباب في شرح الكتاب، الميداني (الشيخ عبد الغني الميداني أحد علماء القرن الثالث عشر) بيروت، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الأولىٰ ١٤١٢هـ-١٩٩١م

١٨٢- لسان العرب، ابن منظور (العلامة ابن منظور ٦٣٠هـ-٧١١هـ) بيروت، دار احياء التراث العربي، الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ-١٩٨٨م

١٨٣- اللمحات من أحكام الشركات، مخطوطة دار العلوم كراتشي

(م)

١٨٤- المبدع في شرح المقنع ابن مفلح (أبو اسحاق برهان الدين إبراهيم بن محمد بن عبدالله بن مفلح المورخ ٨١٦هـ-٨٨٤هـ) بيروت، المكتب الإسلامي، الطبعة الأولىٰ

١٨٥- المبسوط، الشيباني (الإمام محمد بن الحسن الشيباني ١٣٢هـ-١٨٩هـ) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية

١٨٦- المتطلبات الشرعية لصيغ الاستثمار والتمويل، للهيئة المحاسبة والمراقبة للمؤسسات المالية الاسلامية، جدة ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م

١٨٧- مجمع الأنهر، شيخي زاده (عبدالرحمٰن بن محمد بن سليمان الكليبولي المعروف بشيخي زاده المتوفى ١٠٧٨هـ) بيروت لبنان، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ-١٩٩٨م

١٨٨- مجمع بحار الأنوار، الهندى (العلامة محمد طاهر الهندى ٩٨٦هـ) المدينة المنورة، مكتبة دار الإيمان ١٤١٥هـ

١٨٩- مجمع البحرين في زوائد المعجمين، الهيثمي (الحافظ نور الدين الهيثمي ٧٣٥هـ-٨٠٧هـ) الرياض، مكتبة الرشد، الطبعة الثانية ١٤١٥هـ-١٩٩٥م

١٩٠- مجموع فتاوىٰ ابن تيمية (شيخ الإسلام أحمد بن عبدالحليم بن تيمية) الرياض، مطابع الرياض، الطبعه الأولىٰ ١٣٨٣هـ

١٩١- مجلة مجمع الفقه الإسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الأول (١٤١٠هـ-١٩٩٠ء) بحث فضيلة الدكتور إبراهيم فاضل الدبو، الأستاذ بكلية

الشريعة بجامعة بغداد
١٩٢- مجمع الزوائد، الهيثمي (الحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي المتوفى ٨٠٧هـ) بيروت، دارالكتاب العربي، الطبعة الثالثة ١٩٦٧م
١٩٣- المحرر في الفقه، ابن تيمية (عبدالسلام بن عبدالله بن أبي القاسم بن تيمية المتوفى ٦٥٢هـ) الرياض، مكتبة المعارف، الطبعة الثانية ١٤٠٤هـ
١٩٤- المحلى، ابن حزم (أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم المتوفى ٤٠٦هـ) مصر، ادارة الطباعة المنيرية
١٩٥- مختصر اختلاف العلماء بتلخيص الجصاص، الطحاوي، (أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي) بيروت، دار البشائر الإسلامية، الطبعة الأولىٰ ١٤١٦هـ-١٩٩٥م
١٩٦- مختصر خليل، العلامة خليل بن إسحاق بن موسى المالكي، بيروت دار الفكر، سنة الطباعة ١٤١٥هـ
١٩٧- مختصر القدوري، القدوري (الشيخ أبو الحسين أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر البغدادي القدوري المتوفى ٤٢٨هـ) كراتشي ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الاولىٰ ١٤٢٢هـ
١٩٨- المدخل الفقهي العام، الزرقاء (الشيخ مصطفىٰ أحمد الزرقاء) دمشق مطبع الف، د، د، اديب، الطبعة التاسعة ١٩٦٧م
١٩٩- المدونة الكبرىٰ، الأصبحي، (الإمام مالك بن أنس الأصبحي) المتوفى ١٧٩هـ برواية الإمام سحنون بن سعيد التنوخي) بيروت، لبنان، دار الكتب العلمية، الطبعة الاولىٰ ١٤١٥هـ-١٩٩٤م
٢٠٠- مدى شرعية التمويل الإسلامي لعقود الصيانة، الضرير (الدكتور صديق محمد الأمين الضرير) بحث عرض لهيئة الإسلامية الموحدة لدلة البركة لتقديمه في ندوة البركة للاقتصاد الإسلامي في شهر رمضان ١٤٢٠هـ
٢٠١- المرقاة مع المشكوة، القاري (العلامة علي بن سلطان القاري) كوئٹه، المكتبة الحبيبة

۲۰۲- المستصفی من علم الأصول، الغزالی (حجة الإسلام أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی) مصر، مطبعة مصطفٰی محمد، الطبعة الأولی ۱۳۵۶ھ-۱۹۳۷م

۲۰۳- مسند أبی عوانة، أبوعوانة (الإمام أبو عوانة یعقوب بن إسحاق الإسفرائینی ۳۱۶ھ) بیروت، دار المعرفة

۲۰۴- مسند أبی یعلی، أبو یعلی (الإمام أبو یعلی أحمد بن علی التمیمی ۳۰۷ھ) دمشق، دار المامون للتراث، الطبعة الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

۲۰۵- مسند الإمام أحمد بن حنبل، أحمد (الإمام أحمد بن حنبل ۲۴۱ھ) بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۹ھ

۲۰۶- مسند الإمام ابی حنیفة، الأصبهانی (الإمام أبو نعیم أحمد بن عبدالله الأصبهانی ۴۳۰ھ) الریاض، مکتبة الأثر، الطبعة الأولی ۱۴۱۵ھ-۱۹۸۴م

۲۰۷- مسند الطیالسی، الطیالسی (سلیمان بن داود أبوداود الطیالسی المتوفی ۲۰۴ھ) بیروت، دار المعرفة

۲۰۸- المستدرک علی الصحیحین، النیسابوری (محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاکم النیسابوری ۳۲۱ھ -۴۰۵ھ) بیروت دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولی ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۰م

۲۰۹- المصباح المنیر، الفیومی (أحمد بن محمد بن علی المقری الفیومی المتوفی ۷۷۰ھ) بیروت، المکتبة العلمیة، الطبعة القدیمة

۲۱۰- مصنف ابن أبی شیبة، ابن أبی شیبة (الإمام أبوبکر ابن أبی شیبة المتوفی ۲۳۵ھ) کراتشی، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة، الطبعة الأولی ۱۴۰۶ھ

۲۱۱- المصنف، الصنعانی (أبوبکر عبدالرزاق بن همام الصنعانی ۱۲۶ھ-۲۱۱ھ) مع تحقیق الشیخ حبیب الرحمٰن الأعظمی، جنوبی افریقا جوهانسبرک ص.ب:۹ المجلس العلمی، الطبعة الأولیٰ ۱۳۹۲ھ-۱۹۷۲م

۲۱۲- مصباح اللغات، بلیاوی (عبدالحفیظ بلیاوی) کراچی، میر محمد کتب خانه، طبع اول ۱۹۵۰ء

۲۱۳- مضاربت اور بلاسود بینکاری (مولانا عبد الحق المعروف زیارت گل) کراچی، مکتبہ غفوریہ، طبع اوّل، شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ

۲۱۴- المضاربة المشتركة، العثماني (مولانا محمد تقي العثماني) بحث غير مطبوع

۲۱۵- معارف القرآن، شفیع (مفتی محمد شفیع) کراچی، ادارۃ المعارف، طبع جدید، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ-اکتوبر ۱۹۹۴م

۲۱۶- معالم السنن مع سنن أبي داود، الخطابي (أبو سليمان الخطابي) لاهور، المطبعة العربية، الطبعة الثانية، ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹م

۲۱۷- المعايير الشرعية ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۲م، الهيئة (هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الاسلامي) البحرين

۲۱۸- المعجم الصغير، الطبراني (أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني ۲۶۰ھ-۳۶۰ھ) بيروت، المكتب الإسلامي، الطبعة الأولىٰ ۱۴۰۵ھ-۱۹۸۵م

۲۱۹- المعجم الكبير، الطبراني (أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني ۲۶۰ھ-۳۶۰ھ) بغداد دار العربية للطباعة

۲۲۰- معجم لغة الفقهاء، قلعه جي (محمد رواس قلعه جي) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية

۲۲۱- المعونة على مذهب عالم المدينة، البغدادي (القاضي عبد الوهاب البغدادي المتوفى ۴۲۲ھ) المكتبة التجارية

۲۲۲- المجموع شرح المهذب، النووي (أبو زكريا محي الدين يحيٰى بن شرف النووي المتوفى ۶۷۶ھ) بيروت، دار الفكر

۲۲۳- المغني، ابن قدامة (موفق الدين أبو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي ۵۴۱ھ-۶۲۰ھ) الرياض، دار عالم الكتب، الطبعة الثالثة ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷م

۲۲۴- مغني المحتاج، الشربيني (الشيخ محمد الشربيني) بيروت دار احياء التراث العربي

۲۲۵- ملتقى الأبحر، الحلبي (العلامة إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي المتوفى ۹۵۶ھ) بيروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹م

۲۲۶- منار السبيل، ابن ضويان (إبراهيم بن محمد بن سالم بن ضويان المتوفى ۱۳۵۳ھ) الرياض، مكتبة المعارف الطبعة الثانية ۱۴۰۵ھ

۲۲۷- المنتقى، شرح الموطأ، الباجي (القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب بن وارث الباجي ۴۰۳ھ-۴۹۴ھ) مصر، مطبعة السعادة، الطبعة الأولى ۱۳۳۲ھ

۲۲۸- منتهى الإرادات، البهوتي (منصور بن يونس البهوتي ۱۰۵۱ھ) بيروت، دار الفكر

۲۲۹- المنجد في اللغة، معلوف (لوئس معلوف) ايران، انتشارات اسماعيليان، الطبعة الحادى و العشرون ۱۹۷۳م

۲۳۰- منح الجليل على مختصر العلامة خليل، عليش (الشيخ محمد عليش مالكي) بيروت، دار الفكر

۲۳۱- المنهاج المعروف بشرح النووى (أبو زكريا محي الدين يحيٰى بن شرف النووى) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ

۲۳۲- المنهاج مع شرحه المغني المحتاج، النووى (أبو زكريا يحيٰى بن شرف النووى) بيروت، دار احياء التراث العربي

۲۳۳- الموافقات، الشاطبي (أبو اسحاق إبراهيم بن موسى الغرناطي الشاطبي المتوفى ۷۹۰ھ) مصر، مطبعة المكتبة التجارية

۲۳۴- مواهب الجليل، الحطاب (أبي عبدالله محمد بن عبدالرحمٰن الحطاب) بيروت، دار الفكر ۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸ء

۲۳۵- موسوعة جمال عبدالناصر، المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية، القاهرة، الطبعة الأولى ۱۳۹۰ھ

۲۳۶- الموسوعة الفقهية الكويت، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، الكويت، الطبعة الأولى ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۴م

۲۳۷- المهذب، الشيرازى (الإمام أبو اسحاق الشيرازى) مصر، عيسى البابي

الحلبي وشركاءه

٢٣٨- المقدمات الممهدات، ابن رشد (أبو الوليد محمد بن أحمد ابن رشد القرطبي المتوفى ٥٢٠هـ) بيروت، دار الغرب الإسلامي، الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ-١٩٨٨م

٢٣٩-موسوعة المصطلحات الاقتصادية والإحصائية، هيكل (الدكتور عبدالعزيز فهمي هيكل) بيروت، دار النهضة العربية، الطبعة ١٩٨٠م

٢٤٠- موقف فقهاء الشريعة الإسلامية في التامين، الضرير (الدكتور محمد الأمين الضرير) بحث غير مطبوع

(ن)

٢٤١- النتف في الفتاوىٰ، السغدي (أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد السغدي المتوفى ٤٦١هـ) بغداد، مطبعة الإرشاد، الطبعة الأولىٰ ١٩٧٦م

٢٤٢- نصب الراية، الزيلعي (عبد الله بن يوسف أبو محمد الحنفي الزيلعي) مصر، دار الحديث الطبعة الأولى ١٣٥٧هـ بتحقيق العلامة محمد يوسف البنوري

٢٤٣- النظام الاقتصادي في الإسلام، النبهاني (الشيخ تقي الدين النبهاني) بيروت، دار الأمة للطباعة والنشر والتوزيع، الطبعة الخامسة ١٤١٨هـ-١٩٩٧م

٢٤٤- نظرية الضرورة الشرعية، الزحيليٰ (الدكتور وهبة الزحيلي) بيروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ١٤٠٢هـ-١٩٨٢م

٢٤٥- نظرية العقد، السنهوري (الدكتور عبدالرزاق أحمد السنهوري) بيروت، دار إحياء التراث العربي

٢٤٦- نهاية المحتاج، الرملي (شمس الدين محمد بن أبو العباس أحمد بن حمزه ابن شهاب الدين الرملي المتوفى ١٠٠٤هـ) بيروت، دار إحياء التراث العربي

٢٤٧- نيل الأوطار، الشوكاني (الإمام محمد بن محمد الشوكاني المتوفى ١٢٥٥هـ) مصر، مصطفى البابي الحلبي وأولاده، رجب ١٣٤٧هـ

(ه)

٢٤٨- الهداية شرح بداية المبتدي، المرغيناني (برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني) كراتشي، ادارة القرآن و العلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ

(و)

۲۴۹- الوجيز، الغزالی (الإمام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ) بیروت دار المعرفة، الطبعة الأولى ۱۳۹۹ھ

۲۵۰- الوسيط فی المذهب، الغزالی (الإمام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ) بیروت، لبنان، دار الكتب العلمية، الطبعة الاولىٰ ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱م

۲۵۱- الوسيط فی شرح القانون المدنی، السنهوری (الدكتور عبد الرزاق السنهوری) بیروت، دار إحياء التراث العربی الطبعة الاولىٰ ۱۹۶۴م

ENGLISH BOOKS

252- An introduction to Islamic Finance, Usmani, (Muhammad Taqi Usmani), Karachi, Idaratual Ma'arif, Edition May,2000.

253- Black's law distionary, Black (Henry campbell black, M.A 1860 ... 1927) U.S.A, West publishing company, fifth edition.

254- Chitty on contracts, sweet and max well LTD, London edition 24, 1977, vol. II.

255- Ecnomics a complete cours, by Don Moynihan Brian Titly, Oxford press 1988.

256- Ecnomic Business decisions By F. Livessey, published By Mac donald and Evans, 1983.

257- Encyclopedia of Islamic Banking and Finance ,Institute of Islamic Banking and Finance (IIBI).

258- Islamic and The Ecnomic Challenge, Chepra, (Muhammad Umar Chapra) The Islamic Foundation and International Institute of Islamic Thought.

259- Islamic Finance By Phlip Moore .published By Al Barakah Investment and Development co. Dallah Al Barakah.

260- Islamic Law of Business organization, Niyazee (Imran Ahsan Niyazee) International Institute of Islamic Thought and Islamic research Institute 1997.

261- Rules For Ready Delivery Contracts of The Karachi Stock Exchange (Guarantee) Limited.

262- The Concise Oxford Dictionary 7th edition 1982 edited by J.B. sykes Oxford University Press, New York .U.S.A.

263- The New Encylopedia , The University of Chicago , Chicago, Edition 1998.

264- Modern Ecnomic Theory By Kewal Krishen Dewett, Sham Lal Charitable trust, Dehli.

265- Prophit and Loss sharing By Shahrukh Khan Published by Oxford University Press , First Edition 1987.